ابو ھشام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام ایک ایسا دین ہے جس میں مذہب کی آمیزش نہیں ہوسکتی اور یہ وحی الٰہہ ہے جو کہ اللہ اپنے منتخب بندوں پر بھیجتا ہے اور وہ اس پیغام کو من وعن آگے پہنچا دیتے ہیں اور ازل سے لے حضورﷺ تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور وہ پیغام ہے عبدیت کا، مگر عجیب بات ہے مسلمانوں نے ایمان کو عقیدے کے رنگ میں رنگ دیا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ بنی کہ عباسی دور میں عجمی زبانوں کا عربی سے اختلاط شروع ہوا تو قران کے حقیقی معنوں کی بجائے بائبل کے معنوں سے قرانی الفاظ کا ترجمہ کیا گیا اور انہی کی بنیاد پر تفاسیر تحریر کی جانے لگیں اور ہمارے ہاں عربی زبان کا جس قدر اولین تحریری سرمایہ ہے وہ بیشتر اسی دور کا پیدا شدہ ہے خواہ یہ کتب تفاسیر ہوں یا لغت کی کتابیں، یا کتب تاریخ ہوں یا ادبی تصانیف۔۔۔ اور کتب تفاسیر میں بھی ضعیف اور اسرائیلی روایات کی وجہ سے قرانی آیات (والفاظ) کا مفہوم اپنی اصل سے ہٹ چکا ہے۔

عربی زبان کے ہر لفظ کا مادہ ہوتا ہے جو اپنے بنیادی معنیٰ رکھتا ہے، گرائمر کے قواعد کی رو سے اس مادہ کی شکلیں خواہ کیسے ہی بدلتی رہیں اس کے بنیادی معنیٰ کی جھلک ہر شکل میں موجود رہے گی، جیسے عربی میں لفظ صبر کا مادہ ص ب ر ہے جس کے معنیٰ ,, کسی شخص کا مطلوبہ شے کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد کرنا، جم کر کھڑے ہو جانا، ثابت قدم ہونا، لیکن دیکھیے صحرا نشین اس کو کن کن معنوں میں استعمال کرتے ہیں،،،،،، بادل کا وہ ٹکڑا جو چوبیس گھنٹے ایک جگہ کھٹا رہے الصبیر کہلاتا ہے،،،، اونٹ سارا دن چرنے کے بعد انھی قدموں واپس آئیں تو ان کو الا صبر کہتے ہیں، ان معنوں کو اگر سامنے رکھ کر آیت کا ترجمہ کیا جائے تو مفہوم واضع ہو جاتا ہے۔

قران کریم نے بعض الفاظ کو اصطلاحات کے طور پر استعمال کیا ہے یہ اصطلاحات اس قدر جامع

ہیں کہ تنہا لغت سے وہ عظیم تصورات سامنے نہیں آ سکتے جنہیں قران نے ان الفاظ میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے جیسے کہ

صلواۃ، زکواۃ، تقوی، ایمان، املام، کفر، فسق، فجور، دنیا، آخرت وغیرہ۔۔۔۔جوں جوں انسانی علم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ان کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے ان اصطلاحات کا مفہوم خود قران کریم سے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔قران کا انداز یہ ہے کہ اس میں اگر ایک مقام پر ایک بات کہی گئی ہے تو دوسرے مقام پر اس کی وضاحت اس انداز سے کر دی گئی ہے کہ پہلی کہی بات خود بخود واضع ہو جاتی ہے۔ اس انداز کو قران نے ,,تصریف آیات،،،، سے تعبیر کیا ہے

﴿وکذلك نصرف الایت ولیقولو درست و لنبینه لقوم یعلمون﴾ ٦:١٠٦

اس طرح ہم اپنی آیات کو لوٹا کر لاتے ہیں تا کہ یہ لوگ کہیں کہ تو نے بات ذھن نشین کرا دی اور تا کہ ہم اسے ان لوگوں کے لیے واضع کر دیں جو علم و بصیرت سے کام لیں

تصریف آیات کے بارے میں ہمارے مذہبی پیشوا نے کوئی اہم کام کیا ہے اور نہ ہی اس کو تحفیظ قران کا حصہ بنایا ہے، ایسا کیوں ہوا؟ اس کا جواب تو وہ ہی دے سکتے ہیں، اور اگر تصریف آیات کو سمجھ لیا جائے تو پھر بلا شبہ اسلام مذہب کی بجائے دین بن جائے اور فرقوں کی بجائے لوگ مسلمان کہلوائیں

مثال کے طور پر، قران میں ایک جگہ ارشاد ہے﴿ان الله مع الصابرین﴾ ٣:١٥٣

یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

مگر یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ صبر کرنے والے کون ہیں؟ لیکن اسی سورت کی آیت ١٥٣ میں ان لوگوں کے بارے میں بتا دیا گیا ہے

﴿و کا ین من یبی قتل معه ربیون کثیر فما وهنوا لما اصا بهم فی سبیل الله وما ضعفو ا وما استکانو والل یحب الصبرین﴾ ٣:١٥٣

کتنے ہی انبیاء (ایسے گزرے) ہیں جن کی معیت میں بہت سے اللہ والوں نے (مخالفین کے مقابلے میں) جنگ کی، پھر ان تکالیف کی وجہ سے جو انہیں اس طرح اللہ کی راہ میں پیش آئیں، نہ وہ سست گام ہوئے نہ ہی ان میں کمزوری آئی اور نہ وہ مخالفین سے مغلوب ہوئے (یہی وہ) الصابرین ہیں جنہیں اللہ دوست رکھتا ہے

اگلی آیت ان کی اس کیفیت کو ﴿۔۔۔وثبت اقدامنا۔۔۔۔﴾ دعا سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی یہ دعا کہ (ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ) ۳:۱۴۷

جبکہ عین حالت جنگ میں کہا کہ ﴿الن خفف الله عنكم وعلم ان فيكم ضعفا فان يكن منكم مائة صابرة يغلبو مائتين وان يكن منكم الف يغلبو الفين باذن الله الله مع الصبرين﴾ ٨:٦٦

(اب اللہ نے تم سے (اپنے حکم کا بوجھ) ہلکا کر دیا ہے اسے معلوم ہے تم میں کمزوری ہے اگر تم سے سو ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

ان آیات کی روشنی میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ قران نے صبر کن معنوں میں استعمال کیا ہے جب کہ صبر اپنے افعال کے لحاظ سے ۸۳ مرتبہ قران میں آیا ہے ۔

نزول قران سے پہلے عربی زبان کا تمام تر ذخیرہ ان کے شعراء کے کلام میں محفوظ تھا۔عربوں کے معاشرہ میں شعراء کو خاص اہمیت اور مقام حاصل تھا اور ان کے اشعار بچے بچے کے زبان پر ہوتے تھے۔یعنی شعر بالفاظ آگے منتقل ہوتا ہے اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاتا،یہی وجہ تھی کہ زمانہ قبل از اسلام کے شعراء کا کلام باالفاظہ اور بجنسیہ آگے منتقل ہوتا رہا تانکہ وہ (عباسیوں کے عہد میں) ضبطِ تحریر میں آ گیا مثال کے طور پر

عمر والقیس قبل از اسلام کا ایک مشہور شاعر تھا جس کی ایک نظم کے الفاظ سورۃ القمر میں استعمال ہوئے ہیں اس سورت کے بادی النظر مطالعہ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ اس وقت کے عربوں کو آخری تنبیہ دی جارہی ہے کہ اگر اب بھی آپ باز نہ آئے تو ان کو تہ تیغ کردیا جائے گا اور وہ وقت قریب آچکا ہے کہ ان کی شان وشوکت کا قمر (چاند عربوں کا علامتی نشان تھا جس کو وہ اپنے جھنڈوں پر بناتے اور جنگ میں شامل ہوتے تھے) شق ہوجائے گا ان کی قوم کی بربادی قریب آچکی ہے اور قران کے الفاظ بھی وہ ہی ہیں جو عمرو القیس کی شاعری میں استعمال ہوئے ہیں تاکہ عرب سمجھ جائیں مگر اسرائیلی اور دیو مالائی مذہبی ذہن رکھنے والوں نے اسے مافوق الفطرت کہانی میں بدل دیا اور قمر کے شق ہونے کو چاند کے اصل میں دو ٹکڑوں میں ٹوٹ جانے پر محمول کیا۔

عربی زبان کے وہ الفاظ جو زمانہ نزول قران کے وقت مروج تھے، عربی ادب کی کتابوں میں محفوظ ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ ان سے استفادہ کیا جائے، شومئی قسمت وہ اب ہمارا مقصود نہیں رہا کیونکہ ان ادبی الفاظ کے مروجہ معنوں کا نتائج میں ہمارے مذہبی پیشوا کی روٹی بند ہوجائیگی۔ عمر والقیس کی ایک نظم میں جو الفاظ آئے ہیں ان کی غلط تاویل کی وجہ سے غیر مسلم کہتے ہیں کہ نبی پاک نے قران خود لکھا اور سورۃ قمر کی آیات کو عمرو القیس کی شاعری سے مستعار لیا اور بات یہاں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ ایک روایت بھی تیار کی گئی کہ حضرت عائشہؓ جب سورۃ القمر کی تلاوت کر رہیں تھی تو عمر والقیس کی نواسی نے کہا کہ یہ شاعری تو میرے دادا کی ہے جس نے حضورﷺ کی پیدائش سے پہلے یہ نظم لکھی ہے۔ حالانکہ عمر والقیس اپنے والد کی کھوئی ہوئی سلطنت کے لیے رومی اور فارسی بادشاھوں کی حمایت کے لیے ان کے پاس گیا اور ان کے وعدہ ووعید کے باوجود وہ کندی سلطنت جونجد کے علاقے میں تھی حاصل نہ کر پایا (انسائیکلو پیڈیا عمر والقیس) اور اسی کھوئی ہوئی حکومت کے متعلق اس نے لکھا ہے کہ عربوں کا چاند شق ہوگیا اور چونکہ یہ الفاظ ان عربوں کی شاعری کا حصہ بن چکے تھے تو جب اللہ رب العزت نے اپنے پیارے

نبی ﷺ کو یہ بشارت دی کہ آپ کی تبلیغ اور اللہ کے پیغام سے عربوں کا چاند (طاقت کا نشان) دو ٹکڑے ہو جائے گا اور وہ گھڑی آن پہنچی ہے تو اس بات کو مذہبی پیشوا نے حقیقی چاند کے دوٹکڑوں میں بدل دیا اور اب ان سے کوئی یہ پوچھنے والا نہیں کہ عمرو نے بھی تو یہی الفاظ استعمال کیے تھے تو کیا اس نے چاند کے دوٹکڑے کیے تھے؟ قران کریم میں یہ الفاظ انہیں معنوں میں استعمال ہوئے جن معنوں میں ان اشعار میں استعمال ہوئے تھے اور جن سے زمانہ نزولِ قران کے عرب اچھی طرح واقف تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان کو قران کریم کے سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آئی۔یہ اشعار (ادب کی کتابوں کے علاوہ) عربی زبان کی مستند لغت کی کتابوں میں بھی آچکے ہیں۔اور ان الفاظ کے اُن معنوں سے قران کریم کے الفاظ کے وہ معنی سامنے آسکتے ہیں جو زمانہ نزولِ قران میں مروج تھے۔

ﷺ

عمرو القیس کی نظم

ذنب الساعة وانشق القمر -------- عن غزال صاد قلبی و نفر

احور قد حرث فی اوصافر------------ نا عس الطرف بعنیه حور

مر یوم العید فی زینته----------------- فرمانی فتعاطی فعقر

بسهام من لحاظ فانك------------فترکنی کهشیم المحتظر

واذا ما غاب عنی ساعة --------------- کانت الساعة ادهی وامر

کتب الحسن علی و جنته ----- بسحیق المسك سطرا مختصر

عادة الاقمار یسری فی ادجی ---- قرابت اللیل یسری بالقمر

با لضحی و اللیل من طرتیه ----- فرقه ذا النور کم شیء زهر

قلت اذ شق العذار خده ...... دنت الساعة وانشق القمر

اقبل و العشاق من خلقه ..... کانهم من حدب ینسلون

وجاء یوم العید فی زینته .... لمثل ذا فلیعمل العلمون

قران کی جن آیات میں اس نظم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں

١۔الساعة و انشق القمر (۵۴:١)

٢۔ فتعاطی فعقر (۵۴:۲۹)

٣۔ کهشیم المحتظر (۵۴:۳١)

٤۔ الساعة ادهی و امر (۵۴:۴٦)

٥۔ و الضحی ، و الیل اذا سجی (۹۳:١۔۲)

٦۔الساعة و انشق القمر (۵۴:١)

٧۔ من کل حدب ینسلون (۲١:۹٦)

٨۔ لمثل هذا فلیعمل العملون (۳۷:٦١)

اب عمومی ترجمہ جو اس آیت کا کیا جاتا ہے وہ کچھ یوں ہے

قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا

غور کریں کہ روایتی قیامت رسالتماب کے زمانے میں ہی قریب آ گئی تھی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو آپ ﷺ کے زمانے قیامت آئی اور نہ ان کے بعد آج تک قیامت آئی، پھر یہ کون سی قیامت کا ذکر قران میں بار بار ملتا ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ ﴿فهل ینظرون الا الساعة ان تاتیهم بغتة فقد جاء اشراطها فانی لهم جاء تهم ذکرا هم﴾ (٤٧:١٨)

اب تو یہ لوگ قیامت ہی کو دیکھ رہے ہیں کہ ناگواں ان پر آ واقع ہو۔سو اس کی نشانیاں وقوع پذیر ہو

چکی ہیں۔ پھر جب ان پر نازل ہوگئی اس وقت انہیں نصیحت کہاں (مفید ہو سکے گی؟)
غور کیجئے کہ یہ وہ قیامت تھی جس کے متعلق سورۃ محمد میں اعلان کیا گیا کہ وہ اتنی قریب آ چکی ہے کہ اس وقت کے لوگوں نے اس کی نشانیاں تک دیکھ لی تھیں۔۔۔!!! لیکن آج ۱۴۰۰ سال کے بعد بھی وہ نہیں آئی۔۔۔۔!!!

ان تراجم پر ذرا غور کیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی کرہ کے ختم ہونے کی بات نہیں ہو رہی بلکہ جدید خلائی تحقیق کے مطابق ابھی بھی کائنات میں نئے سیارے بن رہے ہیں جبکہ یہاں کفار کی شان وشوکت کے ختم ہونے کی بات ہے

سورۃ القمر میں آیت نمبر ۹ سے لے کر ۱۷ تک قوم نوح کی بربادی کا ذکر ہے
جب کہ آیت نمبر ۱۸ سے ۲۲ تک قوم عاد کی تباہی کی داستان ہے
آیت نمبر ۲۳ سے لے کر ۳۲ تک قوم ثمود کا ذکر ہے اور ان کی تباہی کا بیان ہے
آیت نمبر ۳۳ سے لے کر ۴۰ تک قوم لوط کے عذاب کا بیان ہے اور
آیت نمبر ۴۱ کے بعد آل فرعون کی جاہ وجلال اور شان وشوکت کے غروب ہونے کا بیان ہے۔ اس کے بعد کہا گیا

﴿اکفار کم خیر من اولیکم ام لکم براء ة فی الزبر﴾(٤٣)﴿ام یقولون نحن جمیع منتصر﴾(٤٤)﴿سیهزم الجمع و یو لون ا لدبر﴾ (٤٥)﴿بل ساعة ادهی و امر ان االمجر فی ضلال و سعر(٤٦)﴾

کیا تمہارے کفار کچھ ان لوگوں سے بہتر ہیں؟ یا آسمانی کتابوں میں تمہارے لیے کوئی معافی لکھی ہوئی ہے۔ یا ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ہم ایک مضبوط جتھا ہیں اپنا بچاؤ کر لیں گے؟ عنقریب یہ جتھا شکست کھا جائے گا اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگتے نظر آئیں گے بلکہ ان سے نمٹنے کے لیے اصل

وعدے کا وقت تو وقت قیامت ہے اور وہ بڑی آفت اور زیادہ تلخ ساعت ہے، یہ مجرم لوگ درحقیقت غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور ان کی عقل ماری گئی ہے (مودودی)

اس روایتی ترجمے سے بھی یہ بات واضع ہو جاتی ہے شق القمر ایک ایسی حقیقت ہے جو کفار کی شان و شوکت کی بربادی کی داستان سناتی ہے

مندرجہ بالا مثالوں اس جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ

۱۔سب سے پہلے متعلقہ لفظ کے مادہ کو دیکھا جائے کہ اس کا بنیادی مفہوم کیا ہے؟ اور خصوصیت کیا ہے؟ اس مادہ کی شکلیں کتنی ہیں کیوں نہ بدلیں، اس کی خصوصیت کی روح بالعموم ہر پیکر میں جھلکتی رہے گی۔

۲۔صحرانشینوں کے ہاں اس لفظ کا استعمال کس کس انداز سے ہوتا تھا اور ان کے نزدیک اس مادہ کا تصور کیا تھا اس کو زیادہ گہرائی میں سمجھنے کے لیے علم اللسان کا مطالعہ سودمند اور معاون ثابت ہوتا ہے

۳۔اس کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قران میں وہ لفظ کس کس مقام پر آیا ہے اور وہاں کس کس رنگ میں استعمال ہوا ہے ان مقامات سے اس لفظ کا قرانی تصور سامنے آجائیگا۔

۳۔قران کریم میں جو مفردات اور اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں ان کا مفہوم ان کی مجموعی تعلیم کے خلاف نہ جائے اس لیے کہ اللہ نے کہا ہے کہ ﴿لا ریب فیه﴾ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

۴۔اللہ رب العزت نے قران کو نور (روشنی) کہا ہے اور روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لیے بیرونی مدد کی محتاج نہیں اسی لیے ﴿انه لقول رسول کریم﴾ قران قول رسول ﷺ ہے ۸۱:۱۹

اور نہ قران کو اپنے مفاہیم کو سمجھانے کے لیے کسی خارجی تفسیر کی ضرورت ہے کیونکہ ﴿القران یفسر بعضه بعضا﴾ قران کا ایک مقام دوسرے کی تفسیر کرتا ہے، چونکہ قران حق ہے ﴿.... بالحق و احسن تفسیرا﴾ اور ہم آپ کے پاس حق اور بہتر وضاحت لے آتے ہیں ۲۵:۳۳

۵۔اور نہ ہی قران میں سے اس کے بیانات کو دیو مالائی رنگ دینے کی کوشش کرنے کی ضرورت ہے
چونکہ قران وہ بات ہی نہیں کرتا ہے جو بشریت کے تقاضے پورے نہ کرتی ہو
﴿فانما يسرنه بلسانك لتبشر به....﴾ ہم نے بےشک اس (قران) کو زبان میں
(انسانی سوچ اور ذہن کیمطابق) آسان کردیا ہے۔ ۱۹:۹۷
مگر بائبل کی کہانیوں کو قران کے واقعات سے جوڑ کر ایسی کہانیاں ترتیب دی گئیں ہیں جو کہ مافوق
الفطرت ہیں۔
چونکہ ہمارا مذہبی پیشوا ہمیشہ سے بائبل کی کہانیوں سے متاثر رہا ہے اس لیے آپ کو اسلام میں رائج
روایات اور عبادات کا طریقہ انھی سے ملتا جلتا ملے گا جس کا نہ تو قران میں کہیں ذکر ہوگا اور نہ ہی وہ مقصود
مالکِ کائینات ہوتا ہے، میں نے اس کتاب میں انہی رائج روایات کو بیان کیا ہے اور ان کے
مقابلے میں قران کے کیا احکامات ہیں کی بھی تفصیل لکھ دی ہے، اب یہ قاری پر منحصر ہے کہ وہ کیا فیصلہ کرتا
ہے؟

عقیدہ غیر قرانی ہے

قران پاک میں عقیدہ کے متعلق کسی بھی قسم کا کا کوئی حکم یا آیت نہیں ملتی مگر اس سے ملتا جلتا ایک لفظ, عقدُہ یعنی شادی کا بندھن اور ایک عَقد ہ جس کا مطلب ہے پختہ تعلق یا پکی بندھی ہوئی کوئی چیز ہو کے الفاظ موجود ہیں مگر مذہبی لحاظ سے عقیدہ کا جو نظریہ قائم ہے اور اس کی جو تعریف کی جاتی ہے کم از کم وہ ان دو آیات سے کسی بھی صورت ثابت نہیں ہوتی۔

عرف عام میں عقیدہ وہ سوچ ہے جو مدلل اور صحیح ہو۔شیعہ اور سنی فرقے دونوں ہی مختلف سوچ کے مالک ہیں شیعہ فقہ کا عقیدہ ہے کہ امام کے بغیر دنیا قائم نہیں رہ سکتی (اصول کافی صفحہ ۱۰۴) جب کہ سنیوں کے ایک گروہ کے نزدیک وسیلہ جب کہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ صرف توحید ایمان کا حصہ ہے اور وسیلہ شرک ہے۔

مگر سنیوں اور اہل تشیع میں موجود مختلف مذاہب ایک دوسرے کے عقیدے کو تنقید کا نشانہ بنا کر اپنی سوچ کو صحیح اور مدلل ثابت کرتے ہیں کہ وہی اس دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوں گے اور ایک دوسرے کے عقیدے کو گمراہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے۔مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ لباس کا زیب تن کرنا، رھنا سہنا، کھانا پینا اور روزانہ کے معمولات زندگی بالکل ایک جیسے ہیں مگر دل میں ایک دوسرے کے لئے بغض رکھیں گے۔

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق عقیدہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنیٰ ''بندھن،، کے ھیں اور یہ بائبل میں ''آزمائش'' کے ترجمہ کے ساتھ موجود ہے

جب کہ قران میں جن آیات کا حوالہ عقیدہ کے زمرے میں دیا جاتا ہے وہ یہ ہیں

﴿۔۔ولا تعذمو عُقده النكاح حتى يبلغ الكتب اجله۔۔۔﴾ ۲۳۵:۲

(اور(اس دوران) عقد[قول وقرار] نکاح کا پختہ عزم نہ کرو یہاں تک کہ مقررہ عدت اپنی انتہاہ کو پہنچ جائے)   سنی ترجمہ(عرفان القران)

(اور جب تک معیاد مقرر نہ گزر جائے نکاح کا قصد بھی نہ کرنا) شیعہ ترجمہ امروھی

(لیکن خفیہ طور پر ان سے کوئی وعدہ وعید نہ کرنا سوائے اس بات جو احکام کے مطابق ہو اور کسی معاہدے کو پختہ کرنے کا عزم نہ کرنا) ترجمان القران،

﴿---الا ان یعفون او یعفو الذی بیده عُقده النکاح...﴾ ۲۳۷:۵

(یا وہ(شوہر) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے معاف کر دے)   سنی ترجمہ(عرفان القران)

(یا ان کا ولی جس کے ھاتھ میں نکاح کا اختیار ہو معاف کر دے)   شیعہ ترجمہ امروھی

(اللہ کی مملکت کی عدالت جس کے ھاتھ میں معاہدے کی ذمہ داری ہے عافیت و درگزر سے کام لے ترجمان القران،

﴿واحلل عُقده من لسانی﴾   ۲۷:۲۰

اور میری زبان کی گرہ کھول دے   سنی ترجمہ(عرفان القران)

میری زبان کی بستگی کو کھول دے   شیعہ ترجمہ امروھی

اور میرے بیان کی مشکلات کا حل عطا فرما   ترجمان القران

﴿و من شر النفاثات فی العَقد﴾   ٤:١١٣

(اور گرہوں میں پھونک مارنے والی جادوگرنیوں (اور جادوگروں) کے شر سے) سنی ترجمہ(عرفان القران)

اور گنڈوں پر پھونکنے والیوں کی برائی سے   شیعہ ترجمہ امروھی

ان تراجم سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عقیدہ کی جس روح کو ان سے ثابت کیا جاتا ہے اس کا ان آیات سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ہے۔

بائبل نے مختلف مقامات پر حضرت ابراھیم کی حضرت اسحاق کی (باب پیدائش ۱۹۔۱:۲۲) قربانی کے واقعہ کو ایمان یا عقیدہ کے طور پر تعبیر کیا ہے اور رسولوں کا عقیدہ:

(میں ایمان رکھتا ہوں خدا قادر مطلق باپ پر جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔۔۔۔۔۔)

(عبر ۱۱:۱۷) اور جب اس نے ابراھام کو آزمایا کہ وہ اسحاق کی قربانی دے اور اس کو وعدہ ملا جب وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو نذر کرنے لگا)

رومیوں ۱۶:۴ (اس حکم وعدہ وفضل پر وہ یقین کر سکتے ہیں اور ان کے تمام خاندان کو ضمانت دی جائے کہ میں ایمان پر انحصار کرتا ہوں اور نہ صرف وہ لوگ جو اس قانون سے منسلک ہیں بلکہ وہ پیروکار بھی جو ابراھام کے ایمان سے اشتراک کرتے ہیں ان سب کا وہ باپ ہے۔)

جب کہ نبی اکرم ﷺ ساتویں صدی عیسوی میں تشریف لائے اور سنی فرقہ نویں صدی عیسوی تک معرض وجود میں نہیں آیا تھا اس کا مطلب ہے کہ بائبل نے عقیدہ کا خیال ان سے نو سو سال پہلے کا دیا ہوا ہے اور یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ مذہبی ایمان کا کا نظریہ تحریف شدہ بائبل سے مستعار لیا گیا ہے۔ اور اسی کی بنیاد پر سنی اور شیعہ مذہب معرض وجود میں آئے جب کہ ہر وہ شخص جو اپنی خواہش اور نفس کو بالائے طاق رکھ کر اپنی زندگی قران کے دیئے گئے معاشی اور معاشرتی قوانین کے مطابق گزارتا ہے مسلمان کہلاتا ہے اور وہ مملکت جو صرف احکاماتِ قرانی کے مطابق عوام کو انصاف اور بنیادی ضروریات بہم پہنچاتی ہے اللہ کی مملکت کہلاتی ہے۔ اور ایسی مملکت میں کسی نام نہاد عقیدے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی نہ وہاں پر کوئی سنی ہوتا ہے نہ شیعہ اور نہ ہی فقہ کے نام پر بائبل سے چرائی گی سزائیں دی جاتی ہیں

مسلمان عقیدے کی بنیاد پر ایک دوسرے سے لڑنے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم رکھنے کی بجائے تسخیر کائنات میں مشغول اور اللہ سے روبرو ملنے کی خواھش سے لبریز ہوتے ہیں۔

سنی اور شیعہ علماء نے عقیدہ کو نبی پاک ﷺ اور قران کے احکامات سے منسلک کر کے ایمان کا حصہ بنا کر اپنا الوسیدھا رکھا ہوا ہے اور کبھی بھی کسی نے تدبر سے کام لے کر حقیقت کو بیان کرنے کی کوشش کی تو اس کو کافر کا لقب دے کر ایمان سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ عوام الناس کو کہا جاتا ہے کہ عقیدہ کوئی عملی یا مادی چیز نہیں ہے بلکہ علمی چیز ہے جس کو سنی اور شیعہ اپنے دل میں یقین کے ساتھ رکھے اور ان عبادات اور تصورات کے مطابق زندگی بسر کرے جو اس فرقے کے علماء نے اپنے اسلاف سے سیکھا اور جو نسل در نسل منتقل ہوتے ہوئے چلے آرہے ہیں،

نبی اکرم ﷺ کو اللہ رب العزت نے واضع بتایا کو بائبل میں کیا احکامات نازل کیے گئے آپ ﷺ کو ان کی کوئی خبر نہیں ہے اور نہ ہی ان کو الہی علم تھا

﴿و کذ لك او حينا اليك روحا من امرنا ما كنت تدرى ما الكتب ....﴾ ٤٢:٥٢

سو اس طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح (قران) کی وحی فرمائی اور آپ یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب (بائبل) کیا ہے۔۔

اس کا مطلب ہے کہ نبی پاک کو عقیدے کے بارے میں کوئی معلومات نہیں تھی اور اگر قران نے بھی عقیدے کے لفظ کو کہیں استعمال نہیں کیا تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ خود سے بیان فرما کر اپنی امت کو تقسیم کرتے؟

اور یہ حیران کن امر ہے کہ فقہ اور احادیث کی کتب میں جا بجا اسرائیلیات کا ذکر نظر آئے گا۔

مگر مذہبی پیشوا بضد ہے کہ عقیدہ نظر نہ آنے والی چیز ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے اور ثبوت کے طور پر سورۃ البقرہ کی آیت ۳ کا حوالہ دیتے ہیں

(جوغیب پرایمان لاتے ہیں اور صلوۃ کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ھم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں)

ایمان کو اللہ رب العزت نور سے تشبیہ دیتے ہوے نبی پاک کو فرماتے ہیں

﴿۔۔ما کنت تدری ما الکتب ولا الایمن ولکن جعلنه نورا نهدی به من نشاء من عبادنا وانك لتهدی الی صراط مستقیم﴾ ٤٢:٥٢

نہ یہ جانتے تھے کہ کتاب (انجیل،تورات) کیا ہے اور نہ ایمان مگر ہم نے اسے نور بنا دیا اور ہم اس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جو چاہتا ہے ھدایت سے نوازتے ہیں اور بے شک آپ ہی صراط مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کا تعلق صراط مستقیم سے ہے اور صراط مستقیم کیا ہے؟ اللہ رب العزت سورۃ الانعام میں فرماتے ہیں

﴿قل تعالو اتل ما حرم ربکم علیکم ال تشرکو ابه شیا ، و بالولدین احسنا ، ولا تقتلو اولدکم من املق ، نحن نرز قم وایا همے ولا تقربو الفوحش ما ظهر منها وما بطن ، ولا تقتلو ا النفس التی حرم الله الا بالحقے ذلکم وصکم به لعلکم تعقلون﴾

﴿ کہد و(اے بنی مکرم ﷺ) کہ تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں لگائی ہیں۔ یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو • اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ سے قتل (تعلیم و ہنر سے دور) نہ کرو • ہم تمہیں اور خاص ان کو بھی عطا کریں گے • کھلے عام یا چھپے ہوے طریقے سے وحی الٰہی کی روگردانی (فحاشی) کے قریب نہ جاؤ • جس جان (جو سانس لیتی ہو خواہ جانور یا انسان) کو اللہ نے حرمت دی ہو اسے قتل نہ کرنا مگر اللہ کے حکم کے مطابق • یہ مذکورہ احکام ہیں

اس (اللہ) نے تمھیں قران کے ذریعے دیئے ہیں امید ہے کہ تم سمجھ جاؤ گے☆٦:١٥١

﴿ولا تقربو مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشدہ ، وافوا الکیل والمیزان بالقسط، لا تکلف نفسا الا وسعھا ، واذا قلتم فاعدلو ولو کان ذا قربی، و بعھد اللہ اوفو ا ذلکم وصکم بہ لعلکم تذکرون﴾ ٦:١٥٢

جن لوگوں کے سر پر سایہ نہیں (یتیم) ہیں ان کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر حسن کارانہ طریقے سے، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں • اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورے کرو • ہم کسی نفس کو بھی اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ دار نہیں ٹھہراتے• اور جب بھی بات کرو (قاضی) عدل کرو اگر چہ وہ قرابت والا ہو • اور اللہ کے عہد کے مطابق عہد پورا کرو • یہی مذکورہ احکام تم کو اللہ نے اس کتاب کے ذریعے دیئے ہیں امید ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو گے •

﴿وان ھذا صراط مستقیم فا تبعوہ ولا تتبعو ا السبیل فتفرق بکم عن سبیلہ ۔ ذلکم وصکم بہ لعلکم تتقون﴾

اور یقیناً یہی میرا سیدھا (صراط المستقیم) راستہ ہے پس اس کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں کی اتباع نہ کرو • وہ تم کو اس کی راہ سے الگ کر دیں گے یہ اللہ نے تم کو اس قران کے ساتھ حکم دیا تا کہ تم نافرمانی سے بچ جاؤ﴾٦:١٥٣

ایمان کا تعلق صراط مستقیم سے ہے اور اس پر عمل کرنا ھی مسلمان کا کام ہے اور جو ان نو (٩) باتوں پر عمل پیرا نہیں وہ سیدھے راہ پر نہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نبی پاک ﷺ کی ہدایت سے محروم ہے اور جو ان ﷺ کی ہدایت سے محروم ہوا اس کو اللہ بھی گمراہ رہنے دیتا ہے جبکہ عقیدے کا تعلق یقین سے ہے تو سوال ہوگا کہ ,,یقین,, کا لفظ کیوں استعمال نہیں کیا گیا جب کہ مادہ ی ق ن سے بننے والے دیگر الفاظ قران میں موجود ہیں اور عقیدہ پر یقین رکھ کے دل سے ماننا ہی

ضروری ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی کے ماننے کا پتہ کیسے چلے گا؟ اور کس کو منوانا ہے؟ خدا کو یا خدا کی مخلوق کو؟ خدا کو تو ضرورت نہیں کہ اس کو بتایا جائے کہ ھمارے دل میں کیا ہے اور اگر انسانوں کو یقین دلانے کیلیئے ہے تو انسانوں کے پاس کوئی آلہ یا طریقہ نہیں کہ کسی کے دل کی سچی یا جھوٹی بات کی تصدیق کی جا سکے۔

جب کہ عملی احکامات جو کہ قران نے واضع طور پر بیان کر دیئے ہیں پر عمل پیرا ہونے کی بجائے (جن کا ذکر بائبل میں ہے) ان کو اسرایئلی شریعت سے مستعار لیئے قوانین کے مترادف قرار دے کر شریعت کا نام دے دیا ہے۔ اور کہا یہ جاتا ہے کہ پہلے یہ شریعت موسوی تھے اب شریعت محمدی ہیں۔ جب کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں جو بھی بائبل کے قوانین کو تسلسیم کرے گا وہ ایمان سے پھر گیا

﴿یا یھا الذین ء امنو ان تطیعو فریقا من الذین اوتو ااالکتب یردو کم بعد ایمنکم کفرین﴾ ۳:۱۰۰

اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب (یہودی و عیسائی) میں سے کسی گروہ کا بھی کہنا مانو گے تو وہ تمہارے ایمان (لانے) کے بعد پھر تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں گے

اور اللہ نے حکم دیا کہ اب سوائے قران کے کسی اور کتاب کے قوانین کو نافذ نہیں کرنا اور نبی پاک ﷺ ان کا عملی نمونہ ہیں

﴿و کیف تکفرون و انتم تتلی علیکم ء ایت اللہ و فیکم رسولہ و من یعتصم با اللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم﴾ ۳:۱۰۱

اور تم (اب) کس طرح کفر کرو گے حالانکہ تم وہ ہو کہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت (ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے) کی جاتی ہیں اور تم میں (خود) اللہ کے رسول (ﷺ) موجود ہیں اور جو شخص اللہ کے (احکامات) کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے تو وہ ضرور ھدایت کی گئی سیدھی راہ پر چلتا ہے

اور یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے قران کی موجودگی میں نبی پاک ﷺ اپنی طرف سے احکامات دیں کہ اس بات کی تفصیل تو قران میں نہیں ہے مگر میری امت اس پر عمل پیرا ہو جائے کیونکہ یہ شریعت موسوی ہے۔

اب میں چند ایک ایسے عقائد کا ذکر کرتا ہوں جو کہ قران میں موجود نہیں اور وہ بائبل کا حصہ ہیں اور ان کو شریعت محمدی کے نام سے اسلام کا جز و لاینفک بنا دیا گیا ہے

آمین

سورۃ فاتحہ کے آخر میں آمین کا لفظ پورے قران میں نہ ہونے کے باوجود ہر نماز میں نہ صرف بولا جاتا ہے بلکہ اس پر فرقہ بندی ہے کہ اونچا کہا جائے یا منہ میں پڑھا جائے، جب کہ یہ لفظ بائبل میں موجود ہے، قریب القیاس جو بات سمجھ آتی ہے کہ جب اسلام مصر ،شام اور حبشہ کے علاقوں میں پھیلا تو وھاں پر عیسائیت کا اثر تھا چونکہ یہ لوگ ہر دعا کے بعد آمین کہتے تھے تو جب اسلام میں عبدیت کی بجائے عبادت کو فروغ ملنا شروع ہوا تو ان نومسلم نے آمین کو بھی اسلام کا حصہ بنا کر عبادت میں شامل کر دیا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا اور قران کی جگہ تفسیر ،فقہ ،روایات اور تاریخی واقعات اسلام کا حصہ بنتے گئے تو یہ لفظ بھی ہر نماز میں پڑھا جانے لگا۔

بائبل کی کتاب استثنا ۲۶۔۱۴:۲۷:۱۳ میں یوں تحریر ہے

۱۴:۲۷:۱۳ اور لاوی سب اسرائیلی لوگوں کے سامنے بلند آواز سے یہ اعلان کریں:

۱۵:۲۷:۱۳ لعنت اس آدمی پر جو کاریگری سے ایسی مورت تراشے یا بت ڈھالے جو خداوند کی نظر میں مکروہ ہے اور اسے کسی پوشیدہ جگہ پر نصب کرے۔

اور سب لوگ آمین کہیں!

۱۶:۲۷:۱۳ لعنت اس آدمی پر جو اپنے باپ یا ماں کو بے عزت کرے

اورسب لوگ آمین کہیں!

۱۷:۲۷:۱۳ لعنت اس آدمی پر جو اپنے ہمسایہ کی حد کا پتھر ہٹائے۔

اورسب لوگ آمین کہیں!

۱۸:۲۷:۱۳ لعنت اس آدمی پر جو گدھے کو راستے سے گمراہ کرے

اورسب لوگ آمین کہیں!

۱۹:۲۷:۱۳ لعنت اس آدمی پر جو کسی پردیسی، یتیم یا بیوہ کو انصاف سے محروم رکھے

اورسب لوگ آمین کہیں!

۲۰:۲۷:۱۳ لعنت اس آدمی پر جو اپنے باپ کی سابقہ بیوی سے مباشرت کرے

اورسب لوگ آمین کہیں!

۲۱:۲۷:۱۳ لعنت اس آدمی پر جو کسی جانور سے جماع کرے

اورسب لوگ آمین کہیں!

۲۲:۲۷:۱۳ لعنت اس آدمی پر جو اپنی سوتیلی بہن سے صحبت کرے خواہ وہ اس کے باپ کی بیٹی ہو خواہ اس کی ماں کی بیٹی ہو۔

اورسب لوگ آمین کہیں!

۲۳:۲۷:۱۳ لعنت اس آدمی پر جو اپنی ساس کے ساتھ صحبت کرے

کہا اورسب لوگ آمین کہیں!

۲۴:۲۷:۱۳ لعنت اس آدمی پر جو اپنے ہمسایہ کو پوشیدگی میں مار ڈالے۔

اورسب لوگ آمین کہیں!

۲۵:۲۷:۱۳ لعنت اس آدمی پر جو کسی بے گناہ کو قتل کرنے کے لیے رشوت لے۔

اورسب لوگ آمین کہیں!

۲۶:۲۷:۱۳ لعنت اس آدمی پر جو اس شریعت کی باتوں پر عمل کرنے کے لیے اس پر قائم نہ رہے۔
اورسب لوگ آمین کہیں!

اب یہ بات تو ممکن نہیں کہ اللہ نے نبی پاک ﷺ کو آمین پڑھنے کا حکم دیا ہو اور آپ ﷺ نے امت کو نہ بتایا ہو اور اگر نہیں دیا تو آپ ﷺ خود سے یہ لفظ کسی بھی دعا یا عبادت کا حصہ نہیں بنا سکتے

﴿وما كان لنبى ان يغل و من يغلل يات بما غل يوم االقيمة ثم توفى كل نفس ما كسبت وهم لا يظلمون﴾ ٣:١٦١

اور کسی نبی کی نسبت یہ گمان ھی ممکن نہیں کہ وہ کچھ چھپائے گا اور جو کوئی (کسی کا حق) چھپاتا ہے تو قیامت کے دن اسے وہ لانا پڑے گا جو اس نے چھپایا تھا، پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ آمین کا لفظ کسی بھی صورت وحی الٰہی نہیں بلکہ غیر قرانی ہے۔اور کیونکر مسلمان اس کو نبی ﷺ سے منسوب کر سکتے ہیں جب کہ نبی ﷺ صرف اسی چیز کی حقیقت کو بیان کرنے کے مجاز ہیں جو ان پر وحی کی گئی ہو۔

جب کہ نبی پاک ﷺ تو اللہ کی مرضی کے تابع ہیں اور کیا نبی نے کہیں ایسا کہا ہو کہ قران میں تو آمین وحی نہیں کیا گیا مگر میری منشا (مرضی) ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد پڑھا جائے؟

﴿واتبع ما يو حى اليك﴾ ١٠:١٠٩

(اے رسول) آپ اسی کی اتباع کریں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے

﴿افمن اتبع رضوان الله كمن باء بسخط من الله ﴾ ٣:١٦٢

بھلا وہ شخص جو اللہ کی مرضی کے تابع ہو گیا اس شخص کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب کا سزاوار

ہوا

ایک عام شخص جو اپنی زندگی اللہ کے تابع کر لیتا ہے وہ اس شخص جیسا نہیں ہو سکتا جو کہ اللہ کے غضب کا سزاوار ہے تو نبی ﷺ جن کا اٹھنا بیٹھنا ،کھانا پینا اور زندگی کا ہر لمحہ اللہ کی مرضی کے تابع ہو کیونکر ممکن ہے کہ وہ سورۃ فاتحہ کے آخر میں آمین پڑھتے؟ جب کہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ یہ قران تو نبی پاک کی زبان مبارک سے ادا ہوئے الفاظ ہیں تو نبی ﷺ نے کیوں نہ آمین کو بھی شامل کر لیا؟

﴿ انه لقول رسولٍ کریم﴾ ٦٩:٤٠

بے شک یہ (قران) بزرگی و عظمت والے رسول ﷺ کا (مزل من اللہ) فرمان ہے

اور اگر خدانخواستہ نبی پاک ﷺ نے یہ اپنے سے کہی ہوتی تو اللہ کا فرمان ہے

﴿ولو تقول علینا بعض ال قاویل ☆ لا خذ نا منه بالیمین ﴾ ٦٩:۴۴-۴۵

اور اگر وہ ہم پر کوئی (ایک) بات بھی گھڑ کر کہہ دیتے تو یقیناً ہم ان کو پوری قوت و قدرت کے ساتھ پکڑ لیتے

اور اللہ رب العزت کا کلام حق پر مبنی ہے اور نبی پاک کیوں کر ایسا کلمہ خواہ وہ دعائیہ ہو یا نہ ہو کو اللہ کے کلام کے ساتھ منسلک کرتے جس کا حق ہونا ثابت نہ ہو

﴿و یحق الله الحق بکلمة ﴾ ١٠:٨٢

اور اللہ اپنے کلمات سے حق کا حق ہونا ثابت فرما دیتا ہے

جب کہ نبی پاک ﷺ نے اس دین کو ویسا پہنچایا جیسا کہ ان پر وحی ہوا

﴿وان اقم وجهك للدین حنیفا﴾ ١٠:١٠٥

اور یہ کہ آپ ﷺ ہر باطل سے بچ کر اپنا رخ دین پر رکھیں ﴾

اس لیے ہر وہ شخص جو آمین کہتا ہے بائبل کی کی پیروی کرتا ہے نہ کہ قول رسول کی ۔اور اگر کوئی احادیث

کے ذریعے ثابت کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے ایمان کا خود ذمہ دار ہے۔

عورتوں پر غیر قرانی پابندیاں

عقیدہ کا پرچار کرنے والوں نے عورتوں پر انتہائی بھیانک طرز کی غیر قرانی پابندیاں لگائی ہیں جن کا نہ تو قران میں ذکر ہے اور نہ ان کا رسول ﷺ کی سچی تعلیم سے جو بذات خود قران ہی ہے۔

اور یہ سب پابندیاں بائبل سے لے کر اسرائیلیات کے نام سے حضور پر نور ﷺ سے منسوب کر کے روایات کے درجے پہ لا کر اسلام کا حصہ بنا دیا اور ان پابندیوں کو توڑنے پر گناہ اور عذاب کی نوید بھی سنا دی گئی ہے۔

اس میں سب سے اہم ماہواری کے دوران عبادت کا نہ کرنا، اور یہ کہنا کہ وہ ناپاک ہیں تک شامل ہیں۔

سب سے پہلے میں آپ کو بائبل کی وہ تحریف شدہ آیات بتاتا ہوں اور پھر وہ روایات اور آخر میں قران سے اقتباس پیش کرتا ہوں

بائبل کی کتاب احبار ۱۲:۲

بنی اسرائیل سے کہہ دو جو حاملہ عورت ایک بچے کو جنم دے گی تو وہ سات دن تک ناپاک رہے گی بالکل اسی طرح جیسے وہ ماہواری کے دوران ناپاک ہوتی ہے

بائبل کی کتاب احبار ۱۲:۴

وہ سات دن تک ناپاک رہے گی، ماں تینتیس (۳۳) دن تک خون کے صاف ہونے تک ناپاک رہے گی اور وہ اس دوران گرجا، یا پاک چیزوں کو ھاتھ نہ لگائے گی جب تک اس کی طہارت مکمل نہ ہو جائے۔

یعنی ۳۳ اور ۷ دن چالیس دن بنتے ہیں جو کہ مکمل طور پر سنی/شیعہ مسلک میں بعنیہ شامل ہیں جس کو عرف عام میں چھلہ کہتے ہیں۔

بائبل کی کتاب احبار ۱۲:۵

اور اگر وہ لڑکی جنتی ہے تو وہ چودہ (۱۴) دن ناپاک رہے گی ایسے ہی جیسے ماہواری کے دوران اور طہارت تک چھاسٹھ (٦٦) دن ناپاک رہے گی

عیسائی تعلیمات کا اندازہ آپ خود لگا لیں عورت کی ناپاکی بھی لڑکا یا لڑکی کی پیدائش سے منسلک ہے اگر وہ لڑکی کو جنم دے گی تو ناپاکی کا وقت بھی زیادہ ہے

اب ہم دیکھتے ہیں کہ قولِ رسول ﷺ طہارت کے متعلق کیا فرماتا ہے

یاد رہے کہ اللہ رب العزت قران کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ قولِ رسول کریم ہے

﴿انه لقول رسول كريم﴾ ٦٢:٤٠

بے شک یہ قران بزرگی وعظمت والے رسول (ﷺ) کا فرمان ہے

قران میں طہارت کا لفظ ۳۱ بار استعمال ہوا

ان الفاظ کے ساتھ

يطهرن ،طهرك، تطهرم ،يطهر ليطهركم ،طهر، طهرا، تطهرن، يطهرو، تطهرن، يتطهرون، فاطهرو، طهورا ،اطهر، تطهر، مطهرك ،مطهره ،امطهرون، المتطهرون،

قران پاک میں ط ھ ر سے بننے والے الفاظ جسمانی صفائی ستھائی کے لیے استعمال نہیں ہوئے کیونکہ اس کا کرنا تو ہر انسان اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے وہ خواہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ بلکے ان کا استعمال قلبی اور ذھنی پاکیزگی کے لیے ہوا ہے مگر ہمارے مفسرین نے بائبل سے متاثر ہو کر قران کے ترجمہ

میں طھارت جیسے الہامی اور آفاقی پیغام کو جسمانی صفائی ستھرائی سے منسوب کر کے بائبل کی تحریف شدہ سوچ سے منسلک کر دیا ہے

﴿لم یرد الله ان یطھر قلوبھم ﴾ ٥:٤١

یہ پاکیزگی قلب کی شہادت ہے

﴿لا یمسه الا المطھرون﴾ ٥٦:٧٩

قران کریم کی صداقتوں سے وہی مس رکھتے ھیں جن کا ظاہر و باطن پاکیزہ ہو

﴿و ثیابك فطھر﴾ ٧٢:٤

اپنی انقلابی دعوت کو تمام ایسے لوگوں سے دور رکھو جن کے قلب و دماغ پاکیزہ نہیں

سورۃ الاحزاب میں اہل بیت کے متعلق ہے کہ

﴿ ویطھر کم تطھیره﴾ ٣٣:٣٣

خدا تمھیں ہر قسم کے الزامات سے دور رکھے گا اور قلب و نظر کی پاکیزگی عطا کرے گا

جنتی معاشرے کی پاکیزہ ساتھیوں کو

﴿ازواج مطھرة﴾ ٢:٢٥

کہا گیا ہے اس میں آپ ﷺ کی بیویاں اور دوسرے رفقاء کار بھی شامل ہیں

آیئے اب ان آیات کا جائزہ لیتے ہیں جن سے مفسرین عورت کو ناپاک گردانتے ہیں

﴿و یسلونك عن المحیض قل ھو اذی فاعتز لوا النساء فی المحیض ، ولا تقربو حتی یطھرن فاذا تطھرن فاتو ھن من حیث امر کم الله ان الله یحب التوابین و یحب المطھرین﴾ ٢:٢٢٢

اور لوگ آپ سے خونریزی کے بارے میں دریافت کریں گے, کہہ دو کہ وہ تو ایذا اور تکلیف ہے اس

لیے کمزور لوگوں پر خون ریزی کے معاملے میں خونریزی سے علیحدگی اختیار کرو۔اور جب تک وہ غیر الٰہی احکام سے اپنے آپ کو علیحدہ نہ کرلیں ان سے تعلقات قائم نہ کرنا,البتہ جب غیر الٰہی احکام سے پاک ہو جائیں تو جس طرح احکام الٰہی میں ارشاد فرمایا ہے ان کے پاس جاؤ، کچھ شک نہیں کہ اللہ (اس کے احکامات پر مشتمل مملکت)توبہ کرنے والوں اور غیر الٰہی احکام سے پاک صاف لوگوں کو محبوب رکھتی ہے۔ (ترجمان القران، ڈاکٹر قمر زمان)

اور یہ سورت احکام الٰہی سے متعلق ہے نہ کہ جسمانی قدرتی تبدیلیوں کے بارے میں کوئی حکم ہے مگر بائبل سے متاثر مفسرین نے ایک قدرتی عمل جو ازل سے جاری ہے اور جب تک دنیا قائم ہے جاری رہے گا کو بھی ماہواری پہ چسپاں کردیا ہے

عمومی ترجمہ جو اس آیت کا کیا جاتا ہے وہ ملاحظہ کریں

(اور آپ سے حیض (ماہواری) کی نسبت سوال کرتے ہیں،فرمادیں!وہ نجاست ہے سو تم حیض کے دنوں میں عورتوں سے کنارہ کش رہا کرو۔ اور جب تک وہ پاک نہ ہوں جائیں ان کے قریب نہ جایا کرو اور جب وہ خوب پاک ہوجائیں تو جس راستے سے تمہیں اللہ نے اجازت دی ہے ان کے پاس جایا کرو بے شک اللہ بہت توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے اور خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے (عرفان القران, ڈاکٹر طاہر القادری)

اس آیت میں لفظ:، المحیض،آیا ہے اس کا مادہ (ح ی ض) ہے علامہ رشید نعمانی لکھتے ہیں,,یہ ظرف زمان (وقت حیض) طرف مکان (مقام حیض) اور مصدر (حیض آنا) یا بمعنی وہ فاسد خون جو مخصوص زمانے میں مخصوص حالت میں تندرست جوان غیر حاملہ کے جسم سے نکلتا ہے (لغات القران جلد پنجم صفحہ ۳۳۲)

محیض جیسا کہ علامہ صاحب نے فرمایا۔۔۔اُسم ظرفُ ہے جس کا مطلب ہوا کہ سوال حیض کی جگہ یا وقت سے متعلق نہیں ورنہ سوال ہی بے محل ہے اب رہا سوال کہ کیا لفظ المحیض کو بطور مصدر لیا جائے؟۔۔۔ تو بھی جواب نفی میں ہے۔عورت کے خاص ایام میں جو کیفیت ہوتی ہے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا؟۔۔۔۔جی نہیں۔۔۔۔۔ کیونکہ جواب بتا رہا ہے کہ یہ عورت کی اس کیفیت کے متعلق نہیں۔جواب دیا گیا ہے۔۔قل هو اذی۔۔۔۔(کہو یہ ایذا ہے)

یہ ایک ایسا دوٹوک بیان ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔۔۔۔لیکن کیا یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے؟۔۔۔۔اگر تو تصدیق ہوتی ہے تو ترجمہ حتمی ہے ورنہ اس ترجمہ میں خامی کیونکہ یہ ترجمہ بائبل والی حیض کی تعریف کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے۔۔۔حالت حیض میں کچھ عورتوں کو یقیناً اذیت اور تکلیف ہوتی ہے لیکن یہ اصول نہیں ہے۔ہر ماں اپنی نو جوانی میں قدم رکھنے والی بچی کے لئے پریشان نظر آتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بچی کے کپڑے حیض کے خون سے بھر جائیں اور اسے پتہ بھی نہ چلے۔محض چند خواتین ہوتی ہیں جنہیں اس موقع پر تکلیف کے لئے ڈاکٹروں سے علاج کروانا پڑے

دوسری اہم نقطہ یہ ہے کہ المحیض بمعنی معروف بالام ہے(عربی میں جس لفظ سے پہلے ال لگا یا جائے مخصوص اسم ہو جاتا ہے جیسے انگلش میں the دی لگا دیا جاتا ہے) جس میں کسی خاص حیض کی بات ہو رہی ہے اس لئے یہ آیت خواتین کی اس حالت کے متعلق جسے حیض کہا جاتا ہے بالکل بھی نہیں ہے۔

النساء۔۔۔ کا لفظ سیدنا موسیٰ اور فرعون کی داستان میں بہت استعمال ہوا ہے کہ فرعون ابناء قوم کو مروا دیتا تھا اور نساء کو چھوڑ دیتا تھا اور ہماری مذھبی پیشوائیت نے یہودی روایات کے زیر اثر یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے نومولود بیٹوں کو قتل کا حکم صادر کیا ہوا تھا۔یہ بات یہاں واضح ہو جانی چاہیے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ بنی اسرائیل کے ابناء اور نساء کون

تھے؟۔۔۔ہماری مذھبی داستانوں کے مطابق فرعون نے بنی اسرائیل کے بیٹوں کا قتل کا حکم اس وقت دیا جب کہ سیدنا موسی کی پیدائش متوقع تھی لیکن قران کے مطابق فرعون نے یہ حکم اس وقت دیا جب سیدنا موسی نے فرعون کے دربار میں چیلنج کیا تھا سورۃ الاعراف ۱۲۷

﴿سرداران قومِ فرعون نے کہا کیا تم موسی اوراس کی قوم کو چھوڑ دو گے کہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں اورتم اورتمہارے الہ کو چھوڑ دیں تو فرعون نے کہا! میں یقیناً ان کے ابناء کو قتل کروں گا اوران کی نساء کو حیات بخشوں گا مزیدان پر قاہر بنوں گا﴾

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ یہ کس وقت کا کلام ہے؟ اسی طرح سورۃ المومن کی آیت ۲۵ میں ہے

﴿پس جب وہ ہمارے پاس سے ان کی طرف الحق لے کر آیا تو کہنے لگے ان کے ابناء کو جو اس کے ساتھ اہل ایمان ہوئے ہیں قتل کردو اور جو ان کی نساء ہیں انہیں حیات بخش دو﴾

دیکھ لیں کہ ابناء قوم کا قتل کا حکم اس وقت ہوا جب سیدنا موسی نے خدا کا پیغام (حق) کو پیش کیا اور سیدنا موسی اس وقت نومولود نہیں تھے۔فرعون کو کسی نومولود کے قتل سے کوئی فائدہ نہیں ہونے والا تھا۔ اصل قتل تو ان کا ہونا چاہیے جو مردِ میدان ہوتے ہیں جو ابنائے قوم کہلانے کا حق رکھتے ہیں ے یہ وہ لوگ تھے جو اپنی قوم کی قسمت بدلنے کا عزم رکھتے تھے اور فرعون کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہوگئے تھے۔ان ابنائے قوم کے برعکس وہ بے چارے افراد جن کو فرعونے اتنا کمزور بنادیا تھا کہ وہ ہر وقت فرعون کا گالیوں اور بدکلامیوں سے نوازے جاتے تھے،ان لوگوں میں کسی کی عزت نفس باقی نہیں چھوڑی گئی تھی انھیں لوگوں کو قران نے "النساء" کہاہے ۔آج بھی ایسے لوگوں کو کسی اہلیت کے لائق نہیں چھوڑا جاتا۔ان کے ضمیر کو اس طرح مسخ کردیا جاتا ہے کہ وہ اپنی ہر حالت کو خالق کی وجہ سمجھتے ہیں۔ایسے افراد آج بھی آپ اپنی قوم میں پائیں گے،پس ذرا زاویہ نگاہ تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

سورۃ الحجرات کی آیت ۱۱ میں ارشاد ہے

﴿اے اہل ایمان! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ،،یا مسخر نہ کرے،، ممکن ہے وہ قوم ان سے بہتر ہو اور نہ کوئی نساء کسی نساء سے، ممکن ہے وہ نساء ان سے بہتر ہو﴾

اس آیت میں کچھ لوگوں کو قوم کہا گیا ہے اور قوم کے متضاد ،،نساء،، کا لفظ آیا ہے، قوم اس وقت بنتی ہے جب لوگ کسی نظریہ اور موقف پر ڈٹ جاتے ہیں اور ثابت قدم رہتے ہیں، ورنہ وہ قوم نہیں ایک مجمع ہوتے ہیں قوم کے مقابلے میں اور متضاد لفظ ،،نساء،، کا استعمال کر کے قران نے دونوں الفاظ کو خود ہی واضع کر دیا ہے، یعنی قوم ان افراد کی جماعت جو اولوالعزم اپنے موقف پر ثابت قدم رہنے والے، اس کے برعکس نساء وہ افراد جن کی معاشرے میں حیثیت کمزور ہوتی ہے

مندرجہ بالا آیت میں ہر کوئی نساء کے پاس نہیں جا سکتا جب تک عقد نہ ہو مگر یہاں اللہ نے بحثیت مجموعی اعلان فرمایا ہے، اور اگر پاس جانے کا ذکر کرنا ہوتا تو کم از کم ازواج یا صاحبہ کا ذکر کرتے،

دوسری بات کہیہ فرمانا ،،،جس راستے سے تمہیں اللہ نے اجازت دی ہے،،،، مگر قران میں کہیں بھی واضع طور پر اس رستہ کا ذکر نہیں، بلکہ اگلی آیت کا جو عمومی ترجمہ کیا جاتا ہے اور احادیث بھی روایت کی جاتی ہیں۔۔۔۔

﴿نسائو کم حرث لکم فاتو حرثکم﴾ ۲:۲۲۳

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ

یاد رہے کہ یہاں پر کھیتی کا لفظ تشبیہ کے طور پر آیا ہے نہ کہ عورت کے جسم کے کسی مخصوص حصے کی طرف اشارہ ہے مگر مفسرین پوری طرح بائبل کے سحر میں گرفتار ہو چکے تھے اور یہ سلسلہ ابھی تک چل رہا ہوتا اگر چند مفکرین تدبر نہ کرتے،

اگر تشبیھات کا خیال نہ رکھا جائے تو نساء کا ترجمہ عورت اور حرث کا ترجمہ کھیتی ہی نظر آئے گا، جیسے پہلے

ذکر کیا ہے نساء کا لفظ قران میں ان افراد کے لیے استعمال ہوا ہے جو کسی وجہ سے کمزور ہوتے ہیں اور جن کی ذمہ داری یا تو اللہ کی مملکت اٹھاتی ہے یا منتخب ادارہ یا افراد اور اسی طرح حرث کے معنی بجائے کھیتی کے، قوم کے افراد کیے جائیں جہاں سے افرادی قوت حاصل ہوتی ہے تو مفہوم سیاق و سباق سے مطابقت رکھے گا۔ جیسے سعودی عرب کے لیے پاکستان ایسا ملک (کھیتی) ہے جو افرادی قوت مہیا کرتا ہے جس طرح کھیتی سے کچھ نہ کچھ حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح قوم سے کھیتی کی مانند افراد اور افرادی قوت حاصل ہوگی

﴿تمہارے زیر نگین لوگ تمہاری اپنی قوم ہی کے لوگ ہیں، تم جس طرح چاہو اللہ کی مملکت کے احکام کے مطابق ان کے پاس آؤ﴾

اور اگر فرض محال ہم مان بھی لیں کہ حیض سے مراد ماہواری کا خون ہے تو پھر بخاری کی حدیث نمبر ۱۶۵۰ کیمطابق

(ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے اور ان سے انکے باپ نے اور انہیں عائشہؓ نے، انہوں نے فرمایا کہ میں مکہ آئی تو اس وقت میں حائضہ تھی اس لئے بیت اللہ کا طواف نہ کرسکی اور نہ صفا مروہ کی سعی، انہوں نے بیان کیا میں اس کی شکایت رسول ﷺ سے کی تو انہوں نے فرمایا کہ جس طرح دوسرے حاجی کرتے ہیں تم بھی اس طرح (ارکان حج) ادا کرلو ھاں بیت اللہ کا طواف پاک ہونے سے پہلے نہ کرنا)

اس حدیث سے جو ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ

۱۔ عورت حیض کے ساتھ مسجد کے اندر جاسکتی ہے

۲۔ نوافل ادا کرسکتی ہے

۳۔ سعی بھی کرسکتی ہے

۴۔نماز کے اوقات میں نماز بھی ادا کر سکتی ہے

البتہ کعبہ کا طواف نہیں کر سکتی

بخاری کی حدیث ۲۰۲۸

ہم سے محمد بن مثنی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یحیی بن سعید قطان نے بیان کیا ہے اوران سے ھشام بن عروہ نے بیان کیا کہا کہ مجھے میرے باپ نے خبر دی اوران سے حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ مسجد میں متعکف ہوتے اور سر مبارک میری طرف جھکا دیتے میں اس میں کنگھا کر دیتی، حالانکہ میں حیض سے ہوا کرتی تھی

ا۔نبی کی ذات کائنات میں سب سے مطاہر اور پاک ذات ہے اور وہ کیسے حیضہ زوجہ سے کنگا کروا سکتے تھے،اس حدیث کے بعد کوئی ایسی وجہ نہیں بنتی کہ حیضہ عورت قران نہ پڑھے یا نماز نہ ادا کرے یہ مسجد میں نہ جائے اور اگر کوئی اس بات کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ شخص کیا؟

ا۔مسجد کو نبی ﷺ کی ذات سے زیادہ پاک سمجھتا ہے

۲۔قران خود قولِ رسول ہے کیا اس کی پاکی کا تعین نبی ﷺ کی ذات سے بالاتر ہو کر کرتا ہے؟

ان سب حقائق کے ہونے کے باوجود ہمارا مذہبی پیشوا عورت پر بائبل والی پابندی لگانے پر مصرَ ہے۔ مشکوۃ شریف میں متفقہ علیہ احادیث ملاحظہ فرمائیں

باب الحیض

انسؓ سے روایت ہے کہ تحقیق یہود جب ان کی کوئی عورت حیض والی ہو جاتی نہ ان کے ساتھ کھاتے اور نہ گھروں میں ان کے ساتھ جمع رہتے۔صحابہ نے نبی ﷺ سے سوال کیا ،آپ نے فرمایا کرو تم سب کچھ سوا جماع کے۔۔۔۔۔۔ ۱/۵۰۰

اور اگر جماع کے بغیر گزارہ نہیں تو ایک اور حدیث جو ابن عباس ﷺ روایت ہے کہ

رسول ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی سے صحبت کرے جب وہ حیض والی ہو پس چاہیے کہ آدھا دینار صدقہ کرے ۹/۵۰۸

(روایت کیا اس حدیث کو، ترمزی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، اور ابن ماجہ نے)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا میں پانی پیتی تھی اور میں حیض والی ہوتی۔ پھر وہ پانی نبی ﷺ کو دے دیتی پس آپ اپنا منہ رکھتے جس جگہ میں نے رکھا تھا۔ پس پیتے اور میں ہڈی چوستی اور میں حائضہ ہوتی پھر میں وہ ہڈی نبی ﷺ کو دیتی وہ اپنا منہ اس جگہ رکھتے جہاں میں نے رکھا تھا ۳/۵۰۲

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا نبی ﷺ میری گود میں تکیہ کرتے میں حائض ہوتی اور آپ قران پڑھتے ۴/۵۰۳

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا مجھے نبی ﷺ نے فرمایا مجھ کو مسجد سے چھوٹا بوریا پکڑا۔ میں نے کہا میں حائضہ ہوں، فرمایا تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ۵/۵۰۴

فنون لطیفہ

جھوٹی تعلیمات جو کہ بائبل سے مستعار لے کر دین اسلام میں داخل کر دی گئیں ہیں ان میں سے ایک تصاویر اور مجسمہ سازی کا ممنوع ہونا شامل ہے

پیشتر اس کے کہ میں قران سے اس کو ثابت کروں ایک فتوی جو القصیم یونیورسٹی میں ڈاکٹر محمد الخردری نے یکم جولائی ۲۰۰۷ء کو دیا، کہتے ہیں

,,میرے علم کے مطابق اہرام مصر مشرکوں اور ملحدوں کے مزار ہیں، مسلمانوں کو صرف سبق حاصل کرنے

کے لیے وہاں جانا چاہیے، عورتوں کا ایسی جگہ پر جانا ممنوع ہے کیونکہ ان کا قبروں پر جانا بھی ممنوع ہے، ایسی آثارقدیمہ جہاں مکروہ چیزیں ہیں مسلمانوں کا وہاں جانا ٹھیک نہیں، کسی مسلمان کو خاص طور پر ایسی آثارقدیمہ جہاں پر قبور ہوں ان لوگوں کی جو مشرکین میں سے تھے کے لئے سفر کی نیت کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ سفر کی نیت صرف تین مساجد ہی کی طرف کر سکتے ہیں۔ ،،

بائبل کی کتاب خروج ۲۰:۴

۴۔تو کسی بھی شے کی صورت پرخواہ وہ اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا نیچے پانیوں میں ہوے کوئی بت نہ بنانا۔

۵۔تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ہی ان کی عبادت کرنا

بائبل کی کتاب خروج ۲۰:۲۵

اور اگر تو میرے لیے پتھروں کا مذبح بنائے تو اسے تراشے ہوے پتھروں سے نہ بنانا۔ کیونکہ اگر تو نے اسے بنانے کے لیے کوئی اوزار استعمال کرے گا تو اسے ناپاک کردے گا۔

بائبل کی کتاب استثناء ۴:۱۶

جس دن حورب میں خداوند نے آگ میں سے تم سے کلام کیا تب تم نے کسی طرح کی شکل یا صورت نہ دیکھی تھی۔ لہذا نہایت محتاط رہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بگڑ جاؤ اور اپنے لیے کوئی بت یا صورت بنا لو خواہ وہ کسی مرد یا عورت کی شکل یا کسی حیوان کی زمین پر یا ہوا میں اڑنے والے کسی پرندے یا زمین پر رینگنے والے کسی جاندار یا پانی کے اندر کسی مچھلی کی مانند ہو

یہ حیران کن بات ہے عیسائی تو اپنی بائبل کی کہی ہوئی باتوں پر عمل نہیں کرتے مگر سنی اور شیعہ فرقہ نے ان باتوں کو اپنے اپنے مسلک میں روایت اور خبر کے نام سے نعوذ باللہ رسول پاک ﷺ کی ذات اقدس سے

منسوب کیا ہے۔ان پر عمل درامد عین ثواب اور نہ کرنے پر گناہ عظیم کا فتوی صادر کرتے ہیں۔
قران پاک میں ارشاد ہے

﴿یعلمون له ، ما یشاء من محریب و تمثیل و جفان کا لجواب وقدور راسیت اعملوء ال داود شکرا و قلیل من عبادی الشکور﴾

وہ ان کے لیے جو وہ چاہتے تھے بنا دیتے تھے۔ان میں بلند و بالا قلعے اور مجسمے اور بڑے بڑے لگن تھے جو تالاب اور لنگر انداز دیگروں کی مانند تھے۔اے آلِ داؤد شکر بجالاتے رہو اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوتے ہیں۔

اللہ رب العزت کے احکام ازل سے ابد تک ایک ہی رہتے ہیں ان میں تبدیلی نہیں ہوتی اور یہ بات نا ممکن ہے کہ آل داؤد کے لیے مجسمہ سازی جائز ہو اور آل رسول ﷺ کے لیے ممنوع ،،،،،،،،،،،،،،،،

خانہ کعبہ کے سات چکر

ہم خانہ کعبہ کے سات چکر ہی کیوں لگاتے ہیں؟ کم یا زیادہ کیوں نہیں اور یہ حکم کہاں سے ملا ہے ایک ایسا سوال ہے جو ہمیشہ میں میرے ذہن میں رہا اور جس سے بھی جواب مانگا اس نے خاموش رہنے کا ہی کہا چونکہ قران میں تو اس کا ذکر نہیں اور نبی پاک ﷺ قران کے ساتھ اپنا حکم دے نہیں سکتے کہ قران میں تو اللہ نے تعداد نہیں لکھی مگر میری امت کعبہ کے سات چکر لگائے۔

لیکن یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام سے پہلے بھی لوگ طوافِ کعبہ کرتے تھے اور دیکھتے ہیں وہ کیسے کرتے تھے

صابی مذہب کے لوگ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور یہ دنیا کا قدیم ترین مذہب ہے

لفظ صبا کا معنی ہے ستارے کا طلوع ہونا، صابئیت بمعنی ستارہ پرستی اسی سے مشتق ہے، اہل نظر کے خیال میں اس مذہب کا آغاز لدیا کے شہر بابل سے ہوا تھا اہل بابل سات سیاروں شمس، چاند، زحل، عطارد، مریخ، زہرہ اور کیوان کی پوجا کیا کرتے تھے اور ان کے بت بنوا کر ان کے لیے معبد تعمیر کر لیتے تھے۔ زہرہ حسن و عشق کی دیوی تھی جس کی پوجا عورتوں کے لیے مخصوص تھی، ان سب سیاروں کا سردار شمس اور جسے بادشاہ اپنا سرپرست مانتے تھے، سورج کی پوجا سمریوں سے ماخوذ تھی، اس کا لقب نجات دہندہ تھا کیوں کہ وہ اندھیروں کے عفریتوں سے نجات دلاتا تھا، اسے روشنی کے علاوہ صداقت کا سرچشمہ بھی سمجھتے تھے، چاند کی پوجا عورتوں کے لیے وقف تھی کیوں کہ ان کے خیال میں چاند ان کی ماہواری پر اثر انداز ہوتا ہے اور کھیتوں کی بار آوری میں اضافہ کرتا ہے، عطارد شاعروں اور ادیبوں کا دیوتا تھا، جنگ جو مریخ کی پوجا کرتے تھے۔

صابئین سورج کے طلوع وغروب اور اس کی حرکت کے مختلف مراحل کے ساتھ سات نمازیں پڑھتے تھے اور ان میں رکوع وسجود کرتے تھے۔ مجوسیوں کی پانچ نمازیں انہی سے ماخوذ ہیں جنہیں وہ گاہ کہتے ہیں، پنج گاہ یا پنجگانہ کے الفاظ پانچ نمازوں کے لیے وضع کیے گئے تھے، نماز کے وقت مجوسی پروھت یا مغ آتشکدہ کے سامنے بیٹھ کر اپنی مقدس کتابوں اوستا اور گاتھا کی آیات زمزمے سے پڑھتے تھے ان کا منہ کپڑے سے ڈھکا رہتا ہے تا کہ ان کی سانس سے مقدس آگ آلودہ نہ ہو جائے۔ نماز پڑھنے کے بعد سجدے میں گر پڑتے ہیں مجوسیوں کی اصل نماز ستائیش کہلاتی ہے جس میں سورج دیوتا متھرا کی تحمید وتمجید کی جاتی ہے، دن میں تین بار نیائش کرتے ہیں یعنی اپنی عاجزانہ عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہیں ان کے اوقات ہیں طلوع آفتاب، دوپہر اور سہ پہر۔ صابئین نے سورج کی روزانہ گردش کے حساب سے اپنی نمازوں کے اوقات معین کئے تھے۔ فجر، طلوع آفتاب اور دوپہر خوشی اور شکرانے کی نمازیں تھیں۔ سہ پہر اور شام کی نمازیں اس خدشہ اور خوف کی ترجمانی کی جاتی تھی کہ

سورج پر زوال آ گیا ہے اور ممکن ہے اگلی صبح وہ طلوع ہی نہ ہو، آدھی رات کے وقت آخری نماز پڑھتے تھے جس میں الحاح وزاری سے سورج دیوتا سے طلوع ہونے اور انہیں اندھیرے سے نجات دلانے کی التجاء کی جاتی تھی، اسرائیلی مذہب میں بھی تھوڑے بہت فرق کے ساتھ نمازرں کے اوقات یہی مقرر کیے گئے، کلیسائے روم کے پیروکار طلوع وغروب کے اوقات کی نمازیں خاص اہتمام سے پڑھتے ہیں، صابئین نماز سے پہلے وضو کرتے تھے اور صاف ستھرے کپڑے پہنتے تھے ان کے ہاں غسل جنابت بھی ضروری تھا، وہ سورج گرھن اور چاند گرہن کی نمازیں بھی پڑھتے تھے، نماز جنازہ پڑھنے کا رواج ان میں تھا جس میں سجدہ نہیں کرتے

ابو محمد علی ابن حزم اندلسی لکھتا ہے

سخت گرمی کو رمضان کہتے تھے جس میں وہ روزے بھی رکھتے تھے اپنی نمازوں میں کعبے اور بیت الحرم کی طرف رخ کرتے ہیں، مکے کے کعبے کی تعظیم کرتے ہیں، مردار، خون اور سور کے گوشت کہ حرام سمجھتے ہیں، خون کے رشتے داروں سے شادی حرام ہے۔

صابئین تیس دن کے روزے رکھنے کے بعد عید الفطر کا تہوار مناتے تھے ۲۵ دسمبر کو جب سورج کا زوال ختم ہوتا ہے اور اس کی دوبارہ شمال کی طرف حرکت شروع ہو جاتی ہے تو وہ سورج کے جنم دن کا جشن منایا کرتے تھے کیونکہ انہیں اس خطرے سے نجات مل جاتی تھی کہ سورج جنوب کی طرف سرکتا سرکتا غائب ہو جائے گا، یہ جشن متھر امت کے واسطے سے کلیساء روم میں کرسمس کے نام سے مذہبی تہوار بن گیا، متھر امت کے پجاری دن میں تین مرتبہ سورج کی عبادت کرتے تھے، پہلے پہر مشرق کی جانب منہ کر کے، دوپہر کو جنوب کی طرف رخ کر کے اور شام کو مغرب کا رخ کر کے رکوع وسجود کیا کرتے تھے۔

ایک شہاب ثاقب تھا جسے صابئین کے خیال میں سورج دیوتا نے آسمان سے ان کے لیے بھیجا تھا، حج کے لغوی معنی چکر لگانا یا قصد کرنا ہے، کے موقع پر کعبہ کے سات چکر لگاتے تھے یعنی سات سیاروں کے

حساب سے طواف کرتے تھے جو سورج کے گرد چکر لگاتے ہیں

زمخشری لکھتا ہے کہ عورتیں، مرد برہنگی کی حالت میں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے سیٹیاں بجاتے اور تھرکتے ہوئے کعبے کا طواف کیا کرتے تھے، قربانی کرتے تھے اور تین چٹانوں الکبیر، الاولی اوروسطی پر سات کنکر پھینکتے تھے، صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر جاتے تھے جہاں بت رکھے تھے، طواف کرتے وقت بایاں پہلو کعبہ کی طرف رکھتے تھے، تین چکر تیز تیز قدم اٹھا کر لگاتے (حرولا) اور چار آھستہ خرامی سے اور شہاب ثاقب کو جو وھاں نصب تھا کو بوسہ دیتے تھے

نبطیوں کا معبود ذولشری سورج دیوتا تھا جس کی پوجا پتھر کی ایک بلند لاٹ یا بغیر تراشہ چارکونہ سیاہ پتھر کی صورت میں کی جاتی تھی مکہ کے علاوہ صائبین کا ایک معبد شام کے شہر حمص میں تھا جہاں سورج کی پوجا ایلا گا بعل کے نام سے کی جاتی تھی، کعبہ کی طرح اس میں بھی سیاہ پتھر جو شہاب ثاقب تھا اور جس کی پوجا طواف کر کے کرتے تھے، قیصر روم ہیسو گا بالس جو نوعمری میں اس معبد کا پجاری رہ چکا تھا جب تخت نشین ہوا تو وہ یہ سیاہ پتھر روم لے گیا اور اس کے لئے ایک شاندار معبد تعمیر کروایا جہاں پر اس معبد کی قربان گاہ پر بچے ذبح کئے جاتے تھے۔ سال میں ایک مرتبہ اس پتھر کو رتھ میں رکھ کر جلوس نکالتے تھے، اس رتھ کے آگے شیر جتے ہوئے ہوتے تھے (دبستان المذاہب)

صائبین کے طواف کی ریت کی دور دور تک رواج پا گئی ان کا ایمان تھا جس طرح سیارے سورج کے گرد چکر لگاتے ہیں اسی طرح بتوں اور معبدوں کا طواف پجاریوں پر فرض ہے

ہندوستان میں پرکما (اصل پرو کھشنا) یا طواف پوجا کا لازمی حصہ ہے۔ راجے مہاراجے دربار میں جانے سے پہلے گائے، بیل کا پرکما کیا کرتے تھے۔ اسلام کی اشاعت سے پہلے عرب جہاں کہیں قیام کرتے وہیں ایک پتھر کھڑا کر لیتے اور اسے دیوتا سمجھ کر اس کا طواف کرتے اور قربانی کرتے تھے۔ ان پتھروں کو انصاب کہتے تھے۔ پھر طواف سے ایک اور رسم وابستہ ہو گئی، ایران اور ترکستان میں کوئی شخص بیمار پڑ جاتا

تو غلاموں سے کہتے کہ مریض کے پلنگ کے گرد چکر لگا کر باہر نکل جائیں، کہتے تھے باہر جانے والا مرض اپنے ساتھ لے گیا ہے اور مریض صحتیاب ہو جاتا ہے۔شاہجہان بیمار پڑا تو اس کی بیٹی جہاں آرا نے کئی لونڈیوں اور غلاموں سے کہا کہ بادشاہ کے پلنگ کے گرد چکر لگا کر باہر چلے جائیں،گلبدن بیگم لکھتی ہے کہ اس کا بھائی ھمایوں بیمار پڑ گیا اس کی حالت دگرگوں ہوگئی تو ظہیر الدین بابر نے اضطراب کی حالت میں اپنے بیٹے کے پلنگ کا طواف کیا چنانچہ ھمایوں شفایاب ہوا اور بابر چل بسا۔

یونانی برھنگی کی حالت میں طواف کیا کرتے تھے کیونکہ ان کے ہاں برہنگی صداقت کی علامت تھی، سکندر اعظم نے جنگ ٹرائے کے ہیرو اکیلس کی قبر کا طواف مادرزاد برہنہ ہوکر کیا تھا، سپارٹا میں نوجوان لڑکے،لڑکیاں مذہبی جلوسوں میں برہنہ ہوکر شامل ہوا کرتے تھے۔

زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ صابئین کے ہاں آفتاب جو سب سیاروں کا بادشاہ تھا,,بعل مردوخ,, کی صورت میں خداوند بن گیا۔یہ گویا وحدانیت کا ابتدائی تصور تھا جو مجوسیوں میں اہوار امزدا اور یہود میں یہواہ سے وابستہ ہوگیا ،شخصی اور ملی خدا کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کے لئے کسی نہ کسی واسطے کی ضرورت تھی چنانچہ مجوسیوں نے فرشتوں۔۔۔لغوی معنی بھیجا ہوا۔۔۔ کا تصور پیش کیا۔سروش ان فرشتوں کا سردار بنا دیا گیا جو اہوار امزدا کے پیغامات کیخسرو اور خسرو پرویز کے پاس لایا کرتا تھا جیسا کہ فردوسی نے شاہنامے میں ذکر کیا ہے۔مصر میں فرعون اخناتن نے آتن (قرص آفتاب) یا آفتاب کی علامت کو واحد خداوند قرار دیا اور اس کے بت تراشنے کی ممانت کردی،فرعون نے آتن کی تعریف میں پرجوش شاعری لکھی،اس طرح دنیا کے دو بڑے تمدنوں میں آفتاب کو خداوند کا درجہ دے دیا گیا اور یوں انسانی فکر و تخیل کا ارتقاء کثرت پرستی سے واحدانیت کی طرف راغب ہوگیا۔

اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے ازل سے ہی کسی مادی چیز کی بجائے احکام الٰہی کے طواف کا حکم دیا قرآن میں یہ لفظ یطوف اور ولیطوفوا کے الفاظ کے ساتھ آیا ہے اور دیکھتے ہیں اصل میں ان

کے کیا معنی ہیں

﴿ان الصفا و المروه من شعا ئر الله فمن حج البيت او اعتمر فلا جناح ان يطوف بهما ومن تطوع خيرا فان الله شاكر عليم﴾ ٢:١٥٨

یقینی طور پر صفاء (خاص صفاء) اور مروہ (خاص مروہ) اللہ کی پہچان سے ہیں پس جو کوئی بھی اللہ کے گھر کی حجت قائم کرے یا عمر گزارے تو اس پر کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ وہ الصفاء (خاص صفا) اور المروہ (خاص مروہ) کے ساتھ طواف کرتا رہے اور جو احکامات الٰہی کی اطاعت کرے گا تو یقیناً اللہ باعلم قدر شناس ہے۔

اس آیت میں جو قابل غور بات ہے وہ یہ کہ اللہ نے کہیں یہ نہیں کہا کہ صفا یا مروہ کے گرد یا بیچ میں طواف کرو بلکہ حکم دیا کہ ان کے ساتھ طواف کرو

اس آیت میں تین الفاظ جن کے لئے طواف کا لفظ استعمال ہوا کو سمجھتے ہیں

صفاء۔صفاء کا بنیادی مادہ ،،ص ف و،، ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کا خالص ہونا، تصفیہ کرنا، برگزیدہ کرنا۔الصفاء معروف باللام ہے جس کا مطلب ہے یہ خاص صفاء کی بات ہو رہی ہے اگر الصفاء کسی ٹیلے کا نام ہے تو دنیا میں صفاء نام کے بہت سے ٹیلے ہونے چاہیے تا کہ اس میں سے ایک خاص صفاء کو الصفاء کہا جا سکے ورنہ یہ الصفاء کسی ٹیلے کا نام نہیں بلکہ اس آیت سے پہلے کسی چیز کی بات ہو رہی ہے جس کی کسی خاص خصوصیت کے حوالے سے اسے الصفاء کا نام دیا گیا۔

المروہ: یہ بھی معروف باللام ہے یعنی یہ بھی ال کے ساتھ معرفہ بنایا گیا ہے جس کا مطلب ہوا کہ مروہ نام کے بھی کئی ٹیلے ہونے چاہیے جن میں سے ایک ٹیلے کو کسی خاص وجہ سے معرفہ بنایا گیا ہے۔ورنہ جس طرح الصفاء کسی ٹیلے کا نام نہیں اسی طرح ما قبل آیات میں جس چیز کو بیان کیا گیا ہے اسی کی صفت یا اس سے متعلق کسی خصوصیت کے حوالے سے اس کو المروہ کہا گیا ہے۔مروہ کے بنیادی حروف ,, م ر ء،،م

ری،،،روءاور ,, روی،،،ہوسکتے ہیں اگر مروہ فعل کے وزن پر رکھا جائے تو اس کا مادہ ,,روء،،یا,, روی،، ہوسکتے ہیں۔اگر مفعل کے وزن پر رکھا جائے تو اس کا مادہ ,,روء،،یا,,روی،،ہوگا اور ,,ۃ،، تائے تانیث ہوگی جس کے معنی ایسی جگہ یا ایسی وقت یا ایسی تعلیم یا نظریہ جس میں مہربانی،بہتات اورخوشحالی ہو۔اوراگر مروہ کو مصدر لیں تو اس کے بنیادی حروف ہوں گے ,,م ر ء،، یا ,,م ر و,, جس کے معنی ہیں مروت اورخوشگواری وغیرہ۔

البیت: فمن حج البیت او اعتمر کا ترجمہ پس جو کوئی بھی اللہ کے گھر کی حجت قائم کرے یا عمر گزارے مفہوم کے قریب ترین بنتا ہے آیئے دیکھتے ہیں کہ اللہ کا گھر یعنی بیت اللہ کیا ہے؟

بیت کا لفظ گھر اورادارہ کے معنی میں عام استعمال میں آتا ہے،ادارہ کے لحاظ سے بیت المال،بیت الحرام وغیرہ اورانگریزی میں House of Lords مستعمل ہے ادارہ خواہ کسی عمارت میں ہو یا نہ ہو اصل میں کسی نظریہ کی تعلیم سے منسلک ہوتا ہے،جیسے کسی عالم کو کہا جائے کہ وہ اپنی ذات میں ادارہ ہے۔

البیت سے وہ گھر مراد ہے جہاں سے اللہ کے احکام جاری وساری ہوں۔اورحج کے معنی ہوئے البیت کی حجت قائم کرنا یعنی احکامات الٰہی سے دلائل کے ذریعے لوگوں کو قائل کرنا۔

اعتمر کا مادہ ,,, ع م ر،، ہے یہ باب افتعال سے واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے,,ع م ر،،، سے بننے والے الفاظ میں زندگی گزارنا بنیادی مفہوم ہے اور باب افتعال سے جو لفظ بنتا ہے تو اس میں اہتمام کا پہلو شامل ہوتا ہے جس کا اثر دوسروں پر پڑتا ہے۔یعنی اہتمام کے ساتھ زندگی گزارنا۔۔۔۔

یعنی حج کے پہلو میں تعلیمات قرانی کے ذریعے لوگوں میں ظلم وزیادتی کو ختم کرنے کی جدوجہد ہے تو عمرہ میں میں تعلیمات قرانی کے ذریعے لوگوں میں ظلم وزیادتی کے بغیر سکون سے زندگی گزارنے کا اہتمام ہوتا ہے عمرو اس زندگی کو کہتے ہیں جو معمول کے مطابق امن کی کیفیت میں گزر رہی ہو اورحج

اس احتجاج کو کہتے ہیں جو حقوق کی بازیابی کے لئے کیا جاتا ہے اس میں معاشرے کی بے چینی سے لے کر جنگ کی کیفیت تک شامل ہے البتہ جنگ احتجاج کا سب سے بڑا ذریعہ اور طریقہ ہے اس لیے ,,حج اکبر،، کہا گیا ہے۔

اس لیے طواف کا مطلب ہوا بار بار آنا۔ اگر کوئی کسی جگہ بار بار آتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ آپ بہت چکر لگا رہے ہیں اور قران کے اس جملے میں چکر لگانے سے مطلب کسی جگہ کے گرد گھومنا نہیں بلکہ بار بار آنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

جب کہ یہودی بھی سال میں تین مرتبہ حج کرتے ہیں اور اس ستون کے گرد سات چکر لگاتے ہیں جس کو کہ بائبل کے مطابق

پیدائش ۲۸:۱۶

۔۔جب یعقوب نیند سے جاگا تو اس نے سوچا کہ ہو نہ ہو خداوند اسی جگہ موجود ہے اور مجھے اس کا علم نہ تھا

۔۱۷:وہ ڈر گیا اور کہنے لگا یہ جگہ کیسی پر جلال ہے ۔یہ جگہ خدا کے گھر کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟ یہ تو آسمان کا دروازہ ہے۔

۔۱۸: دوسرے دن علی الصبح یعقوب نے اس پتھر کو لے کر جسے اس نے اپنے سر کے نیچے رکھا تھا ستون کی طرح کھڑا کیا اور اس کے اوپر تیل ڈالا۔

۔۱۹: اور اس نے اس مقام کا نام بیت ایل رکھا حالانکہ پہلے اس شہر کا نام لوز تھا۔

۔۲۰:،تب یعقوب نے منت مانی: اگر خدا اس سفر میں میرے ساتھ رہے گا میری حفاظت کرے اور مجھے کھانے کے لیے روٹی اور پہننے کے لیے کپڑے دے

۔۲۱: تا کہ میں اپنے باپ کے گھر سلامت سے پہنچ جاؤں تو خداوند میرا خدا۔۔

۔۲۲:اور یہ پتھر جسے میں نے ستون کے طور پر کھڑا کیا ہے خدا کا مسکن ہوگا اور اے خداوند جو کچھ تو مجھے

دے گا میں اس کا دسواں حصہ تجھے دوں گا۔

پیدائش ۳۱:۴۵

۔۔۔چنانچہ یعقوب نے ایک پتھر لیا اور اسے ستون کے طور پر کھڑا کیا ۲۶: اور اس نے رشتہ داروں سے کہا کہ: چند پتھر اکٹھے کرو چنانچہ انھوں نے پتھر جمع کر کے ڈھیر لگا دیا اور پھر اس ڈھیر کے پاس بیٹھ کے کھانا کھایا۔۲۷: لابن (یعقوب کا سسر) نے اس کا نام یجر شاہدوتھا (شہادت کا ستون) اور یعقوب نے جلعاؔد رکھا۔۲۸: لابن نے کہا: یہ ڈھیر آج کے بعد تیرے اور میرے درمیان گواہ ہے اسی لیے اس کا نام جلعاؔد رکھا گیا ہے۔اسے مصفاء یا صفاء (ہموار چٹان سے حاصل ہوا) بھی کہا گیا ہے

پیدائش ۳۵:۴۵

تب خدا نے یعقوب سے کہا: بیت ایلؔ لوٹ جا اور وہیں بس جا اور وہاں خدا کے لیے، جو تجھے اس وقت دکھائی دیا تھا جب تو اپنے بھائی عیسوؔ سے بھاگا جا رہا تھا ایک مذبح بنا۔

۲: تب یعقوب نے اپنے گھر والوں اور ان سب سے جو اس کے ساتھ تھے کہا: تمہارے پاس جو پرانے معبود ہیں انہیں دور کر کے اپنے آپ کو پاک کر کے اپنے کپڑے بدل لو

۱۰: اور خدا نے اس سے کہا: تیرا نام یعقوب ہے لیکن آیندہ تو یعقوب نہ کہلائے گا۔تیرا نام اسرائیلؔ ہوگا سو اس نے اس کا نام اسرائیل رکھا۔

۱۱: اور خدا نے اس سے کہا: میں خدا بڑا قادر مطلق ہوں۔تو برومند ہو اور بڑھتا چلا جا۔تجھ سے ایک قوم پیدا ہوگی بلکہ قوموں کا ایک گروہ پیدا ہوگا اور تیری نسل سے بادشاہ ہوں گے۔

۱۲: جو ملک میں نے ابرہام اور اضحاق کو دیا وہ میں تجھے بھی دے رہا ہوں اور میں یہ ملک تیرے بعد تیری نسل کو بھی دوں گا۔

۱۳: تب خدا جس جگہ اس سے ہمکلام ہوا وہیں سے اس کے پاس سے اوپر چلا گیا۔

۱۴: جس جگہ خدا اس سے ہمکلام ہوا وہاں یعقوبؑ نے پتھر کا ستون کھڑا کیا اور اس پر تپاون کیا اور تیل بھی ڈالا اور یعقوب نے اس جگہ کا نام جہاں خدا اس سے ہمکلام ہوا تھا بیت ایلؔ رکھا ۔۔۔اور یہ تیل والی رسم مسلمان کعبہ کو عرقِ گلاب سے غسل دے کر پورا کرتے ہیں اگرچہ قران نے کہیں ایسا حکم نہیں دیا۔۔۔۔۔۔۔اور پاکستان کے پیروں کے مزاروں کو بھی اسی طرح عرقِ گلاب سے دھوکر یہودیوں کی رسم پوری کی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

کعبہ کی تعمیر کے بارے میں بھی مسلمان اسی طرح کہتے ہیں کہ ابراھیم علیہ السلام نے اس کی تعمیر اپنے بیٹے اسمائیل کے ساتھ مل کر کی اور پھر دعا مانگی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ابراھیم علیہ السلام کی اولاد کی دونوں شاخیں (اضحاق اور اسمائیل) اس طرح کی عمارت کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اور سال کے مخصوص دنوں میں وہاں پر طواف کرتے ہیں اور دونوں ہی ایک دوسرے کو غلط قرار دیتے ہیں اب صرف مسلمان ہی مضفاء (صفاء) کی سعی کرتے ہیں جو کہ اسرائیلی روایت تھی مگر انھوں نے چھوڑ دی۔

لیکن قران کے اصل احکامات جس سے مسلمان اس دنیا میں رہ کر تسخیر کائینات کرتے اور اس بیت کو ان احکامات کے مطابق دنیا میں حکمرانی قائم اور مرکز اسلام کو ان احکامات کا منبع بناتے اس جگہ کو چند مناسک جو کہ قران کے سطحی ترجمے سے اخذ کیے ہیں کو طواف کرنے کا مقام بنا دیا ہے تو کیا اس طریقہ سے کون سا بھلائی کا کام ہو رہا ہے؟ اگر یہی نیکی ہے تو قران نے نیکی کا یہی پیمانہ دیا ہے؟ کیا قران نے عمل صالح اسی کو کہا ہے؟ کیا حقوق انسانی کی پاسداری نیکی نہیں؟ کیا انسانیت کے لیے امن و سلامتی مہیا کرنا نیکی نہیں؟

تو ان ٹیلوں اور کعبہ کے طواف سے کیا احداف حاصل ہوئے یا ہو رہے ہیں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ قران کو عرب بدوؤں کے طرز شاعری میں سمجھنا ضروری ہے کیونکہ عباسی دور میں میں عجمی زبانوں کے اختلاط سے قران کے حقیقی معنوں میں اسرائیلیات کا اثر شامل ہو گیا۔ جب کہ عربوں کے ہاں بات کہنے کے کئی طریقے اور کئی اسلوب ہوتے ہیں چنانچہ استعارہ، تمثیل، قلب، تقدیم، تاخیر، خزف، تکرار، اخفاء، اظہار، تعرض، افصاح، کنایہ، ایضاح، واحد کو جمع اور جمع کو واحد کے صیغے سے خطاب کرنا شامل ہے۔۔۔۔قران کا نزول ان تمام اسالیب کلام کے مطابق ہوا ہے ، اس لیے قران کا ہو بہو کسی اور دوسری زبان میں انہی مفہوم میں جو کہ خدا کے نزدیک ہیں ترجمہ کرنا ناممکن ہے۔ اور چونکہ قران بغیر کسی ترجمہ اور اعراب کے نازل ہوا اس لیے تراجم کرنے والوں نے مثالوں اور اصطلاحات کو اپنے اردگرد کے ماحول کو سامنے رکھ کر ترجمہ کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قران کا اسی سوچ اور روح کے مطابق مفہوم بیان کیا جائے جس میں وہ نازل ہوا ہے۔
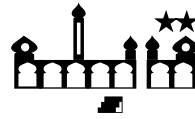
تحویل قبلہ کا بیان جو روایات میں ملتا ہے اس کی رؤ سے خود حضور نبی اکرم کے متعلق کیا تصور سامنے آتا ہے؟۔ کیا بیت المقدس خدا کے حکم سے قبلہ مقرر ہوا تھا؟۔ رسول اللہ سے بڑھ کر، احکام خداوندی کا اطاعت گزار اور کون ہوسکتا ہے؟ اور اطاعت کے معنی ہیں، دل کی پوری رضامندی سے حکم کو تسلیم کرنا۔ اگر خدا کے حکم کے خلاف دل میں کوئی جذبہ یا آرزو آئے تو اس کو اطاعت نہیں کہتے۔ لیکن روایات ہمیں بتاتی ہیں کہ جب حضور اکرم مکہ میں میں تھے، تب بھی آپ کا جی یہی چاہتا تھا کہ مسلمانوں کا قبلہ کعبہ ہی ہو۔ اور آپ اس جذبہ کی تسکین یوں فرما لیتے تھے کہ عبادت میں اپنا رخ اس طرف متعین کرتے

کہ کعبہ اور بیت المقدس ایک ہی سیدھ میں آجائیں۔اس طرح خدا کے حکم کی تعمیل بھی ہو جاتی اور اپنے جذبہ کو تسکین بھی پہنچا لیتے۔غور فرمایئے اس (معاذ اللہ) بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔مدینہ میں آکر جب یہ شکل ممکن نہ رہی تو آپ حضور بغیر اللہ کے حکم سے صرف یہودیوں کی خوشنودی کی وجہ سے اپنا رخ تو بیت المقدس کب جانب کر لیتے ہیں مگر ہمیشہ آسمان کی طرف تکتے تھے کہ کسی طرح یہ حکم بدلا جائے اور کعبہ ہی قبلہ مقرر ہو جائے۔آپ سوچئے کہ جب خدا ایک بات کا فیصلہ کر دے تو رسول کے دل میں اس کے خلاف کیوں کر آرزو پیدا ہو سکتی ہے؟ اللہ کے مقرب بندے اور خاص کر نبیوں کی تمام آرزوئیں، جذبات اور خواہشات، خدا کے حکم کے تابع ہوتی ہیں۔اور اس باب میں رسول سے بڑھ کر اور کس کا مقام ہو سکتا ہے؟ کیا اس کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ خدا کا حکم تو یہ ہو کہ بیت المقدس کو قبلہ بناؤ اور رسول اللہ کی آرزو یہ ہو کہ قبلہ، کعبہ مقرر ہو جائے اور پھر اس شدت آرزو کے پیش نظر، خدا اپنا حکم واپس لے کر کعبہ کو قبلہ مقرر کر دے۔

قران کریم میں کہیں مذکور نہیں کہ آپ پہلے بیت المقدس کی طرف منھ کر کے عبادت فرماتے تھے اور بعد میں کعبہ کی طرف رخ کر کے عبادت کرنے لگے۔قرآن پاک کی جس آیت سے تحویل قبلہ کی دلیل دی جاتی ہے وہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۴۳ ہے جس کو میں بعد میں زیر بحث لاتا ہو۔مگر یہاں بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان آیات کا ترجمہ اور مفہوم بھی یہودی تصورات کے تحت کیا گیا ہے۔تصور کریں کہ رسالتماب اپنی قوم میں جو اپنے آپ کو قوم ابراہیمی کہتی ہے میں تشریف لاتے ہیں اور اس دین کی دعوت دیتے ہیں اور کہتے کہ خدا کا حکم ہوا ہے کہ

﴿قل صدق الله فاتبو املة ابراهيم حنيفا...﴾

فرمادیں کہ اللہ نے سچ فرمایا کہ دین ابراہیمی کی یکسو ہو کر پیروی کرو ۳:۹۵

پھر فرماتے ہیں

﴿ومن یرغب عن ملة ابراھیم الا من سفه نفسه.....﴾
کون ہوگہ جودین ابرہیمی سے روگردانی کرے سوائے اس شخص کہ جس نے اپنے آپ کو بیوقوف بنایا
البقرہ ۲:۱۳۰

پھر فرمایا

﴿قد کانت لکم اسوه حسنة فی ابراھیم و الذین معه﴾
ابراہیم اوراس کے اصحاب میں تمہارے لئے اسوہ حسنہ ہے ٦٠:٤
لیکن ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ نماز (عبادت) ہم یہودیوں کے قبلے کی طرف منھ کر کے پڑھیں گے۔ یعنی وہ لوگ جو پہلے ہی دین ابراہیمی کے دعوے دار تھے انہیں جب دین ابراہیمی کی دعوت دی گئی لیکن سب سے بڑی اختلاف کی وجہ جو ڈالی گئی وہ دین ابرہیمی کے قبلے کی تھی جس سے ہٹا کر یہودیوں کے قبلے کی طرف موڑا گیا اور چند سال بعد واپس دین ابراہیمی کے قبلے کی طرف لایا گیا۔اس کے برعکس قران میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں

﴿وقالوا کونوا ھودا او نصری تھتدوا ، قل بل ملة ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین﴾
یہودی کہتے ہیں: یہودی ہوتو راہ راست پاؤ گئے عیسائی کہتے ہیں: عیسائی ہوتو ہدایت ملے گی ان سے کہو: نہیں، بلکہ سب کو چھوڑ کر ابراہیم کا طریقہ اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھا ۲:۱۳۵

﴿قولوا ء امنا بالله وما انزل الینا وما انزل الی ابرھیم و اسمعیل و اسحق و یعقوب والا سباط وما اوتی موسی و عیسی ومل اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم و نحن له مسلمون﴾
"مسلمانوں! کہو کہ:"ہم ایمان لائے اللہ پر اوراس ہدایت پر جو ھماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو

ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اوراولادیعقوب کی طرف نازل ہوئی تھی اور جوموسی اورعیسی اور دوسرے پیغمبروں کوان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی، ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور اللہ کے (فرمانبردار) مسلم ہیں﴾ ۲:۱۳۶

اس آیت سے بات بالکل واضع ہے کہ وہ لوگ جوآپ کے دور میں یہودی یا عیسائی تھے، ان کے اپنے اپنے نظریات اورعقائد تھے۔ یہودی کہتے تھے کہ ہماراطریقہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"راہ راست" ہے عیسائی کہتے تھے کہ ہماراطریقہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"راہ راست" ہے۔اللہ کریم نے ان کے باطل نظریات کورد فرمایا۔کہا! یہودی اور نہ ہی عیسائی راہ راست پر ہیں بلکہ صرف اور صرف ابراہیم کا طریقہ" راہ راست" ہے

﴿قد نرى تقلب و جهك فى السماء فلنو لينك قبلة ترضها فول وجهك شطر المسجد الحرام و حيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره وان الذين اوتو الكتاب ليعلمون انه الحق من ربهم وما الله بغفل عما يعلمون﴾ ٢:١٤٤

اس آیت کا ترجمہ کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ اس آیت میں آئے چندالفاظ کوان کے سیاق وسباق کے مطابق سمجھا جائے

السماءکیا ہے؟

المسجدالحرام کیا ہے ؟

الحق کیا ہے؟

ولایت کیا ہے؟

السماء: اس کا مادہ سمو ہے جس کے بنیادی معنوں میں ,,بلندی،، کے ہیں اسی سے بلندمرتبہ ہونا، بلندہمت ہونا یااعلی مقام ہے۔اسی مفہوم سے ہروہ چیز جوحقیقی لحاظ سے یا رتبے کےلحاظ سے بلندہو

سماء کہلائے گی۔(عرف عام میں بولا جاتا ہے کہ فلاں کی شہرت آسمان پر ہے)

المسجد الحرام: یہ مرکب توصیفی ہے اور معروف بالام ہے۔دو اسماء کا مرکب ہے، موصوف المسجد اور صفت الحرام ہے۔ مسجد لفظ کا مادہ س ج د ہے جس کے معنی سرنگوں ہونا ہے، مسجد اسم ظرف ہے یعنی اس لفظ میں سرنگوں ہونے کا وقت، جگہ اور مقصد یا نظریہ کے معنی ہونے چاہیے۔مثال کے طور پر منزل کے مفہوم میں جگہ اور مقصد دونوں ملتے ہیں جیسے کسی شخص نے اپنی منزل قران کی تعلیم بنائی ہوتو وہ کہے گا کہ میری منزل قرانی تعلیم کا حصول ہے لیکن کسی کی منزل حکومت کا حصول بھی ہوسکتا ہے۔اور جگہ کے لحاظ سے کوئی شہر یا ٹاؤن بھی کسی کی منزل ہوسکتی ہے۔قران کے حوالے سے اھل ایمان کی۔۔منزل۔۔۔قران کے احکام کے دریعے ایسا معاشرہ ہے جس میں ہر شخص کسی فقہ، تصوف یا روایت کے اشتراک کے بغیر قرانی اقدار کے آگے سرنگوں ہو، اھل ایمان کی ,,مسجد,,, قران ہے۔قران میں ہمیں دو طرح کے احکام ملتے ہیں

ا۔ایک وہ احکام جو ہمیں بلند کرتے ہیں کہ یہ کام نہیں کرنے ہیں ان کو مسجد حرام کہا گیا ہے۔

۲۔دوسرے وہ احکام جو ہمارے اختیار کے مطابق ارادی ہیں

مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہے قران ہم کو ان احکام کے ذریعے جو ہمارے اعمال کو مادر پدر آزاد ہونے سے روکتے ہیں مسجد حرام کہلاتے ہیں اور باقی جو بھی ہم اعمال کرتے ہیں اپنے اختیار سے کرنے میں آزاد ہیں سورۃ المائدہ میں حرام کو واضع کرنے کے بعد کہا گیا ﴿یسا لونك ماذا اجل لهم قل اجل لكم الطيبات﴾ وہ سوال کریں گے کہ ان کے لیے کیا جائز ہے، کہو کہ تمام طیبات جائز ہیں۔ دیکھ لیں کوئی جائز باتوں کی فہرست نہیں دی گئی بلکہ ایک جملے میں سب کچھ بنا دیا کہ ناجائز باتوں کے علاوہ سب کی اجازت ہے۔یعنی المسجد الحرام وہ احکام ہیں جو ہمیں چند باتیں نہ کرنے کا پابند کرتے ہیں۔اگر انسان صرف انہیں کا خیال کرلے تو ہر برائی سے بچ جاتا ہے

جب کہ کسی بھی تاریخی حوالے یا روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ کعبہ کے ارد گرد حصہ کو مسجد الحرام کہا جاتا تھا اور جو بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام کی پہلی مسجد جو تعمیر ہوئی وہ مسجد نبوّی ہے۔ جب کہ مسجد اقصی بنو امیہ کے دور میں تعمیر ہوئی۔

(انسائکلو پیڈیا مسجد الحرام کے مطابق حضرت محمد ﷺ نے جب فتح مکہ کیا تو ان کے کزن علی بن طالب نے کعبہ اور اس کے ارد گرد کے بت توڑے تا کہ مشرک ان کا استعمال نہ کر سکیں اور یہاں سے اسلامی حکومت کا آغاز شروع ہوتا ہے اور اس کے ارد گرد کے حصہ کو مسجد الحرام قرار دیا اور مسجد احرام کی اصل بناوٹ ۶۹۲ میں ہوئی۔)

الحق: صرف اور صرف قران ہے

ولایت: اس آیت میں ول ی کے مادہ سے تین الفاظ فلنولینک ،فول اور فولوآ ئے ہیں، ول ی مادہ سے معروف لفظ ولایت ہے جو اس کے بنیادی معنوں کو ظاہر کرتا ہے۔ علامہ عبد الرشید نعمانی نے اس کے معنی اپنی لغت القران میں اموالیکم کے تحت جلد پنجم میں صفحہ نمبر ۶۴۹ میں فرماتے ہیں

۔۔۔ولاء اور توالی دو چیزوں میں ایسی کیفیت اتصالہ ہے کہ اجنبیت حائل نہ رہے مجازً ا مراد قریب ہونا ہے خواہ کیسا ہی ہو یعنی مکانی، نسبتی ، یا دوستی کے لحاظ سے یا اعتقاد کے لحاظ سے یا امداد کے اعتبار سے یا ملکیت اور مملوکیت کے اعتبار سے۔۔ ولایۃ امداد حکومت کی ذمہ داری، کسی کام کا ذمہ دار ہونا ولی اور مولا دونوں ہم معنی ہیں، ہر ایک معنی میں قرب و اتصال کا مفہوم ماخوذ ہے اس لیے دونوں لفظوں کا اطلاق اللہ پر بھی ہوتا ہے اور بندوں پر بھی۔

وحید الزمان قاموس الوحید میں صفحہ نمبر ۱۸۹۹ پر ول ی کے معنی کے تحت لکھتے ہیں۔۔ قریب ہونا، متصل ہونا، ملا ہوا ہونا، کسی کی مدد کرنا، نگران مقرر کرنا، حاکم مقرر کرنا۔

اور صفحہ ۱۹۰۰ پر المولی کے تحت لکھتے ہیں۔۔۔ پروردگار، مالک، کسی کام کا منتظم یا انجام دہندہ، مخلص دوست ساتھی، رفیق، معاہد حلیف، آنے والا مہمان، پڑوسی، شریک ساتھی وغیرہ ہیں۔ اس آیت میں فلنولینک کا ترجمہ رخ پھیرنا کیا گیا ہے

بنیادی طور پر زمانہ جاھلیہ کے طور طریقوں کو بدل کر ایک نئے ظابطہ اخلاق کی بات ہو رہی ہے نہ کہ کسی

کسی مندر یا ہیکل سلیمانی کی طرف سے ہٹا کر ایک اور عمارت کی طرف رخ کرنے کی بات ہو۔

ترجمہ: یقیناً ہم تمہاری توجّہات کو بلندیوں میں منقلب دیکھ چکے ہیں سو ہم تم کو اسی ضابطہ حیات کی ولایت عطا کر رہے ہیں جس کو تم نے پسند کیا۔تو تم اپنی توّجہات ان احکام کی ولایت پر لگائے رکھو جو تم کو پابند کرتے ہیں اور تم لوگ جس حیثیت میں بھی ہو اپنی توجّہات انہی احکام کی طرف منصوبہ بندی کے ساتھ لگائے رکھو اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی وہ خوب جانتے ہیں کہ یہی ضابطہ حیات ان کے پروردگار کی طرف سے برحق ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں قدرت ان سے بےخبر نہیں۔۲:۱۴۴

پھر سوال سامنے آتا ہے کہ بیت المقدس کس کا قبلہ تھا؟؟

ظاہر ہے کہ یہ یہودیوں کا قبلہ تھا اور اس آیت کی رو سے یہودیوں اور عیسائیوں کا طریقہ درست نہیں بلکہ ابراہیم کا طریقہ درست ہے۔،معمار انسانیت ہیں ان کا قبلہ تو وہ احکامات ہی تھے۔

جو کہ دنیا میں انسانوں کے لئے تجویز کیے جانے والے مکمل ضابطے تھے۔یہ سارے جہانوں "عالمین" کے لئے ہدایت ہے یہ سورۃ العمران کی آیت ۹۶ میں مذکور ہے اور خصوصی توجہ کا متقاضی ہے کہ جس طرح اللہ کریم تمام عالمین کے رب ہیں، اسی طرح، اس کا یہ ضابطے، تمام "عالمین" کے لئے مرکز ہدایت ہے نہ کہ کسی مخصوص قوم یا مخصوص خطہ کے لئے، اور نہ ہی کسی دور کے لیے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمام نوع انسانیت کے لئے (قران) مرکز ہدایت ہے

﴿ واذا ابتلی ابراھیم ربه بكلمت فاتمهن ، قال انی جاعلك للناس اماما ، قال و من ذریتی ، قال لا ینال عهدی الظلمین﴾

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراھیم کو ان کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو انہوں نے وہ پوری کر دیں، اللہ نے فرمایا! میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بناوٴں گا، انہوں نے عرض کیا میری اولاد میں سے بھی؟ ارشاد ہوا میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا ۲:۱۲۴

﴿واذ جعلنا البيت مثابة للناس وامنا واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى و عهد نا الى ابراهيم و اسمعيل ان طهرا بيتى للطا يفين والعكفين والر كع السجود﴾

اور میری نعمتوں کا وہ زمانہ بھی یاد کرو جب میں نے احکامات کو انسانیت کے لیے بار بار رجوع کرنے اور قیام امن کے لیے مقرر کیا اور حکم دیا کہ ابراہیم کی سیرت کی پیروی کرو اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل (علیہاالسلام) سے عہد لیا کہ میرے احکام کو بار بار رجوع کرنے والوں اور غور وخوض کرنے والوں اور احکام الٰہیٰ پر عمل پیرا ہونے کیلئے ہمیشہ آمادہ رہنے والوں کیلئے اور غیر الٰہی احکام سے پاک رکھو۔

البقرہ ۲:۱۲۵

کیا اس آیت کو پڑھنے کے بعد اس بات کا تصور تک بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ مقام جہاں سے اللہ کے احکام ایک قانون کی شکل میں ترتیب پا کر انسانیت کے لئے حقوق کی پاسداری کو یقینی بنائیں، کسی اور نظریہ حیات ''مقصد زندگی''، یعنی قبلہ تسلیم کیا جا سکتا ہو؟ یہودیوں کے نزدیک یروشلم میں صرف ہیکل سلیمانی تھا جو رسالتماب کے زمانے سے بہت پہلے مسمار کیا جا چکا تھا اور اسکا نام ونشان بھی نہ تھا۔ لوگوں کو معلوم ہی نہ تھا کہ اس جگہ کوئی ہیکل سلیمانی بھی تھا البتہ یہودی قوم کے لئے اہمیت ضرور رکھتا تھا کہ سیدنا سلیمان (علیہ السلام) کی تعمیر کردہ ایک ھی عمارت ان کو ورثے میں ملی تھی اور اس کا حشر بھی عیسائیوں نے کر دیا تھا۔

سوچنے والی بات یہ ہے کہ:

کیا بیت المقدس، حضرت ابراہیم کے دور میں تھا؟؟؟ اور اگر نہیں تھا۔۔۔۔۔اور یہ حقیقت ہے کہ نہیں تھا۔۔۔۔۔۔

۔تو حضرت ابراھیم، حضرت اسماعیل، حضرت یعقوب کس قبلہ کی پیروی کرتے تھے تو کیا ان کے بعد

آنے والے انبیاء بشمول حضرت موسیٰ اور عیسیٰ ، بھی اپنے اجداد کے دین حق کی اتباع میں کعبہ ہی کو اپناتے ہوں گے یا کسی اور جانب رخ کرتے ہوں گے؟

جس عمارت کو آج مسجد اقصیٰ کہا جاتا ہے وہ ۷۰ ہجری میں یعنی رسالتماب کے اس دنیا سے رخصت کے ۵۵ سال بعد اس وقت کے اموی خلیفہ نے تعمیر کی اس لئے اس کا ذکر بھی قران میں نہیں ہوسکتا اور کوئی بھی عقلمند انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہودیوں کا کوئی قبلہ تھا ہی نہیں بلکہ ہیکل سلیمانی ایک معبد تھا۔ جس مسجد اقصیٰ کا مسلمانوں میں چرچہ ہے وہ رسالتماب کی رحلت کے ۵۵ سال بعد وجود میں آئی اور اس سے پہلے ۷۰ عیسوی میں رومیوں نے تباہ کر دیا تھا حضرت عمر نے یہاں پر مسجد بنوائی اور امیہ خاندان کے خلیفہ عبدلمالک نے توسیع کی اور اس کے بیٹے الولید نے ۷۰۵ عیسوی میں مکمل کروایا جب کہ اقصیٰ کا عربی میں مطلب دور دراز کے ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ مسجد مکہ سے بہت دور تھی اس لئے اس کو اقصیٰ کا نام دیا گیا۔ قران کی تعلیمات میں ملت ابراہیمی کو خالص کرنے کی ہدایت دی گئی تو کس طرح سے رسالتماب نے ایک غیر موجود عمارت کی طرف منھ کر کے عبادت کرنے کا حکم دیا ہوگا؟

القبلۃ ۔ اس لفظ کے اصل معنی جہت یا سمت کے ہوتے ہیں۔ عرف عام میں اس جگہ کو کہتے ہیں جس کی طرف منھ کر کے عبادت کی جائے۔ جسے سامنے رکھا جائے۔ جو پیش نظر رہے یا جو مقصود نگاہ یا نصب العین ہو۔ دین کے نظام میں قبلہ کو خاص اھمیت حاصل ہے۔ ہر نظام ، مملکت ، ہر حکومت کا ایک مرکز ہوتا ہے جس کی طرف تمام افراد معاشرہ کی نگاہیں اٹھتی ہیں۔ جو ان میں وحدت فکر و عمل پیدا کرتا ہے یہ دراصل نشان ہوتا اس نظام یا حکومت کا جسے ہر وقت پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔ اسے پیش نظر رکھنے سے مقصود اس نظام یا حکومت سے وابستگی اور وفا شعاری کا اظہار ہوتا ہے۔ حکومت خداوندی کا محسوس قبلہ، اس مقام کے (مکہ) کے علاوہ اور کون سا مقام ہوسکتا تھا جو تمام اقوام عالم کے لئے رہنمائی کا نشان بنایا گیا۔

﴿اول بیت وضع للناس للذی بیبکه مبارکة و هدی للعا لمین﴾العمران ۶۵۔
یعنی ۔(دنیاکے بتکدہ میں) پہلا انسانیت کے لیے وضع کیا گیا نظام جسے انتہائی تکلیف اور جدو جہد
کے ساتھ تمام عالم کے لئے راہنمائی کا نشان بنایا گیا۔
مگر یہودیوں اور مجوسیوں کا چال نے اس کو ایک مذہب کے لئے عبادت گاہ بنادی اور اقوام متحدہ کو
امریکہ میں بنا دیا۔ مذہب میں سے انسانیت نکال دی جائے تو صرف عبادت رہ جاتی ہے اور محض عبادت
کے لئے پروردگار کے پاس ''فرشتوں'' کی کمی نہیں اس کے برعکس مسلمانوں کو کعبہ صرف عبادت گاہ کے
طور پر رکھنے کے لئے ایسی ایسی احدیث گھڑی گئی ہیں جن کا رسول اللہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں

﴿من دخلة امینا﴾۳:۹۶''
جو اس میں (نظام) داخل ہو گیا اسے دنیا جہاں کی آفات سے امن مل گیا''
قبلہ کی اہمیت کا اندازہ اس اس بات سے لگا یئے کہ اس کے اتباع کو قران کریم نے دین کی اتباع سے
تعبیر کیا ہے۔ ایک بات ذہن نشین رہے کہ نبی پاک کی زندگی قران کی تصویر ہے آپ کوئی بھی بات
قران کے خلاف یا اس سے غیر متصل نہ کرتے تھے اور نہ ہی ہم تصور کر سکتے ہیں کہ ایسا ہوا ہو گا اللہ کی وحی
کو آپ انہی معنوں میں اپنے اصحاب کو سمجھاتے تھے جو مفہوم خدا چاہتا تھا اور یہ بعید از قیاس ہے کہ کوئی
خفیہ وحی بھی آپ پر نازل ہوتی ہو گئی جس کو بعد میں یہودی اور مجوسی ذھن کے نو مسلم اماموں نے
حدیث کا نام دے کر اصل وحی یعنی قران سے مسلمانوں کو موڑا اور جس کا خمیازہ آج تک بھگتا جا رھا
ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں جب آپ قران کو سمجھاتے ہوں گے تو سوال و جواب کا دور بھی ہوتا گا
جس میں ضمنی باتیں جو کہ قران کے اصل مفہوم سے تعلق رکھتی ہوں گی بتاتے ہوں گے مگر ایسا کبھی نہیں
ہو سکتا کہ اصل مفہوم بدل کر اپنے سے کوئی تاویل بیان کر دی ہو۔ یہ میرا ایمان ہے اور اس پر پختہ یقین
ہونا چاہیے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان احادیث میں آپ کو کبھی بھی کسی سورت کی ایسی تشریح نہیں ملے گی

جس کو آپ صلعم نے بیان کر کے قلمبند کروایا ہو یا کسی صحابی نے ویسے ہی جیسے بیان ہوئی ہوں یاد رکھی اور ہم تک پہنچی ہو۔

رسالتماب نے فکری تبدیلی کے ذریعے ایک اصلاحی اور مثالی معاشرہ قائم کر کے دکھایا جس کی بنیاد وحی پر رکھی گئی جو رسالتماب کا قبلہ تھا جس ماحول میں وہ پیدا ہوئے اور جن اصولوں کو ان کی قوم نے قبلہ بنایا ہوا تھا اسے بدل کر وحی الٰہی کے اصولوں کو قبلہ بنایا جس کی بنیاد پر وہ کامیاب ہوئے اور ایسی تبدیلی لا کر دکھائی جس کا اثر آج صدیوں بعد بھی نظر آتا ہے۔ اور ہر رسول کی یہی داستان ہوتی ہے وہ معاشرے کے استحصالی نظام کو بدلتا ہے لوگوں کے حقوق کو بہم پہنچانے کے الٰہی طریقہ کار کو رائج کرتا ہے اس لئے وہ وحی کا نظام قائم کرتا ہے، معاشرہ کا تزکیہ کرتا ہے معاشرے میں اجتماعی یا انفرادی طور پر حقوق کو غصب کرنے کو روکنے کے لئے تربیتی نظام وجود میں لاتا ہے۔ آیئے دیکھیں قران اس سلسلے میں کیا کہتا ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیات ۱۴۵ اور ۱۴۶ میں ہے

﴿ولئن اتیت الذین اوتوا الکتب بکل ءایة ما تبعوا قبلتك وما انت بتابع قبلتھم ، وما بعضھم بتابع قبلة بعض ولئن اتبعت اھواء ھم من بعد ما جاء ك من العلم انك اذا لمن الظلمین﴾ ﴿الذین ءاتینھم الکتب یعرفونه کما یعرفون ابناء ھم وان فریقا منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون﴾

اور اگر ان لوگوں کے پاس جن کو کتاب دی گئی ہے تمام آیات بھی لے آؤ تو بھی وہ تمھارے قبلے کی اتباع نہیں کریں گے اور نہ ہی آپ ان کے قبلے کی اتباع کرنے والے ہوتے کہ وہ بھی آپس میں ایک دوسرے کے قبلے کی اتباع کرنے والے نہیں۔ اور اگر آپ نے ان کی خواھشات کی پیروی کی اس کے باوجود کہ آپ کے پاس وحی الٰہی آ چکی پھر آپ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ وہ لوگ کہ جن کہ ہم نے الکتاب دی ہے وہ اس قبلے کو ایسے ہی جانتے ہیں جیسے کہ اپنے بیٹوں کہ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا ایک گروہ اس

حق کہ چھپاتا ہے باوجود اس کے کہ ان کو اس کا علم ہے 2:145-6

ان آیات سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

۱)وہ لوگ جن کو الکتاب دی گئی وہ آپ کے قبلے کی اتباع نہیں کریں گے یعنی قبلے کی اتباع ہوتی ہے۔

۲) آپ ان کے قبلے کی اتباع نہیں کرنے والے یعنی اہل کتاب کا بھی قبلہ تھا جس کی وہ اتباع کرتے تھے۔

۳)ان کے آپس میں بھی قبلے الگ الگ تھے اور وہ ایک دوسرے کے قبلے کی اتباع نہیں کر رہے تھے غور کریں وہ کون سی چیز ہے جس کی اتباع ہم کریں گے اور جس کو ہم ہمیشہ اپنے سامنے یعنی مقابل رکھیں گے جسے ہم اپنے لئے قابل اتباع بنائیں گے جسے نہ صرف وہ لوگ بھی جانتے تھے جن کو اہل کتاب کہا گیا بلکہ دنیا کا ہر شخص جانتا ہے کہ اتباع کس چیز کی کیجاتی ہے۔پہلی بات کہ اتباع احکامات کی جاتی ہے کسی مقام یہ جگہ کی نہیں۔دین میں ہر انسان کو معلوم ہے کہ اتباع احکامات الٰہی کی کی جاتی ہے اور احکامات الٰہی وہ اقدار ہوتے ہیں جو انسانیت کے حقوق کی بات کرتے ہیں یہ امن وسلامتی کے اقدار ہوتے ہیں اگر ان کو پامال کیا جائے تو انسانیت پر ظلم ہوتا ہے۔اس لئے احکامات الٰہی میں انسانی احکامات کا اشتراک ظلم عظیم قرار دیا گیا اور رسالتماب سے بھی فرمایا گیا کہ اب علم آنے کے بعد اگر آپ نے ان کی خواہشات یعنی قبلے کی اتباع کی تو آپ بھی ان کی طرح ظالم ہو جاؤ گے۔

دوسری بات کہ دوسرے لوگ بھی اپنے اپنے قبلے کی اتباع کرتے تھے اور ان کا بھی صرف ایک قبلہ نہیں تھا بلکہ کئی قبلے تھے اور ہر ایک اپنے قبلے کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ہر شخص نے اپنا اپنا مذہب بنایا ہوا تھا جس پر وہ چل رہا تھا جو ہر وقت اس کے سامنے رہتا تھا اور وہ لوگ ایک دوسرے کے قبلے کی پیروی نہیں کرتے تھے۔سب وضاحتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ قبلہ کوئی اینٹ پتھر کا گھر نہیں ہوتا بلکہ وہ نظریہ ہوتا ہے جس پر انسان چلتا ہے۔اگر تو ان آیات میں یہود کی بات ہو رہی ہو تو ایک لمحہ کے لئے بفرض محال

مان بھی لیتے ہیں کہ یہود کا قبلہ ہیکل سلیمانی تھا لیکن پھر سوال اٹھے گا کہ عیسائیت کا کون سا قبلہ ہے؟ دیکھیے نہ تو یہاں بات ہیکل سلیمانی کی ہو رہی ہے اور نہ کعبہ کی۔ یہاں بات ہو رہی ان تعلیمات کی جن پر ہر انسان چلتا ہے اور ہر انسان نے اپنی تعلیمات کو ہی قبلہ کا درجہ دیا ہوا ہے اور ہر وقت سامنے (مقابل) رہنے کی چیز بنایا ہوا ہے۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ کس کی تعلیمات اور اقدار کہاں تک خالص ہیں اور ان میں کتنی ان کی اپنی تعلیمات کی ملاوٹ ہے۔ ہم دوسروں کو کیوں کہیں خود اپنی تعلیمات کو دیکھ لیں اس میں کتنی قران کی اقدار ہیں اور کتنی ملاوٹ ہے۔ سورہ یونس کی آیت نمبر ۸۷ میں ہے جس میں سیدنا حضرت موسی کو حکم ہوا کہ وہ اپنے گھروں کو قبلہ بنائیں

﴿و اوحینا الی موسی و اخیه ان تبوء لقومکما بمصر بیوتا واجعلوا بیوتکم قبلة واقیمو الصلوة و بشر المومنین﴾

﴿اور ہم نے موسی اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے موگوں کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے اپنے گھروں کو قبلہ ٹھہراؤ اور صلوۃ قائم کرو اور مومنوں کہ خوشخبری سنا دو ۱۰:۸۷

اس آیت میں موسی کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ مصر میں بیوت یعنی گھر بنائیں۔

اول تو یہ بات کہ کیا مصری گھروں میں نہیں رہ رہے تھے؟ جو کہا گیا کہ میں مصر میں گھر بنائیں۔ یقیناً وہ گھروں میں ہی رہ رہے تھے۔ دوسری بات گھر کے لئے پھر وہی لفظ بیت کی جمع بیوت آیا ہے جو سیدنا ابراہیم کے حوالے سے آ چکی ہے یہ رہنے والے گھر نہیں تھے بلکہ یہ نظریاتی بنیاد پر بنائے گئے ادارے تھے جن کے لئے کہا گیا کہ ہر گھر اپنی جگہ ایک قبلہ بن جائے یعنی ہر گھر اپنے سامنے ایک ہی مقصد و منزل متعین کر لے جس کی حیثیت قبلے کی ہو یعنی تعلیمات کا مینار ہو وہاں سے احکامات الہی کا نور پھوٹے، ہمارے مفسرین جب اس جگہ پھنسے تو غلط ترجمہ کرنے سے بھی گریز نہ کیا اور ترجمہ کیا کہ سب گھر قبلہ رخ بناؤ (اس وقت کون سا ہیکل سلیمانی تھا)۔ اس ترجمے سے تو بہت سارے قبلے بن جاتے ہیں جس کا

مطلب ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی پیشوائیت کے ہاتھوں سے ایک قبلے کا تصور ختم ہو جاتا ہے اور پھر تو ہر گھر ایک قبلے کی حیثیت اختیار کر جائے گا خواہ وہ ادارہ ہو یا رہنے کا گھر۔

کعبہ کی تعمیر کیا حضرت ابراھیم نے کی؟

حضرت ابراھیم علیہ السلام تمام انبیاء کے باپ اور انسانوں کے امام ہیں، قران میں ان کا تذکرہ کم و بیش ٦٩ دفعہ آیا ہے جس میں اللہ رب العزت نے ان کی بت پرستی کے خلاف جدو جہد کو اصطلاحات، استعاروں اور تشبیھات کی مدد سے اجاگر کیا ہے۔ مگر ہمارے مترجمین اور مفسرین نے ان اصطلاحات کا بائبل سے متاثر ہو کر اسی کی زبان میں لفظی ترجمہ کر دیا اور بائبل کی دیومالائی کہانیوں کو تفسیر کا حصہ بنا کر مسلم امہ کو ان کے اصل پیغام سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا۔

اور یہ حقیقت قران خود بیان کرتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کو جس قوم کے پاس بھیجا گیا انہیں ان الھامی کتابوں کے بارے میں کسی قسم کا علم نہ تھا جب کہ یہ حقیقت بھی روشن ہے کہ آپ ﷺ کے دور میں بھی ان کتابوں کو تحریف کیا جا چکا تھا

﴿وما ء اتینھم من کتب یدرسونھا....﴾

اور ہم نے ان (اھل مکہ) کو نہ آسمانی کتابیں عطا کی تھیں جنہیں یہ لوگ پڑھتے ہوں۔۔۔(٣٤:٤٤)

تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا تھا کہ نبی پاک ﷺ کو دنیاوی طور پر پتہ ہوتا اور وہ حضرت ابراھیم کی جائے پیدائش اور وہاں کے حالات کو ویسا بیان کرتے جیسا کہ بائبل میں تحریر ہے مگر ہمارے مترجمین اور

مفسرین نے بغیر کسی خوفِ خدا کے یہ کارنامہ سرانجام دیا۔
قران نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کے بارے میں آغاز کچھ یوں کیا ہے

﴿واذقال ابراھیم لا بیه ء ازر اتتخذ اصناماء الهة ، انی اریك و قومك فی ضلل مبین﴾﴿و کذلك نری ابراھیم ملکوت السموات والرض ولیکون من المو قینین﴾

اوراس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے مونھ زور پیشوا سے کہا کہ تم ان معبودانِ باطل کی اطاعت کرتے ہو۔۔۔؟ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔اوراسی وجہ سے ہم ابراھیم کو بلندوزیرین (زمین وآسمان) کے اختیارات سمجھاتے ہیں تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں شامل ہوجائیں۔(۷۵۔۷۴:۶)

عرب اپنی شاعری میں میں ابی سردار یا پیشوا کو کہتے تھے جب کہ ازر کا لغت میں ترجمہ منہ زور ہے

۔۔۔

بائبل میں ابراھیم کے والد کا نام تارح لکھا ہے (۵:۱۱:۲۷)

اب چند تراجم ملاحظہ فرمائیں

(ابراھیم کا واقعہ یاد کرو جب کہ اس نے اپنے باپ ازر سے کہا تھا: کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟ میں تجھے اور تیری قوم کو   کھلی گمراہی میں پاتا ہوں (مودودی)

اور یاد کرو جب ابراھیم نے اپنے آزر سے کہا: کیا تو بتوں کو خدا جانتا ہے میں تجھے اور تیری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں (مولانا احمد علی)

﴿ فلما جن علیه الیل راء کوکبا ، قال هذا ربی فلما افل قال لا احب الا فلین﴾

سو جب لاقانونیت نے اس پر اندھیرا کیا تو اس نے ایک روشنی دیکھی اور کہا: یہ میرا نظام ربوبیت ہے پھر جب وہ ناکام ہوگیا تو کہا میں ناکام ہونے والوں   کو پسند نہیں کرتا۔   (۶:۷۶)

جس معاشرے میں نبی پاک ﷺ کو معبوث کیا گیا، وہاں ہر طرف لاقانونیت تھی اور اس لاقانونیت کا ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا اور حضرت ابراھیم کی داستان بیان کر کے اس وقت کا ذکر کیا گیا ہے جب لاقانونیت اپنے عروج پر ہوتی ہے اور کسی معاشرے میں اگر کسی درجے میں بھی انصاف پایا جائے تو انسان اس کی طرف لپکتا ہے جسے تمثیلاً کوکب سے تشبیہ دی گئی ہے لیکن وہ بھی معاشرے کے غلط رویوں کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچتا ہے تو انسان اس سے بہتر کی تلاش میں نکل پڑتا ہے۔ اگلی آیت میں ایک ایسی قوم کی بات کی گئی ہے جو اس معاشرے سے بہتر ہے لیکن انجام ویسا ہی ہوا جو اس سے پہلے کے معاشرے کا ہوا

﴿ فلما راء القمر بازعا قال هذا ربی ، فلما افل قال لئین لم یهدنی ربی لا کونن من القوم الضالین﴾

پھر جب انتہائی روشن معاشرے کی آب وتاب کو دیکھا تو کہا یہی میرا نظام ربوبیت ہے کیونکہ یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ بھی ناکام ہوگیا تو کہا: اے میری قوم میں ان تمام نظریات سے بری ہوں جنہیں تم مملکت الیہ (اللہ کی طرف سے دی گئی حکومت) کے احکامات کے ساتھ شریک کرتے ہو۔ (۶:۷۸)

یہ اس سوچ کا مظہر ہے جو انسان ایک کامیاب معاشرے کو دیکھ کر ذھن میں لاتا ہے لیکن جن کی حقیقت میں کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔

ان تینوں مثالوں کو اس طرح سمجھئے جیسے کہ ایک شخص کسی بھی مسلم ملک کی حالت دیکھ کر موہوم سہارے کی طرف لپکے لیکن معلوم ہوا اندر خانہ وہ خالی ہے تو اس کی نظر اپنے سے بہتر اقوام کی طرف اٹھتی ہے اور وہ اس کی طرف لپکتا ہے لیکن جب معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترقی یافتہ اقوام بھی کوئی نظریہ نہیں رکھتی ہیں تو ان ممالک کی طرف نظر کرتا ہے جو سپر پاور کے نام سے پہچانی جاتی ہیں لیکن جب دیکھتا ہے کہ ایک چمک

دمک تو بہت ہے لیکن ہے عارضی تو پھر وہ اللہ کے احکام کی طرف رجوع کرتا ہے جو نظام ربوبیت عالمینی کی ذمہ داری ہے اور تمام انسانی نظریات سے اپنے آپ کو بری الزمہ قرار دیتا ہے اور پھر کہتا ہے

﴿انی وجهت وجهی الذی فطر السماوات والارض حنیفا، وما انا من المشرکین﴾

میں نے یک سو ہو کر اپنی توجہات کو اسی طرف لگایا جس نے بلند وزیرین (زمین و آسمان) بنائے اور میں شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں (٦:٧٩)

﴿وحاجه ، قومه ، قال اتحجونی فی الله وقد هدین ولا اخاف ما تشرکون به ـ الا ان یشاء ربی شیا وسع ربی کل شیءٍ علما افلا تتذکرون﴾

اور اس کی قوم نے اس سے احتجاج کیا۔۔۔اس نے کہا: کیا تم مجھ سے قوانین قدرت کی بابت احتجاج کرتے ہو جب کہ اس نے میری رہنمائی کی ہے اور جنہیں تم شریک کرتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا مگر یہ کہ اگر قانون مشیت میں ہو۔ میرے اللہ (نظام ربوبیت) نے علم کی بنیاد پر ہر چیز کو وسعت دی ہے۔۔ تو کیا تم سوچتے نہیں ہو۔ (٦:٨٠)

لیکن ھمارے مذھبی پیشوا نے سوچنے کی بجائے ان تمام الفاظ کے لفظی معنی کر کے اس آفاقی پیغام کو جس کی بنیاد پر ابراھیم علیہ السلام کو امامت کا درجہ دیا گیا بے ترتیب جملوں کی نذر کر دیا۔

﴿و کیف اخاف ما اشرکتم ولا تجافون انکم اشرکتم بالله ما لم ینزل به ـ علیکم سلطنا فائی الفریقین احق بالا من ان کنتم تعلمون﴾

اور تمہارے شریک حکمرانوں سے کیوں خائف ہوں جب کہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ احکامات الہی میں شریک ٹھیراتے ہو جس کی تم کو کوئی دلیل نہیں پیش کی گئی۔ اگر تم کو علم ہے تو بتاؤ کہ دونوں

جماعتوں (فریقین) میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے (٦:٨١)

﴿الذین ء امنو ولم یلبسو ایمنھم بظلم اولیك لھم الا من و ھم مھتدون﴾

جن لوگوں نے امن قائم کیا اورانھوں نے اپنے امن کی کیفیت میں کسی ظلم کا شائبہ بھی نہ آنے دیا امن انھی کے لیے ہے اوروہی راہ راست پر ہیں (٦:٨٢)

اللہ نے امن کے لیے جو شرط بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ کسی پر ظلم کیے بغیر امن قائم کیا جائے ابراھیم علیہ السلام کے اس واقعہ سے کتنا اھم قانون انسانیت کو دیا گیا ہے مگر مترجمین نے اس کو ایمان اور آخرت پر موقوف کر کے اس قانون کی اس دنیا میں اھمیت کو ختم کر دیا۔

﴿و تلك حجتنا ء اتینھا ابراھیم علی قوم ، نر فع درجت من نشاء ان ربك حکیم علیم﴾

اور یہ ہمارے دلائل ہیں جو ہم نے ابراھیم کو اس کی قوم کے مقابلے میں دیئے تھے ہم اس شخص کے درجات بلند کرتے ہیں جو ہمارے قانون مشیت پر پورا اترتا ہے بے شک تیرے پالنہار کا نظام ربوبیت علم کی بنیاد پر حکمت والا ہے (٦:٨٣)

آپ اگر عمومی تراجم کسی بھی مترجم کا پڑھیں تو کسی بھی طرح آپ قران کے اس آفاقی پیغام کو نہیں پا سکیں گے جو حضرت ابراھیم علیہ السلام کے ذریعے انسانیت کو دینا مقصود ہے۔

اب اللہ رب العزت نے ابراھیم علیہ السلام باقاعدہ ان کے دل پر وحی نازل کرنی شروع کی جس کو کہ ہمارے مترجمین نے بائبل کے لفظی ترجمے کے ساتھ پیش کیا ہے جو کہ اصل پیغام کی روح سے متصادم ہے

﴿و اذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتی ، قال اولم تومن ، قال بلی ولکن لیطمئن قلبی۔ قال فخذو اربعة من الطیر فصر ھن الیك ثم اجعل علی کل جبل

منهن جزء ا ثم اد هن يا تينك سعيا و اعلم ان الله عزيز حكيم﴾

اور جب ابراھیم نے کہا: کہ اے پروردگار مجھے سمجھا کہ تو محکوم قوم کو کس طرح آزادی دلائے گا؟ اس نے کہا، کیا تم امن دینے والے نہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! لیکن اس لیے کہ میرا دل مطمئن ہو۔ کہا! کہ انتہائی شفیق ورحم دل اور بردباد وباوقار افراد کی ذمہ داری اٹھاؤ اور ان کی تربیت کرو اور ان میں سے ایک ایک جزو کو ہر مردمیدان پر مقرر کرو پھر ان کو دعوت دو تو تیرے پاس سعی وجدوجہد کرتے ہوئے آئیں گے اور جان رکھو کہ قدرت باحکمت غلبے والی ہے (۲:۲۶۰)

اس آیت کا ترجمہ بائبل کے واقعہ سے منسوب کر کے لفظی ترجمہ کر دیا ہے جس کا ابراھیم علیہ السلام جیسی اعلی اقدار اور سوچ و بچار کی حامل شخصیت کے برخلاف ہے کہ وہ اللہ سے ایسی باتیں دریافت کریں، بیشتر کہ میں بائبل کے اس کہانی کی طرف جاؤں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس آیت میں جتنے الفاظ استعمال ہوئے ان کے مجازی اور حقیقی تراجم اس آیت کی روح کے مطابق کیا ہیں

اربع۔ مادہ رب ع۔ معنی معنی موسم بہار۔۔۔ چراگاہ میں آزادی سے چرنا۔۔۔ عدد کے لحاظ سے چار۔۔ خوشحال وآسودہ ہونا۔۔۔ شفقت کرنا۔۔۔ مہربانی کرنا۔

الطیر۔ مادہ ط ی ر۔ معنی۔ اڑنا، مجازاً اس آدمی کے لیے بولا جاتا ہے جو اونچی پرواز رکھتا ہو۔۔ علامہ اقبال نے مومن کو شاھین کہا ہے۔۔۔۔ دوسرے مقام پر طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو،،، پرواز،،، میں کوتاھی۔۔ قاموس الوحید میں صفحہ نمبر ۱۰۳۴ پر ساکن الطیر کے معنی بردباد و باوقار، شہرت یافتہ اور مشہور ومعروف کے لکھے ہیں۔

خذ۔۔ مادہ اخ ذ معنی حاصل کرنا، پکڑنا، لینا، ماخوذ کرنا، پابند کرنا،، علی نفسیہ،، اپنے ذمہ لینا،، اخذ کے معنی ہیں موقع محل دیکھ کر متعین کرنا۔۔

اب اس آیت کا عمومی ترجمہ جسکو بائبل سے نقل کیا گیا ہے دیکھتے ہیں

(اور جب ابراھیم نے عرض کیا: میرے رب! مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ فرماتا ہے؟ ارشاد ہوا: کیا تم یقین نہیں رکھتے؟ اس نے عرض کیا: کیوں نہیں! لیکن میرے دل کو بھی خوب سکون نصیب ہو جائے، ارشاد فرمایا: تم چار پرندے پکڑ لو پھر انہیں اپنی طرف مانوس کرلو ان کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو پھر انھیں بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے، اور جان لو کہ یقیناً اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے) (القادری)

بائبل میں کچھ یوں ہے

ابرام خداوند پر ایمان لایا اور اس نے ابرام کے حق میں راستبازی شمار کیا۔ اس نے اس سے یہ بھی کہا: میں خداوند ہوں جو تجھے کسدیوں کے اُور سے نکال لایا تا کہ تجھے یہ ملک میراث میں دوں۔

لیکن ابرام نے کہا: اے خداوند! میں کس طرح جانوں کہ میں وارث ہوں گا؟

خداوند نے اس سے کہا: ایک بچھیا، ایک بکری اور ایک مینڈھا جو تین تین برس کے ہوں اور ایک قمری اور کبوتر کا ایک بچہ میرے پاس لا۔

ابرام ان سب کو اس کے پاس لے آیا اور ان کے دو دو ٹکڑے کیے اور ان ٹکڑوں کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ دیا مگر پرندوں کے ٹکڑے نہیں کیے تب شکاری پرندے ان لاشوں پر جھپٹنے لگے لیکن ابرام ان کو ہنکاتا رہا۔ ١٠۔٦:١٥:١٢ (پیدائش)

آگے اللہ رب العزت نے حضرت ابراھیم کے اپنے والد سے جو گفتگو ہوئی اس کا بیان کس پیرائے سے کیا ہے ملاحظہ کریں

حضرت ابراھیم کی اپنے والد سے گفتگو۔۔۔۔۔۔۔

﴿و اذکرو فی الکتب ابراھیم انه کان صدیقا نبیا﴾

اور کتاب کے معاملے میں ابراھیم (علیہ السلام) کا تذکرہ کرو کہ وہ احکامات کو سچ کر دکھانے والا سربراہ تھا (۱۹:۴۱)

﴿ اذ قال لا بیه یا بت لم تعبد ما لا یسمع و لا یبصرو و لا یغنی عنك شیا﴾

جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ ایسے کی فرمانبرداری کیوں کرتے ہیں جو نہ تو آپ کی بات پر کان دھرتا ہے اور نہ ہی آپ پر نظر عنایت کرتا ہے اور نہ ہی آپ کے کسی کام آنے والا ہے۔ (۱۹:۴۲)

﴿یا ابت انی قد جاء نی من العلم ما لم یاتك فاتبعنی اهدك صراط سو یاّ﴾

اے والد! بے شک میرے پاس العلم سے وہ آچکا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ آپ میری پیروی کیجئے میں آپ کو سیدھا رستہ دکھادوں گا (۱۹:۴۳)

﴿یا ابت لا تعبدو الشیطن ان الشیطن کان للرحمن عصیا﴾

اے میرے والد! شیطان کی فرمانبرداری نہ کیجئے۔۔ یقیناً وہ رحمٰن کا نافرمان ہے۔ (۱۹:۴۵)

﴿یا ابت انی اخاف ان یمسك عذاب من الرحمن فتکون للشیطن ولیا﴾

اے میرے والد! مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو الرحمٰن کا عذاب نہ پکڑ لے اور آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں (۱۹:۴۶)

﴿قال اراغب انت عن ء الهتی یا براهیم، لئن لم تنته لا رجمنك و اهجرنی ملیا﴾

اس نے کہا: اے ابراھیم کیا تم میرے خداؤں سے روگردانی کرتے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کردوں گا اور تم ایک طویل مدت تک مجھ سے دور ہو جاؤ (۱۹:۴۶)

﴿قال سلا م علیك ، سا ستغفرلك، ربی انه کان بی حفیا﴾

کہا!۔ آپ پر سلامتی رہے۔۔ یقیناً میں اپنے رب سے آپ کے لیے حفاظت طلب کروں گا۔۔۔

بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے (۱۹:۴۷)

﴿واعتزلکم وما تدعون من دون الله وادعوا ربی عسی الا اکون بدعاء ربی شقیا﴾

اور میں تم لوگوں کو چھوڑتا ہوں اور جن کی تم قوانین قدرت کے ساتھ دعوت دیتے ہو اور میں تو اپنے رب ہی کی دعوت دونگا امید ہے کہ میں اپنے رب کی دعوت کے ساتھ شقی (محرومِ کرم) نہ ہونگا (۱۹:۴۸)

﴿فلما اعتزلھم وما یعبدون من دون الله و ھبنا له ۔ اسحق و یعقوب و کلا جعلنا نبیا﴾

پھر جب وہ ان لوگوں سے اور ان سے جن کی وہ پیروی کرتے تھے علیحدہ ہوا تو ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب عطا کیے اور ہم نے ہر ایک کو نبی مقرر کیا (۱۹:۴۹)

﴿وو ھبنا لھم من رحمتنا و جعلنا لھم لسان صدق علیا﴾

اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دیا اور ہم نے ان کے لیے سچی بات کو بلند درجہ مقرر کیا (۱۹:۵۰)

حضرت ابراھیم کا بادشاہ اور مشرکین کو چیلنج..........

﴿الم تر الی حاج ابراھیم فی ربه ، ان ء اته الله الملك اذ قال ابراھیم ربی الذی یحی و بمیت ، قال انا احی ، و امیت ، قال ابراھیم فان الله یاتی بالشمس من المشرق فات بھا المغرب فبھت الذی کفر والله لا یھدی القوم الظلمین﴾

بھلا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراھیم سے نظام ربوبیت کے بارے میں حجت کی ۔ دراں حالانکہ اللہ نے اسے حکومت بخشی تھی ۔ جب ابراھیم نے کہا: کہ میرا نظام ربوبیت تو وہ ہے جو کامیابی عطا

کرتا ہے اور وہی نا کام قرار دیتا ہے، وہ بولا کہ کامیاب اور نا کام تو میں بھی قرار دیتا ہوں، ابراھیم نے کہا: مملکت الھیہ (اللہ کے احکامات کے مطابق حکومت) ضابطہ صبح نو کے ساتھ حکومت لاتی ہے تم ایسی ڈوبتی ہوئی حکومت واپس لا کر دکھاؤ۔۔تو کافر حیران رہ گیا اور اللہ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۲:۲۵۸)

عمومی ترجمه: (اے حبیب!) کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس وجہ سے کہ اللہ نے اسے سلطنت دی تھی ابراھیم (علیہ السلام) سے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کرنے لگا، جب ابراھیم (علیہ السلام) نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا ہے، تو کہنے لگا میں (بھی) زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، ابراھیم (علیہ السلام) نے کہا: بیشک اللہ سورج کو مشرق کی طرف سے نکالتا ہے تو اسے مغرب کی طرف سے نکال لا، سو وہ کافر دہشت زدہ ہو گیا، اور اللہ ظالم قوم کو حق کی راہ نہیں دکھلاتا۔۔۔۔۔

اس آیت کا لفظی ترجمہ کر کے غیر مسلموں کے لیے تنقید کی راہ کھول دی وہ بڑی آسانی سے کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ اچھا میں تو مغرب سے نہیں نکال سکتا تو اپنے رب کو کہو کہ وہ سورج مغرب سے طلوع کرے (جب مفسرین کو کوئی راہ نہ سوجھی تو انھوں نے یہ جواب گھڑا کہ وہ بادشاہ نظام شمسی سے واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ ابراھیم کا خدا مغرب سے سورج طلوع کر سکتا ہے اور اگر ایسا ہو گیا تو سارا نظام درہم برہم ہو جائیگا اور اس کی سلطنت ختم ہو جائے گی)

دوسری بات کہ میرا رب زندہ بھی کرتا ہے کا انتہائی مہمل ترجمہ کیا گیا ہے، اس کا اگر یہی ترجمہ کرنا تھا تو یہاں پر پیدا کرنا آنا چاہیے تھا یحیی کا مطلب اگر زندگی ہی ہے تو وہ پیدا ہونے سے ہوتی ہے، پیدا ہو کر تو زندگی گزاری جاتی ہے۔ خدا کی صفت یہ ہے کہ وہ عدم سے چیز کو پیدا کرتا ہے۔ جو دنیا میں کوئی نہیں کر سکتا۔ جب کہ حضرت ابراھیم کے کہنے پر کہ ربی الذی یحیی و یمیت اس شخص کے

جواب کی نفی نہیں کی گئی۔۔۔ذرا غور کریں اس نے کیا کہا؟۔۔یہ کام تو میں بھی کرسکتا ہوں۔۔۔اب سوچیئے کہ اگر یہ بات پیدا کرنے کی ہوتی تو ناممکن ہے کہ کوئی انسان کسی چیز کو بھی پیدا کر سکے،اس بات کا تو اس شخص کو بھی بخوبی علم تھا اور خدا بھی خاموش رہا۔۔آخر کیوں۔۔۔۔؟

عمومی من گھڑت تراجم اور تفاسیر میں بھی یہی لکھا ملے گا کہ اس نے ایک قیدی کو بلوایا جسے پھانسی کا حکم ہو چکا تھا۔۔اور اسے آزاد کردیا اور کہا۔۔دیکھو میں نے اسے زندگی دے دی ہے۔۔۔۔،اور اس جواب پر نہ تو ابراھیم (علیہ السلام) نے کوئی اعتراض کیا کہ یہ کیا بے وقوفی کی بات کر رہے ہو، ذرا کسی بچے کو پیدا کر کے دکھاؤ۔۔اور نہ ہی اللہ نے کوئی اعتراض کیا۔۔۔۔!

حقیقت یہ ہے کہ یہاں جسمانی موت وحیات کی بات ہی نہیں ہو رہی۔۔۔کیونکہ یحیی کا معنی پیدا کرنا۔۔نہیں بلکہ زندہ انسانوں کو حیات آفرینی کے ہیں۔۔۔ اور حیات آفرینی کے مقابلے پر یمیت کے معنی جسمانی موت نہیں بلکہ محکومی و ناکامی کے ہوں گے۔۔۔

مثال کے طور پر سورۃ الانعام میں ہے﴿او من کان میتا فا حیینه....﴾ ٦:١٢٢

بھلا وہ شخص جو مردہ (یعنی ایمان سے محروم) تھا پھر ہم نے اسے (ہدایت کی بدولت) زندہ کیا (القادری)

انبیا اکرام مردہ اقوام کہ ایسی زندگی عطا کرنے کے لیے آتے تھے جو انہیں دنیا بھر کی سرفرازیاں عطا کرے۔۔﴿یا یها الذین ء امنو استجیبو لله و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم..﴾

اے ایمان والو: جب (بھی) رسول (ﷺ) تمہیں کسی کام کے لیے بلائیں جو تمہیں (جاودانی) زندگی عطا کرتا ہے تو اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیتے ہوئے حاضر ہو جایا کرو (٨:٢٤) (القادری)

اور یہ زندگی قران کی رو سے مل سکتی ہے لیکن صرف اسے جس میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہو﴿لینذر

من كان حيّا...﴾اس شخص کوڈرسنائیں جوزندہ ہو (۳۶:۷۰)

مندرجہ بالا آیات کے حوالہ جات سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراھیم نے کوئی جسمانی طور پر زندہ یا مارنے کی بات نہیں کی تھی۔۔۔۔اور ھمارے مفسرین نے آج تک بائبل سے ادھار لی سوچ کو اس واقعہ کی بنیاد بنا کر پیش کیا ہے۔

حضرت ابراھیم (علیہ السلام کی قوم ستارہ پرست تھی جنہیں صائبین کہا جاتا ہے آیئے دیکھتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے کس طرح حضرت ابراہیم اوران کی قوم کے سرکردہ پیشواوئں سے گفتگو کو بیان کیا ہے اور ہمارے لیے کیا سبق ہے۔

﴾و ان من شیعة لا ابراھیم﴾﴾اذ جاء ربه بقلب سلیمٍ﴾﴾اذ قال لا بیه و قومه ، ماذا تعبدون﴾﴾ایفکا ء الھة دون اللو تریدون﴾﴾فما ظنکم برب العلمین﴾﴾فنظر نظرة فی النجوم﴾﴾ فقال انی سقیم﴾﴾فتولو عنه مدبرین﴾ ﴾فراع الی ء الھم فقال الاتاکلون﴾﴾ما لکم لا تنطقون﴾﴾فراغ علیھم ضربا با لیمین﴾﴾ فا قبلوا الیه یزفون﴾﴾ قال اتعبدون ما تنحتون﴾﴾ والله خلکم و ما تعملون﴾﴾ قالو ابنوا له ، بنینا فا لقوه فی الجحیم﴾﴾فا رادوا به ، کیدا فجعلنھم الا سفلین﴾﴾ وقال انی ذاھب الی ربی سیھدین﴾﴾رب ھب لی من الصلحین﴾﴾ فبشرنه بغلم حلیم﴾

یقیناً ابراھیم بھی اسی گروہ میں سے تھا۔۔ جب وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم سے آیا تھا۔۔۔جب اس نے اپنے باپ اورقوم کے (افراد) کوکہا کہ تم کس کے عبد(غلامی کرتے)ہو۔۔کیا یہ اللہ کے سوا جھوٹے حکام(الہ) ہیں؟ جن کو تم پسند(غلامی) کرتے ہو۔۔۔پھر (اس کا مطلب یہ ہے کہ)رب العلمین پر تمہارا یقین نہیں ہے۔۔۔پھر اس (ابراھیم علیہ السلام کے باپ)نے ستارہ پرستی کے بارے

میں نظریہ(توجیح)پیش کیا۔۔۔پھراس (ابراھیم علیہ السلام کے باپ) نے کہا کہ میں کمزور ہوں۔۔۔ پھروہ(قوم کے افراد) پیٹھ پھیر کر (باتوں کو تسلیم کئے بغیر) چلے گئے۔۔۔پھر وہ ان کے الھاؤں کی طرف متوجہ ہوا پس کہا تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟۔۔۔تمھیں کیا ہوا ہے؟ کیسے الہ ہو کہ تم بولتے نہیں ہو؟ پھراس نے ان کو پوری قوت سے مارنا شروع کیا۔۔۔پھراس (ابراھیم علیہ السلام) کی طرف غصے سے (قوم کے افراد) دوڑتے ہوئے آئے۔۔۔ اس (ابراھیم علیہ السلام) نے کہا تم ان (الھاؤں) کی غلامی کرتے ہو جن کو تم خود تراشتے ہو۔۔۔حالانکہ تمھیں اور وہ تمام اعمال (کرنے کی صلاحیت) کو اللہ نے پیدا کیا۔۔۔انھوں (قوم کے سرکردہ لیڈران) نے کہا: اس کے لیے ایک عمارت بناؤ، پھراس کو قید خانہ (جحیم) میں ڈال دو، انھوں نے اس کے خلاف سازش کا ارادہ کیا پس ہم نے انہیں نا کام کر دیا۔۔۔اوراس (ابراھیم علیہ السلام) نے کہا: میں اپنے رب کی طرف (ہجرت کر کے) جانے والا ہوں وہی میری رہنمائی کرے گا۔۔۔اس (ابراھیم علیہ السلام) نے دعا کی اے میرے رب! مجھے صالحین میں سے عطا کر۔۔۔پس ہم نے اسے حلیم بیٹے کی بشارت دیدی۔۔۔ (۳۷:۸۳-۱۰۱)

محدثین کی جرات دیکھیں کہ انہوں نے احادیث میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے تین مرتبہ جھوٹ بولا دو دفعہ اللہ کے لیے اور ایک دفعہ اپنی ذات کے لیے۔

جھوٹ بولنا ایک برا فعل ہے اور وہ کبھی بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا اور پھر ایسے نبی کے بارے میں جس کی گواہی خود اللہ یوں دے

﴿واذکر فی الکتب ابراھیم انہ کان صدیقا نبیا﴾

اور الکتب میں ابراھیم (علیہ السلام) کا بھی ذکر کریں جو بیشک سچے نبی تھے (۱۹:۱۴)

جب قران گواہی دے تو دلائل کی ضرورت نہیں رہتی مگر جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے جو کہ بائبل کی

اختراع ہے قران سے حوالہ دیا جاتا ہے، آیت نمبر ۸۹ کا ترجمہ بیماری کرکے یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بیماری کا جھوٹا بہانا بنایا﴿ فقال انی سقیم﴾ اور کہا: میری طبیعت مضمحل ہے(تمہارے ساتھ میلے پر نہیں جاسکتا) (القادری)

﴿فتولو عنه مدبرین﴾ سو وہ ان سے پیٹھ پھیر کر لوٹ گئے (القادری)

ان آیات میں دو باتیں غورطلب ہیں۔۔ستاروں میں دیکھا۔۔۔کس کا فعل ہے؟ اور ,,,سقم،،، کے کیا معنی ہیں؟ اور ,,سقیم،،،کون ہوا، سیدنا ابراھیم یا ان کا باپ؟ دراصل ستاروں کو دیکھنا ابراھیم کا فعل نہیں ہے بلکہ ان کے والد کا فعل ہے۔۔۔سقیم۔۔۔کے معنی ,,کمزوری، تنگی یا کمی،،، کے ہوتے ہیں جبکہ ہمارے مفسرین اور مترجمین نے سقم کا ترجمہ۔۔بیماری۔۔کیا ہے بیماری کے لیے عربی میں لفظ۔۔ مرض۔۔ موجود ہے جو قران میں بہت سے مقامات پر استعمال ہوا ہے جیسے۔۔۔۔

﴿واذا مرضت فهو یشفین﴾ (سورۃ الشعرا آیت ۸۰)

گویا ایک لفظ کے غلط ترجمے سے سارا مفہوم بدل گیا، اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کے والد کیسے سقم ہوئے؟ اور اس کا بیان سورت الانعام کی آیت ۷۷

۔۔۔جب ستارہ دیکھا تو کہا کہ کیا میرا رب یہ ہے؟ سو جب وہ ڈوب گیا تو کہا کہ میں ڈوب جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔۔۔یعنی انہوں نے ستارہ پرستی کے خلاف یہ دلیل دی اور جب

۔۔چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کیا یہ میرا رب ہے؟ سو جب وہ ڈوب گیا تو کہا اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں گمراہ ہو جاتا۔۔۔۔

پھر جب سورج کو چمکتا دیکھا تو کوا کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ سب سے بڑا ہے پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا کہ :اے میری قوم! میں اس سے بری ہوں جو تم شریک بتاتے ہو۔۔۔

چنانچہ سیدنا ابراھیم نے اپنے باپ سے کہا:

۔۔۔جب ابراھیم نے اپنے باپ اور قوم سے پوچھا کہ تم کس کی عبدیت اختیار کیۓ ہوۓ ہو؟ کیا اللّٰہ کے ساتھ گھڑے ہوۓ معبودوں کو پسند کرتے ہو، پس تمہارا اس ہستی کے بارے میں کیا خیال ہے جو رب العلمین ہے۔۔۔

سیدنا ابراھیم کے دلائل سننے کے بعد ان کے باپ نے کیا کہا؟

۔۔۔پس اس نے ستاروں میں دیکھا اور کہا کہ میں سقیم (کمزور) ہوں۔۔۔

چونکہ ان کا باپ ستارہ پرست تھا اس لئے اس نے ستاروں کی طرف دیکھ کر بے بسی سے اپنی قوم کے لوگوں سے معذرت کی چنانچہ اس کی قوم کے لوگ!

۔۔۔پس وہ اس سے منہ پھیر کر چلے گئے۔

﴿ولقد ء اتینا ابراھیم رشدہ من قبل و کنا بہ علمین﴾

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس سے پہلے ابراھیم (علیہ السلام) کو بھی سوجھ بوجھ عطا کی تھی اور ہم ان کو خوب جانتے تھے (۲۱:۵۱)

﴿اذ قال لا بیہ و قومہ ما ھذہ التما ثیل التی انتم لھا عکفون﴾

جب ابراھیم (علیہ السلام) نے اپنے مذہبی پیشوا اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ حکمران کیسے ہیں جن پر تم دھرنا دیئے بیٹھے ہو۔ (۲۱:۵۲)

ایک بات قران کے حوالے سے یادرکھیں جہاں بھی اصنام یا تماثیل کا لفظ استعمال ہوگا، اس کا مطلب حکمران ہوگا جن کو عوام مورتی کی طرح پوجتے ہیں اور مذہبی پیشوا ان کی حاکمیت کے لئے جواز گھڑتا ہے۔ اَبّ یا اباء مذہبی پیشوا کے لئے آیا ہے۔

﴿قالو وجدناء اباء نا لھا عبدین﴾

انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے پیشواؤں کو بھی انہی کی تابعداری کرتے ہوئے پایا ہے (۲۱:۵۳)

﴿قال لقد کنتم انتم و اباء کم فی ضللٍ مبین﴾
ابراھیم (علیہ السلام) نے کہا کہ تم اور تمہارے پیشوا سب کے سب کھلی گمراہی میں ہیں (۲۱:۵۴)
﴿قالوا اجیتنا با الحق ام انت من ا اللعبین﴾
ان لوگوں نے کہا کہ تم کوئی حق بات لے کر آئے ہو یا تم کھیل تماشہ کرنے والوں میں سے ہو (۲۱:۵۵)
﴿قال بل ربکم رب السموات و الا رض الذی فطر ھن وانا علی ذلکم من الشھدین﴾
(ابراھیم علیہ السلام نے) فرمایا: بلکہ تمہارا نظام ربوبیت وہی ہے جو حکمرانوں اور عوام کا نظام ربوبیت ہے جس نے ان سب کو علیحدہ علیحدہ ممیّز کیا ہے۔۔اور میں اس پر گواہ ہوں (۲۱:۵۶)
﴿ وتا للہ لا کیدن اصنمکم بعد ان تولو مدبرین﴾
اور قدرت گواہ ہوگئی۔۔! اگر تم لوگ اس کے بعد بھی واپس لوٹ جاؤ گے، تو میں تمہارے حکمرانوں کے خلاف ضرور تدبیر کروں گا۔ (۲۱:۵۷)
الاصنام۔۔مادہ۔ص ن م۔۔مورتی۔۔مجازی طور پر محبوبہ کو بھی کہتے ہیں اور ہر تقلید پسند کی ان تعلیمات کو بھی کہا جاتا ہے جن کو وہ اندھا بہرا ہو کر قبول کرتا ہے اور وہ عقائد جو اپنی جگہ پر رکے رہنے پر مجبور کرتے ہیں۔۔صنم اس مذہبی پیشوا کو بھی کہتے ہیں جس کے پیچھے لوگ اندھے بہرے ہو کر چلتے ہیں۔
۔۔۔ راغب نے بعض حکماء کا قول نقل کیا ہے اور لکھا ہے ،،، کہ ہر وہ چیز جو انسان کو خدا سے بیگانہ بنا دے اور اس کی توجہ کسی اور طرف پھیر دے صنم کہلاتی ہے ۔ لہذا الاصنام۔۔وہ تمام جانشین اور مفاد پرستیاں ہیں جو انسان کو قانون خداوندی سے بیگانہ بنا دیتی ہیں۔ چنانچہ راغب نے کہا ہے کہ حضرت ابراھیم (علیہ السلام) نے جو دعا مانگی تھی (وا جنبنی و بنی ان نعبد الاصنام) اے

اللہ مجھے اور میری اولاد کو اس سے محفوظ رکھنا کہ ہم اصنام کی عبودیت اختیار کر لیں۔۔۔۔

تو اس سے مراد ایسی ہی چیزوں کے پیچھے لگ جانا ہوتا تھا کیونکہ حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کو اس بات کا اندیشہ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ یا ان کی اولاد بت پرستی شروع کر دے گی۔لفظ الاصنام معرفہ ہے بوجہ معروف بالام ہونے کے صنم وہ خاص احکامات وعقائد جو احکامات الٰہی کے برخلاف دیئے جائیں اور ان کو خوشنما اور صحیح سمجھتے ہوئے قبول کریں۔اصنامکم کا لفظ مذھبی پیشوا یا باطل حکمران کے لیے آیا ہے۔

﴿فجعلهم جذاذ الا كبير الهم لعلهم اليه يرجعون﴾﴿قالو من فعل هذا با لهتينا انه لمن اظا لمين﴾﴿قالو سمعنا فتى يذكر هم يقال له ابراهيم﴾﴿قالو فاتو به على اعين الناس لعلهم يشهدون﴾﴿قالوا انت فعلت هذا با لهتنا يا ابراهيم﴾﴿قال بل فعله كبير هم هذا فا سالو هم ان كانو ينطقون﴾

تو اس نے سب سے پیروی کے لیے کہا تا کہ وہ رجوع کریں لیکن سب نے انکار کردیا سوائے ان کے ایک بڑے کے۔قوم کے لوگوں نے کہا کہ ہمارے حکمرانوں اور مذہبی پیشواؤں کے ساتھ کس نے کیا ہے یقیناً وہ ظالموں میں سے ہے۔لوگ کہنے لگے کہ ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے جو ان کا ذکر کیا کرتا ہے جسے ابراھیم کہا جاتا ہے۔قوم کے لوگوں نے کہا تو پھر اسے سب لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ وہ گواہی دیں۔بولے اے: (ابراھیم) کیا تم نے ہمارے حکمرانوں اور پیشواؤں کے ساتھ یہ کام کیا ہے۔کہا بلکہ ان کے سب سے بڑے نے یہ کیا ہے سو ان سے ہی پوچھ لو اگر کہ وہ بول سکتے ہیں۔

(۲۱:۵۸_۶۳)

اس آیت کی لفظی ترجمہ کر کیے ہمارے مترجمین اور مفسرین نے حضرت ابراھیم پر ایک اور جھوٹ ثابت کرنے کی بھونڈی کوشش کی ہے اور اللہ معاف فرمائے اس کوشش کو بھی نبی پاک ﷺ سے منسوب کر دیا

ہے

عمومی ترجمہ: پھر (ابراھیم علیہ السلام) نے ان (بتوں) کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا سوائے بڑے (بت) کے تاکہ وہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں

اس آیت میں اللہ نے کہیں بھی بت کے لیے کوئی لفظ استعمال نہیں کیا مگر مترجم نے قوسین میں پچھلی بات کو بت سے تشبیہ دے کر جاری رکھی ہے

اور روایت ملاحظہ کریں:

امام ابوداؤد، ترمذی، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کلام میں کبھی ظاہری طور پر بھی جھوٹ نہیں بولا مگر تین صورتوں میں رضائے الٰہی کی خاطر۔۔ایک آپ نے فرمایا (۱) میری طبیعت ناساز تھی، جب کہ آپ کی اس وقت طبیعت ناساز نہیں تھی۔ (۲) آپ نے فرمایا اس بڑے (بت) نے یہ حرکت کی ہوگی۔ (۳) آپ نے حضرت سارہ کے متعلق کہا کہ یہ میری بہن۔

اب ہم اس آیت کی طرف آتے ہیں اور ان الفاظ کے مطالب پر غور کرتے ہیں

جذاذ۔ مادہ ج ذ ذ۔۔ معنیٰ ٹکڑے ٹکڑے کرنا، ریزہ ریزہ کرنا، الگ الگ کرنا، ایسا کپڑا جو بٹن کو چھپا سکے۔

جذاذ القوم۔ لوگوں سے اپنی پیروی کا کہنا مگر کسی کی بھی پیروی نہ کرنا (قاموس الوحید ۲۴۳)

یہودی کہانی جو اس آیت کی تفسیر میں نقل کی گئی ہے وہ کچھ یوں ہے: (تفسیر طبری جلد ۱۷)

کہ ابراھیم گلی کوچوں میں کہتے رہتے تھے کہ تم لوگ جو بتوں کی پوجا کرتے ہو یہ شرک ہے جس پر قوم کے لوگ سیخ پا ہوتے تھے اس پر ابراھیم نے ایک تدبیر سوچی۔۔۔اور ایک دن جب سب لوگ میلے ٹھیلے میں گئے ہوئے تھے مندر میں گھس کر ایک بڑے بت کے علاوہ تمام بتوں کو توڑ ڈالا اور

جب لوگ واپس آئے تو پوچھا کہ یہ کیا کام تم نے کیا ہے تو صاف مکر گئے اور بولے کہ اس بت نے یہ کیا ہے۔

نعوذ باللہ۔۔۔۔۔حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری کہانی بائبل سے لی گئی ہے جس کا تفصیل سے حوالہ دوں گا مگر اللہ کا ارشاد سن لیں:

﴿وما كنت بجانب الغربي اذ قضينا الى موسى الا مر...﴾

اور آپ (اس وقت طور کے) مغربی جانب (تو موجود) نہیں تھے جب ہم نے موسی کی طرف حکم (رسالت) بھیجا تھا۔۔۔۔ (۲۸:۴۴)

جب اللہ فرمارہے ہے کہ اے نبی آپ ﷺ کو تو موسی کے بارے میں بھی علم نہیں تھا ماسوائے اس کے جو وحی کیا گیا ہے تو آپ خود سوچیں حضرت ابراھیم کی یہ ساری کہانی آپ کیسے بیان کر سکتے ہیں ماسوائے اس کے کہ جو آپ کو وحی کیا گیا ہے۔۔۔اس سے بڑھ کر ہمارے مفسرین اور مترجمین آپ ﷺ کی ذات پر اور کیا بہتان لگا سکتے ہیں جس کا آپ ﷺ کی ذات سے اور کلام سے کوئی تعلق نہیں۔

بائبل کے باب

پیدائش ربی۔۱۳:۳۸۔ پیدائش ۲۶:۱۱۔ پیدائش ۳۲۔۲۷:۱۱ پیدائش ۲۸:۱۱۔ پیدائش ۱۱:۸ میں ابراھیم کی کہانی بیان ہوئی ہے جو اس طرح ہے

تارح (ابراھیم کے والد) ایک بت پرست تھا جو ایک دفعہ کسی کام کے سلسلے میں باہر گیا اور ابراھیم کو پیچھے چھوڑ گیا تا کہ وہ بتوں کی دوکان چلائے۔ایک آدمی دوکان میں آیا اور اس نے ایک بت خریدنے کی خواہش ظاہر کی تو ابراھیم نے پوچھا کہ: تمہاری عمر کیا ہے؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ ۵۰ سال، تو پھر ابراھیم نے اس کو کہا کہ تم پچاس سال کے ہو اور اس بت کی پوجا کرنے لگے ہو جو صرف ایک دن کا ہے۔ یہ جواب سن کر وہ آدمی شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

بعد میں دوکان کے اندر ایک عورت آئی اور بتوں کو سلام اور نذرانہ پیش کرنے آئی یہ قصہ دیکھ کر ابراھیم نے ایک ڈنڈا لیا اور سارے بت توڑ دیے اور سب سے بڑے بت کے ہاتھ میں وہ ڈنڈا تھما دیا۔

جب تارح واپس آیا تو سب بتوں کو دیکھ کر ابراہیم سے پوچھنے لگا: ان کے ساتھ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ تو ابراھیم نے جواب دیا کہ ایک عورت نذرانہ لے کر آئی تھی تو سب بت آپس میں بحث ومباحث کرنے لگ گئے کہ کون یہ نذرانہ کھائے گا؟ تو بڑے بت نے ڈنڈا پکڑا اور تمام بتوں کو (چھینٹی لگائی) توڑ دیا تو تارح نے جواب دیا کہ یہ تو بت ہیں اور بول نہیں سکتے اور نہ ہی ان کو علم ہے، تو ابراہیم نے جواب دیا اے والد: آپ ان کے علم کو نہیں مان رہے مگر پھر بھی آپ ان کی پوجا کرتے ہو۔ یہ سن کر تارح ابراہیم کو نمرود کے پاس لے گیا

نمرود نے ابراہیم کو بتایا کہ ہم تو آگ کی پوجا کرتے ہیں، یہ سن کر ابراھیم نے کہا کہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، تو پھر نمرود کہنے لگا: ہم تو پانی کی پوجا کرتے ہیں، تو ابراھیم نے جواب دیا کہ پانی تو بادل برساتے ہیں اور وہ ہی اس کو قابو میں رکھتے ہیں، تو نمرود کہنے لگا کہ وہ بادلوں کی بھی پوجا کرتے ہیں تو ابراھیم نے جواب دیا کہ ہوا بادلوں کو لیے پھرتی ہے تو نمرود نے کہا کہ وہ ہوا کی بھی پوجا کرتے ہیں تو ابراھیم نے کہا کہ لوگ ہوا کو قابو کر لیتے ہیں۔ یہ بات سن کر نمرود غصے میں آ گیا اور اعلان کر دیا کہ ابراہیم کو آگ میں ڈالا جائے اور اگر ابراھیم سچا ہوگا تو آگ اس کو کچھ نہیں کہے گی اور اس کا خدا اس کو بچا لے گا۔ اور پھر ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا اور خدا نے اس کو بچا لیا۔

اب آپ سن کر حیران ہوں گیں کہ بائبل کے اس واقعہ کو روایت کیا گیا ہے (نعوذ باللہ)

امام عبد بن حمید اور ابن المنذر نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم کا چچا بت بناتا تھا اور پھر ایک رسی سے باندھ دیتا تھا، حضرت ابراھیم انہیں گردن پر اٹھا کر بازار میں بیچنے کے لیے گھماتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص بت خریدنے کے لیے آیا تو حضرت ابراہیم نے اس سے پوچھا تم یہ بت

خرید کر کیا کرو گے؟ اس شخص نے کہا میں اسے سجدہ کروں گا، حضرت ابراہیم نے اسے کہا تو بزرگ اس حقیر کو سجدہ کرتا ہے مناسب تو یہ ہوتا کہ چھوٹا بڑے کو سجدہ کرے۔ اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ بتوں کا تذکرہ برائی کے ساتھ کرتا ہے، اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔

آپ خود سوچیئے کیا حضرت ابراھیم علیہ السلام اس طرح کی بچوں والی دلیل دے سکتے تھے۔؟ انہوں نے با قاعدہ کسی ایسے عاقل کے لیے یہ بات کہی ہوگی جو جواب دے سکتا تھا اور وہ یقیناً سیدنا ابراہیم کی تعلیمات کو قبول کر چکا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ قران کی آیات کو کبھی بھی گرائمر اور لغت کے اصولوں کے مطابق نہیں پڑھا جاتا، اس آیت میں ,,بل فعله،، پر ,,, صلے ق،،، وقف ہے جس کو مدنظر نہ رکھنے کی وجہ سے یہ جھوٹ سیدنا ابراہیم سے منسوب کیا جاتا ہے۔ جب سیدنا ابراہیم سے پوچھا گیا تو انہوں نے اس کام کے کرنے کی نفی نہیں کی بلکہ کہا ,,بل فعله،،، ہاں: یہ کام تو ایک کرنے والا ہی کرسکتا ہے یعنی یہ کسی چھوٹے موٹے انسان کے بس کا روگ نہیں ہے بلکہ اس کام کو کرنے کی ہمت رکھنے والے نے ہی یہ کام کیا ہے،۔ اگر حضرت ابراھیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑنے کا الزام بڑے بت پر لگایا ہوتا تو قران کو یہاں ,,, فسئلو هو،، کہنا چاہیے تھا نہ کہ ,, فسئلو هم:، جو کہ جمع کا صیغہ ہے اور اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ انہوں نے صرف بڑے بت کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ مزید تسلی کے لیے قوم کا جواب بھی ملاحظہ فرمائیں

﴿لقد علمت ما هو لاء ينظرون﴾۔۔۔تم جانتے ہو یہ بولتے نہیں۔۔۔۔۔

یعنی سیدنا ابراھیم کی قوم نے بھی ان سب کے متعلق یہی کہا کہ وہ تو بولتے نہیں ہیں یہاں پر ,, هئو لاء،، جمع کا صیغہ ہی استعمال ہوا ہے۔ اس آیت میں ایک لفظ ,,بل،، آیا ہے جس کے معنی ماقبل جملے کی نفی کے لیے کیئے گے ہیں جب کہ یہاں ,,بل،، پہلے جملے کی نفی نہیں بلکہ ,, بل،، اثبات کے لیے

استعمال ہوا ہے جیسا کہ سورت الانبیاء میں رسول اللہ ﷺ کے لیے آیا ہے۔

﴿بل قالو اضغاث احلام بل افتراہ بل ھو شاعر﴾

بلکہ انہوں نے کہا یہ تو خواب پریشان ہیں بلکہ یہ تو اس نے گھڑ لیا ہے بلکہ یہ ہے ہی شاعر (۲۱:۵)

دیکھیے اس آیت میں بل تین جگہوں پر آیا ہے اور ہر جگہ ماقبل جملے پر زور دینے کے لیے استعمال ہوا ہے یعنی رسالتماب ﷺ پر وہ خواب پریشان کا الزام لگانے کے بعد کہتے تھے کہ بلکہ یہ تو اس سے بھی زیادہ کی بات ہے کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے اور نہ صرف گھڑا ہے بلکہ یہ شاعر ہے۔۔۔ یعنی بل کا استعمال ماقبل کی نفی کے لیے نہیں بلکہ اس میں مزید اضافے کے لیے استعمال ہوا ہے۔اسی طرح سیدنا ابراھیم نے بھی نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ زور دیا ہے کہ ہاں یہ کام واقعی ایک کرنے والا ہی کر گیا ہے۔وہ جھٹ کیوں بولتے ؟انہوں نے تو بتوں کو توڑنے سے پہلے علی اعلان یہ بات کہہ رکھی تھی

﴿تا للہ لا کیدن اصناکم بعد ان تولو ا مدبرین﴾

اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کے ساتھ جب کہ تم موجود نہ ہوگے لازم ایک تدبیر کروں گا (۲۱:۵۷)

اور وہ تدبیر کیا تھی

﴿فجعلھم جذاذا الا کبیر لھم۔۔۔﴾

پس انہوں نے بڑے کے علاوہ باقی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے (۲۱:۵۸)

یعنی بتوں کو توڑنے کا کام کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی جس کے لیے جھوٹ کا سہارا لیا جاتا اس بات کی شہادت اس سورت کی آیت دے رہی ہے

﴿قالو اسمعنا فتی یذکر ھم یقال لہ ابراھیم﴾

انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کو جس کا نام ابراھیم ہے ان بتوں کے متعلق کہتے سنا ہے۔۲۱:۶۰)

دیکھیے یہ بت وہ زندہ حکمران اور پیشوا تھے جن کے احکامات پر لوگ چلتے تھے اور قوم کے لوگ جب سیدنا

ابراھیم کی بات سننے کو تیار نہ ہوئے اوران کی دعوت سے منہ پھیرا تو حضرت ابراھیم نے یہی دعوت قوم کے سرداروں اور مذہبی پیشواؤں کو دی۔ دلائل اور حجت کے بعد اکثر و بیشتر نے پیروی کرنے سے انکار کر دیا ماسوائے ایک بڑے کے جو پیروی کرنے کو راضی ہو گیا۔ سیدنا ابراھیم کی پیروی نہ کرنے والوں کو لا جواب کرنے میں اس دانش و عاقل بڑے کا بہت ہاتھ ہے اسی لیے حکمران طبقہ اور سرداران قوم و مذہبی پیشواء خاموش ہو گئے اوران زندہ بتوں کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس کا ذمہ دار بھی اسی بڑے عاقل کو ٹھیرایا جا رہا ہے۔ (اگر بات بتوں کی ہوتی تو ہندہستان میں کروڑوں لوگ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی مورتیوں کو پوجتے ہیں اوران کو پتہ ہے کہ یہ نہیں بولتے)

اب آگے معلوم ہوگا کہ وہ بڑا کون ہے

﴿فرجعو الی انفسھم فقالو انکم انتم الظا لمون﴾﴿ثم نکسو علی روسھم لقد علمت ھولاء ینطقون﴾﴿قال افتعبدون من دون الله ، افلا تعقلون﴾﴿قالو حرقوه و انصروا الھتکم ان کنتم فاعلین﴾﴿قلنا یا نار کونی بردا و سلا علی ابراھیم﴾﴿ وارادو به کیدا فجعلنا ھم الا خسرین﴾

پس پھر وہاں سے اپنے لوگوں کی طرف گئے تو کہا یقیناً تم لوگ ہی ظالم ہو۔ پھر وہ حق شناسی کے بعد باطل کی طرف پلٹ گئے اور کہا تو تو جانتا ہے کہ یہ سمجھداری کی بات نہیں کرتے۔ کہا: پھر تم اللہ کو چھوڑتے ہوئے ایسوں کی فرمانبرداری کرتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بے زاری ہے تم سے اوران سے جن کو چھوڑ کر فرمانبرداری کرتے ہو، پس کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ؟۔ انھوں نے کہا کہ اس کہ اس کو فنا کردو اور اگر تم چاہتے ہو تو اپنے حکمرانوں کی مدد کرو۔ ہم نے کہا اے آگ: تو ابراہیم کے لیے ٹھنڈی اور باعث سلامتی بن جا۔ ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ چالبازی کرنا چاہی تھی مگر ہم نے انہیں ناکام کر دیا (۲۱:۶۴۔۷۰)

---- نکسوا۔مادہ ن ک س۔۔معنی الٹنا پلٹنا،معذور ہونا، نکس علی راسیہ۔پلٹ جانا کسی بات کو جان لینے کے بعد اس سے لوٹ جانا۔ثم نکسو علی روسھم کا ترجمہ قاموس الوحید صفحہ نمبر ۱۷۰۴ میں ہے۔پھر وہ حق شناسی کے بعد باطل کی طرف پلٹ گئے۔

ینطقون---ن ط ق اس کا مادہ ہے اس کا مطلب سمجھداری کی بات کرنا اسی مادہ سے منطق اور فلسفہ بھی ہے۔

قالو حرقوہ و انصروا الھتکم ان کنتم فاعلین۔ انہوں نے کہا کہ اس کو فنا کر دو اور اگر تم کرنا چاہتے ہو تو اپنے حکمرانوں کی مدد کرو۔۔۔اس آیت میں ایک بات قابل غور ہے اس آگ میں ابراھیم کو جلانے سے الھیہ کی مدد کیسے ہو سکتی تھی، و انصروا الھتکم اپنے الھیہ کی مدد کرو۔۔۔۔اگر تو یہ الھیہ مٹی یا پتھر کے تھے تو وہ پہلے ہی چکنا چور ہو چکے تھے ابراہیم کو جلانے سے وہ کیسے ٹھیک ہو سکتے تھے؟اور ایک جیسے بت تو ہزاروں ہوتے ہیں،قوم کے لوگوں کو کہنا چاہیے تھا,,آؤ ہم بتوں کو پھر سے بنا لیتے ہیں،،، اس کی بجائے ان اصنام کی مدد کے لیے پکارا جا رہا ہے۔۔۔یہ بالکل ایسا ہی ہے جب کوئی حکمران ناکام ہونے لگے تو اس کے ہم پیالہ ہم نوالہ اپنے نظریہ کے لوگوں کو عوام میں سے مدد کے لیے کال دیتے ہیں۔۔۔چلو چلو فلاں کے ساتھ چلو۔۔۔چلو چلو فلاں جگہ پہنچو۔۔۔۔ جب کہ اس بائبل کی کہانی سے پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم کے والد نہ صرف بت پرست تھے بلکہ بت تراش بھی تھے، اس لیے نئے بتوں کو لانے میں دیر بھی نہ لگتی۔

حرقوہ-- ح ر ق--اس کا مادہ ہے۔جس کے معنی فنا کرنا، رگڑنا، دانت پیسنا، دانتوں کو رگڑنا، دھوبی کا کپڑوں پر کوٹنے کا نشان لگانا۔

حرق النار۔ آگ جلانا جھلسانا، کسی کو تکلیف پہنچانا۔۔۔۔ جب حرق کا لفظ النار کے ساتھ آئے تو جلانے کا مفہوم لغوی لیا جائے گا، ورنہ حرق کے کتنے ہی معنی ہوں گے۔(عربی کی لغت کی کوئی بھی مستند

کتاب چیک کرلیں) مناسب ہوگا کہ بات کو سمجھنے کے لیے سورۃ العمران کی اس آیت کا مطالعہ کرلیں

﴿واعتصمو بحبل الله جميعا ولا تفرقو ا و اذكروا نعمت الله عليكم اذ كنتم اعداء فا لف بين قلوبكم فا صبحتم بنعمة.. اخوانا و كنتم على شفا حفرة من النار فا نقذ كم منها كذلك يبين الله لكم ء ايته ليلكم تهتدون﴾

اورسب کے سب وحی الٰہی (قران) کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اورمتفرق نہ ہونا اورقدرت کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے اورتم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو قدرت نے تم کو اس سے بچا لیا بوجہ اسی کے قدرت تم کو اپنے دلائل کھول کھول کر بیان کرتی ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔۔۔(۳:۱۰۳)

قران نے آگ کی خود وضاحت کردی کہ آگ کیا ہوتی ہے؟

کیا یہ آگ کا الاؤ ہوگا جہاں انسانوں کو جھونکا جائے گا یا یہ انسان کے اندر لگی آگ ہوتی ہے۔قران نے خود واضع کردیا ہے کہ یہ دشمنی کی آگ تھی۔۔۔و اذكروا نعمت الله عليكم اذ كنتم اعداء فا لف بين قلوبكم فا صبحتم بنعمة.. اخوانا و كنتم على شفا حفرة من النار فا نقذ كم منها (قدرت کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے اورتم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو قدرت نے تم کو اس سے بچا لیا)

قران نے جہاں بھی انسانوں کے لیے آگ کو بیان کیا ہے وہ یہی دشمنی کی آگ ہے جسے احکامات الٰہیہ کے ذریعے بجھایا جاتا ہے۔

اگر آگ ٹھنڈی بھی ہوجائے تو سلامتی کیسے بن سکتی ہے؟ وہ تو راکھ بن جائے گی اس کے علاوہ کچھ

نہیں۔۔دیکھیے اگر کوئی غصے سے بھڑک رہا ہے تو اس کو ٹھنڈا کر کے دوستی کا ہاتھ بڑھایا جاتا ہے تب وہ شخص جو دشمنی کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے ٹھندے مزاج سے سوچنے کے قابل ہوتا ہے اور اگر اس کو بات سمجھ آجائے تو وہی شخص جو دشمنی کی آگ میں جل رہا تھا سلامتی کا باعث بن جاتا ہے اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کی قوم نے ایک چالبازی کی تھی جس میں وہ ناکام ہوئے۔اگر تو یہ آگ تھی تو لوگوں نے جب یہ دیکھا ہوگا کہ آگ تو بجھ گئی اور ابراھیم بھی صحیح سلامت آگ سے نکل آئے تو تو شدت سے انہیں تکلیف پہنچانے کا سوچتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا کچھ نہیں ہوا۔

تو یہ ہے اس جھوٹ کی اصل حقیقت جس کو قران کی آیات کے غلط مفہوم اور بائبل سے متاثر ہو کر حضرت ابراھیم سے منسوب کر دیا گیا۔

اچھے لیڈر کی خوشخبری

﴿و لقد جاء ت رسلنا ابراهيم بالبشرى قالو سلاما، قال سلا م ، فما لبث ان جاء بعجل حنيذ﴾﴿فلما زاى ايدهم لا تصل اليه نكر هم واو جس منهم خيفة، قالو لا تخفف انا ارسلنا الى قوم لوط﴾﴿و امر انه قائمة فضحكت فبشرنا ها با سحاق و من وراء اسحاق يعقوب﴾﴿قالت يا ويلتى اا لد وانا عجوز و هذا شيخا ، ان هذا لشيء عجيب﴾

اور ہمارے پیامبر ابراھیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے۔۔۔انھوں نے کہا: آپ پر سلامتی ہو اس نے کہا آپ پر بھی سلامتی ہو پس زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ وہ عجلت کے ساتھ جھلسائے ہوئے لوگوں کو لایا۔

پھر جب دیکھا کہ ان کی طاقت اس تک نہیں پہنچتی تو انہیں اجنبی سمجھا اور ان سے ڈرا، انھوں نے کہا خوف نہ کرو ہم تو لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور اس کی جماعت مضحکہ خیز حالت میں قائم تھی تو

ہم نے اسے اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی۔ جماعت نے اظہار افسوس کیا کہ ہائے میری کمی کیا میں راہبر پیدا کروں گی جب کہ میں انتہائی عاجز ہوں اور یہ میرا سردار بھی بوڑھا ہے یہ تو ایک عجیب بات ہے۔ (۱۱:۶۹-۷۶)

عجله ۔غیر قرانی تعلیمات ہوتی ہیں اور ان کو سیدنا ابراھیم کی قوم نے پکڑا ہوا تھا جیسے کہ آج کے مسلمانوں نے قران کے علاوہ ہر قسم کی تعلیمات کو اپنے ایمان کا حصہ بنایا ہوا ہے، کوئی کسی امام کی تعلیم کو ایمان اور کوئی کسی ولی کو اور کوئی فرقہ روایات کو اپنا مقدر بنا چکا ہے۔ حضرت ابراھیم نے ان آنے والوں کو اللہ کی طرف سے بھیجے گئے سمجھا اس لئے اپنی قوم کی روش کا ذکر کیا ۔فلما زای ایدھم لا تصل الیه (پھر جب دیکھا) کہ ان کی طاقت اس تک نہیں پہنچتی تو انہیں اجنبی سمجھا اور ان سے ڈرا ۔۔کیونکہ پہلے اپنا جانا تھا تو خیال کیا کہ وہ اس کی قوم کے خلاف مدد کریں گے، لیکن مسئلہ کچھ اور تھا اور وہ لوگ ایک مقصد کے تحت قوم لوط کی طرف بھیجے گئے تھے اس لیے انہوں نے معذرت کی اور کہا لا تخفف انا ارسلنا الی قوم لوط ہم تو لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔۔۔ایک بات یاد رکھیں کہ قران کوئی دیو مالائی کہانیوں کی کتاب نہیں ہے اور نہ ہی بادشاہوں اور ان کے خاندان پر لکھے گئے قصے کہانیوں کی داستان ہے۔۔ بڑے صاف الفاظ میں سمجھ لیں کہ یہ رسولوں کی ظالم حکمرانوں کے خلاف جدوجہد کا بیان ہے۔

االد ۔کیا میں پیدا کروں گی؟ سے مراد کوئی ولادت مقصود نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم ہے کہ قوم میں کوئی حرارت باقی نہیں کہ میں کوئی لیڈر پیدا کر سکے۔

تو اللہ نے پیغمبری کے ساتھ ساتھ سیدنا ابراہیم کو راہبر کا منصب بھی عطا کیا

﴿واذ ابتلی ابراھیم ربه بکلمات فاتھن، قال انی جاعلك للناس اماما، قال ومن ذریتی، قال لا ینال عھدی الظالمین﴾

اور یاد کرو وہ زمانہ جب اللہ نے احکامات کے ذریعہ ابراھیم کو نمود ذات کے مواقع عطا کیے تو انہوں نے انتہائی اچھے انداز میں انہیں پورا کیا۔اللہ نے اعلان کیا میں تم کو لوگوں کے لیے امام (راہبر) مقرر کرنے والا ھوں،ابراہیم نے کہا۔۔۔اور میرے پیروکاروں میں سے؟ پروردگار نے کہا، ہمارا عہد ظالموں کے لیے نہیں ہے

(لفظ ذریت سے مراد عام تراجم اور تفسیر میں اولاد لی گئی ہے۔حالانکہ ابلیس کی بھی ذریت ہوتی ہے جیسا کہ سورت الکھف میں ہے۔ افتتخذو نه و ذريته اولياء من دوني وهم لكم عدو۔کیا تم ابلیس اور اس کی ذریت کو اپنا دوست و کارساز پکڑتے ہو حالانکہ وہ تم لوگوں کا دشمن ہے۔)

ظاہر ہے ابلیس ایک کردار ہے جو انسانوں میں سے ہے جس کے احکام پر چلنے والے اس کی ذریت ہیں یہ ہر معاشرے میں ہر جگہ نظر آتا ہے۔سیدنا ابراھیم کی ذریت ان کی پیروی کرنے والے انسان ہیں لیکن اگر وہ بھی ظلم کی روش استعمال کریں گے یعنی اللہ کی عطا ہوئی مملکت کے خلاف چلیں گے تو وہ بھی امامت کے منصب سے معزول کر دیئے جائیں گے قران کی نظر میں سب سے بڑا ظلم اللہ کے احکامات (قران) کے ساتھ دوسرے احکامات کی آمیزش ہے۔

اور تمام انسانیت کو حکم دیا کہ

﴿و اتخذو من مقام ابراهيم مصلى﴾

اور حکم دیا کہ ابرھیم کے منصب (سیرت) کی پیروی کرو (۲:۱۲۵)

اللہ کا حضرت ابراھیم سے امتحان

﴿فبشرنه بغلم حليم﴾ ﴿فلما بلغ معه اسعى قال يبني انى ارى فى المنام انى اذبحك فالنظر ماذا ترى ، قال يابت افعل ما تو مر ، ستجدني ان شاء الله من

الصبرين ﴿﴾ فلما اسلما و تله للجبين﴿﴾ و نا دينه ان ابراهيم ﴿﴾ قد صدقت ال‌ء يا انا كذلك نجزى المحسنين﴿﴾ ان هذا لهو البلو ا المبين﴿﴾ و فد ينه بذبح عظيم ﴿﴾ و تركنا عليه فى الا خرين﴿﴾ سلم على ابراهيم ﴿﴾ كذلك نجذى المحسنين﴿﴾ انه من عبادنا المو منين﴿﴾ وبشرنه با اسحق نبيا من الصلحين﴿﴾ و بركنا عليه و على اسحق ، و من ذريتها محسن و ظالم لنفسه مبين﴿ (۳۷:۱۰۱:۱۱۳)

پس ہم نے اس کوحلیم بیٹے کی بشارت دے دی۔پس جب وہ اس کے ساتھ تبلیغ کرنے لگا۔تو اس نے کہا اے میرے بیٹے میرا خواب (ارادہ) تھا کہ یقیناً تجھے تبلیغ کے کام کے لیے الگ بھیجوں۔اب غور کر تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا اے ابا جان! کرو، جو اللہ کی طرف سے آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ مجھے انشاءاللہ صابرین میں سے پائیں گے۔پس جب دونوں اس کام پر رضامند ہو گئے تو اس نے مشن عظیم کے لیے اسے دور بھیج دیا

اری فی المنام انی اذبحك ۔خواب دو طرح کے ہوتے ہیں ایک خواب نیند میں آتے ہیں اور ایک خواب انسان کے اپنے ارادے ہوتے ہیں، ابراھیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کے بارے میں یہی خواب تھا، جیسے والدین کا اپنے بچوں کے اچھے مستقبل کے خواب ہوتے ہیں۔یہ ماں باپ کے ارادے کہلاتے ہیں۔ لہذا جب یہ بچہ اپنے باپ کے ارادے کے سامنے اطاعت و فرمانبرداری کا نمونہ بن گیا، اس نے اپنے والد سے عرض کی آپ وہ کریں جو اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے، بیٹے نے اس خواب کو اللہ کا حکم قرار دیا ہے، بیٹا سمجھتا ہے کہ ایک رسول اللہ کی منشا کے خلاف کوئی سوچ اور ارادہ نہیں رکھ سکتا۔دوسرا ایک رسول کے بیٹے کا وہی فرض منصبی ہے جو اس کے باپ کا فرض منصبی ہے لہذا بیٹے نے باپ کے ارادے سے اتفاق کیا اور خوشی سے سر تسلیم خم کر دیا۔

تله للجبين: تل کے معنی پچھاڑنا، دور کرنا اور الگ کرنا کے ہیں، جبین کے معنی پیشانی یا پیشانی کا کنارہ ہے کیونکو یہ انسانی جسم کا یہ بلند اور اعلی ترین حصہ ہے اس لیے بلند ترین اور اعلی ترین کے معنی اس سے ماخوذ کیے جاتے ہیں، لہذا آیت کریمہ کا مفہوم یہی ہے کہ ابراھیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اعلی اور عظیم مشن کارِ رسالت یعنی تبلیغ کے لیے اپنے سے الگ کہیں دوسرے علاقے میں بھیج دیا تھا۔

قد صدقت الرء یا کا مطلب بڑا واضع ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ اے ابراھیم تو نے خواب یعنی ارادے کو سچا کر دکھایا ہے اللہ کا بیان حقیقت پر مبنی ہے۔ اگر معنی ذبح کرنے کا لیا جائے تو اللہ کے اس بیان میں کوئی سچائی نہیں لگتی، کیونکہ بیٹے کے ذبح ہونے کے بغیر قد صدقت الرء یا کا کہنا حقیقت کے خلاف ہے۔ قران نے اس بات کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ سیدنا ابراھیم نے اس بیٹے کو تبلیغ کے لیے کہاں بھیجا، مگر روایات سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ آپ اسماعیل (علیہ السلام) مکہ کے علاقے میں اپنی ماں کے ساتھ آئے اور یہاں پر جوان ہوئے اور یہی تبلیغ کی اور والد کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر کی مگر قران اس کے برعکس بات کرتا ہے

﴿ وماء اتینهم من کتب یدرسو نها وما ارسلنا الیهم قبلك من نذیر ﴾

اور ہم نے ان (اہل مکہ) کو نہ آسمانی کتابیں عطا کی تھی جنہیں یہ لوگ پڑھتے ہوں اور نہ ہی آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرسنانے (پیغمبر) والا بھیجا تھا (۳۴:۴۴) (القادری)

ہم نے (اس سے پہلے) کتب آسمانی میں سے کوئی چیز انہیں نہیں دی کہ جسے وہ پڑھیں (اور اس کا سہارا لے کر تیری تکذیب کریں) اور تجھ سے پہلے ہم نے کوئی (بھی) پیغمبر ان کے لیے نہیں بھیجا۔ (تفسیر نعمان، سید صفدر حسین نجفی)

یعنی مکہ کے علاقے میں کبھی بھی آپ کی بعثت سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں آیا تو اس کا مطلب ہوا کہ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کبھی یہاں آئے ہی نہ تھے تو حضرت ابراھیم کے آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

اوراس بات کی وضاحت خود قران حضرت موسی کے حوالے سے کرتا ہے۔

﴿وما كنت بجانب الغربی اذ قضينا الی موسى الا مر و ما كنت من الشهدين﴾

اورآپ (اس وقت طور کے) مغربی جانب (تو موجود) نہیں تھے جب ہم نے موسی (علیہ السلام) کی طرف حکم (رسالت) بھیجا اور نہ (ہی) آپ گواہی دینے والوں میں سے تھے۔

یہ آیت اس بات کی نشاندہی کررہی ہے کہ آپ ﷺ کو حضرت موسی کی مدین میں مقیم ہونے کی خبر نہ تھی ماسوائے کہ جو آپ ﷺ کی طرف وحی کیا گیا ﴿وما كنت ثاويا فی اهل مدين تتلوا عليهم ء ايتنا و لكنا كنا مرسلين﴾ اور نہ ہی آپ ﷺ اھل مدین میں مقیم تھے کہ آپ ﷺ ان پر ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہوں لیکن ہم ہی مبعوث فرمانے والے ہیں۔(۲۸:۷۷)

یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے کہیں بھی قران میں ابراھیم یا اسماعیل (علیہا السلام) کی مکہ میں آمد یا تبلیغ کا ذکر نہیں کیا ہو

اب دو سوال پیدا ہوتے ہیں

۱۔حضرت اسمعیل کی قربانی کی کیا حقیقت ہے؟

۲۔ہاجرہ کا قصہ کیا ہے؟

ان دونوں باتوں کا تعلق اسلام یا قران سے بالکل نہیں ہے بلکہ یہ بائبل کی کہانی ہے جس کو روایت بنا کر اسلام میں داخل کر دیا گیا ہے

بائبل کی کتاب پیدائش ۱۹۔۲۲:۱

کچھ عرصے بعد خدا نے ابراہام کو آزمایا۔اس نے اس سے کہا:

ابراہام! اس نے جواب دیا میں حاضر ہوں۔

تب خدا نے کہا: اپنے اکلوتے بیٹے اضحاق کو جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے علاقے میں جا

اور وہاں کے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا اسے سوختنی قربانی کے طور پر نذر کر۔
دوسرے دن صبح سویرے ابرہام نے اٹھ کر اپنے گدھے پر زین کسا اور اپنے خادموں میں سے دو کو اور اپنے بیٹے اضحاق کو اپنے ساتھ لیا جب اس نے سوختنی قربانی کے لیے حسب ضرورت لکڑیاں کاٹ لیں تو وہ اس مقام کی طرف چل دیا جو خدا نے اسے بتایا تھا۔تیسرے دن ابراہام نے اوپر نگاہ کی اور وہاں سے دور اسے وہ مقام دکھائی دیا۔ اس نے اپنے خادموں سے کہا: تم یہیں گدھے کے پاس ٹھیرو۔ اور میں اور یہ لڑکا اوپر جاتے ہیں۔ وہاں ہم عبادت کریں گے اور پھر تمہارے پاس لوٹ آئیں گے۔
ابرہام نے سوختنی قربانی کی لکڑیاں لے کر اپنے بیٹے اضحاق کو دیں کہ وہ انہیں اٹھالے اور آگ اور چھری خود سنبھال لی۔ جیسے ہی وہ دونوں ایک ساتھ روانہ ہوئے، اضحاق اپنے باپ ابراہام سے کہنے لگا: ابا!
ابراہام نے جواب دیا: ہاں میرے بیٹے؟
اضحاق نے کہا: آگ اور لکڑیاں یہاں ہیں لیکن سوختی قربانی کے لیے برّہ کہاں ہے؟
ابرہام نے جواب دیا: اے میرے بیٹے! خدا آپ ہی سوختنی قربانی کے لیے برّہ مہیا کرے گا اور دونوں ساتھ ساتھ چلتے گئے
جب وہ اس مقام پر پہنچے جو خدا نے اسے بتایا تھا تو ابراہام نے وہاں قربان گاہ بنائی اور اس پر لکڑیاں چن دیں۔ پھر اس نے اپنے بیٹے اضحاق کو رسی سے باندھ کر قربان گاہ پر لکڑیوں کے اوپر رکھ دیا۔ تب اس نے چھری لی تاکہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے۔ لیکن خداوند کے فرشتہ نے آسمان سے پکارا:
ابرہام، ابرہام
اس نے جواب دیا: خداوند میں حاضر ہوں۔

اس نے کہا: اس لڑکے پر ہاتھ نہ چلاؤ اور اسے کچھ نہ کہنا کیونکہ تم نے مجھ سے اپنے بیٹے بلکہ اکلوتے بیٹے کو بھی دریغ نہ کیا

ابرہام نے نگاہ اٹھائی اور اس نے وہاں ایک مینڈھا دیکھا جس کے سینگ جھاڑیوں میں پھنسے ہوئے تھے اس نے جا کر اس مینڈھے کو پکڑا اور اس کو اپنے بیٹے کی بجائے سوختنی قربانی کے طور پر چڑھایا۔ اس لیے ابرہام نے اس مقام کا نام یہوواہ رکھا۔ جس کا مطلب ہے خدا مہیا کرے گا۔

خدا کے فرشتے آسمان سے ایک بار پھر ابرہام کو پکارا اور کہا: خداوند فرماتا ہے کہ میں اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ چونکہ تو نے میرا حکم مانا اور اپنے بیٹے یعنی اکلوتے بیٹے کو بھی دریغ نہ کیا۔ اس لیے میں یقیناً تجھے برکت دوں گا اور تیری نسل کے ذریعہ زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی۔

تب ابرہام اپنے خادموں کے پاس لوٹ آیا اور وہ سب بئیر سبع کو روانہ ہوئے اور ابرہام بئیر سبع میں قیام کرتا رہا۔

اب اس کہانی کو یہودی و نصرانی ذہن نے جس طرح حبیب مکرم ﷺ سے روایت کے نام سے منسوب کر کے امت اسلام میں جس شرک کی بنیاد رکھی ہے اس کا ازالہ شاید آئیندہ چند صدیوں میں بھی ممکن نہ ہو۔ ۔۔۔اور اس واقعہ کو قران کی ان عظیم آیات کے مفہوم میں شامل کیا ہے اور اسی کہانی کو تفسیر کا نام دیا ہے مگر عجیب بات ہے روایات اگر نبی پاک ﷺ سے اصل میں منسوب ہوتیں تو واقعہ اور ابراہیم کے بیٹے میں تبدیلی نہ ہوتی، چونکہ یہ روایات بائبل کو سامنے رکھ کر لکھی گئیں تھیں اس لیے کہیں اسماعیل اور کہیں اسحاق (علہیا السلام) کی قربانی نظر آئے گی۔ چند ایک روایات ملاحظہ فرمائیں۔

امام عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر اور ابن حاتم نے حضرت مجاہد سے۔ قال يبني انى ازى فى لامنام انى اذبحك۔ اس کا معنیٰ نقل کیا ہے کہ جب وہ جوان ہوا یہاں تک کہ کام کرنے کے قابل ہو گیا تو حضرت ابراھیم علیہ السلام کے کام شروع ہو گے جب دونوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا

جس کا حکم دونوں کو دیا گیا تھا تو حضرت اسماعیل نے عرض کی میرا چہرہ زمین کی طرف کردو۔ حضرت ابراھیم نے ایسا ہی کیا جب آپ نے حضرت اسماعیل کو ذبح کرنے کے لیے اپنا ہاتھ داخل کیا تو یہ ندا آئی ۔۔ اے ابراھیم! تو نے خواب سچا کردکھایا، حضرت ابراھیم نے اپنا ہاتھ روک لیا اور سر اٹھا کر اوپر دیکھا کہ ایک مینڈھا نیچے آپ کی طرف آرہا ہے۔ یہاں تک کہ آپ کے سامنے آ گرا۔ تو آپ نے اسے ذبح کردیا (تفسیر طبری جلد ۲۳ صفحہ ۹۴۔۹۲)

امام احمد نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل، حضرت ابراھیم کو جمرہ عقبہ پر لے گئے۔ شیطان آپ کے سامنے آ گیا تو آپ نے اس کو سات کنکریاں ماریں۔ تو وہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر وہ جمرو قصوی کے پاس آپ کے پاس آیا تو آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں تو وہ زمین میں دھنس گیا۔ جب حضرت ابراھیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت اسحاق نے اپنے باپ سے کہا اے میرے ابا: مجھے باندھ دیں تا کہ میں حرکت نہ کرسکوں، کہیں میرا خون اس وقت آپ پر نہ پڑے جب آپ مجھے ذبح کریں تو حضرت ابراھیم نے انہیں باندھ لیا جب چھری پکڑی، ذبح کا ارادہ کیا تو پیچھے سے ندا آئی، ان یا ابراھیم۔ قد صدقت الرء یا... (مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۶۹)

امام عبد بن حمید، امام بخاری نے ,,تاریخ،، میں، ابن جریرے ابن منذر، ابن ابی حاکم اور ابن مردویہ نے حضرت عباس بن مطلبؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق تھے

طوالت کی وجہ سے بہت سی روایات کا ذکر نہیں کررہا مگر یہ تمام روایات احادیث اور تفسیر کی کتب میں مختلف انداز مگر ایک ہی نقطہ نظر کے ساتھ موجود ہیں مگر زیادہ تر نے حضرت اسحاق کا ذکر کیا ہے

اللہ کیسے خواب یا وحی کی صورت میں اولاد کو ذبح کا حکم دے سکتا ہے کیونکہ اولاد کو مارنا (قتل) کرنا خود قران کے حکم کے خلاف ہے

﴿قل تعالو اتل ما حرما ربکم علیکم ، الا تشرکو ابو ، شیا، و با لولدین احسنا، ولا تقتلو اولد کم من املق....﴾

فرمادیجئے: آؤمیں وہ چیزیں پڑھ کرسناؤ جوتمہارے رب نے تم پرحرام کی ہیں(وہ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیزکوشریک نہ ٹھیراؤاور ماں باپ کے ساتھ اچھاسلوک کرو اور مفلسی کے باعث اپنی اولادکو قتل مت کرو۔۔۔۔۔ (٦:١٥١)

قران کہتاہے کہ اپنے بچوں کوغربت کی وجہ سے قتل مت کرو،تو اللہ اپنے نبی کوقربانی کے لیے اپنی اولاد کے قتل کا کیسے حکم دے سکتاہے؟ نہ صرف یہ بلکہ قران اگلی آیت میں فرماتا ہے اس جان کوقتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیاہے(ماسوائے قانون کے مطابق ذاتی دفاع کی خاطر،اورفتنہ فساد کے خلاف لڑتے ہوے،)

﴿ومن یقتل مومنا متعمد فجزآو ہ ، جھنم خلدا فیھا و غضب اللہ علیه و لعنه و اعد له ، عذابا عظیما﴾

اور جوشخص کسی مومن کوجان کرقتل کرے تواس کی سزادوزخ ہے کہ مدتوں اس میں رہے گااوراس پر اللہ غضبناک ہوگا اوراس پرلعنت کرے گا اوراس نے اس کے لیے زبردست عذاب تیارکررکھاہے۔ (٤:٩٣)

اوراللہ کسی بھی صورت حضرت ابراھیم کوحکم نہیں دے سکتا تھا کہ بیٹے کوایک خواب کی بنیادپرقصداً قتل کرے۔

﴿وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطا...﴾

اورکسی مومن کے لیے یہ(جائز)نہیں کہ وہ کسی مومن کوقتل کردے مگرغلطی سے۔۔۔ ٤:٩٢

اورقران نے بڑاواضع اعلان کیاہے کہ خون بہانا(انسانی جان کی قربانی کرنا)مشرکوں کا کام ہے مومنوں

کانہیں

﴿وکذلك زین لکثیر من المشرکین قتل اولد ھم شرکا ؤ ھم لیردو ھم و لیلبسوا علیھم دینھم.......﴾

اس طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں (مذہبی پیشواؤں) نے خوشنما بنادیا ہے ان کو اولاد کا قتل کرنا تا کہ وہ ان کو ہلاک کریں اور ان کے دین کو خلط ملط کردیں (۶:۱۳۷)

اوراللہ کبھی بھی سیدنا ابراھیم کو ایسا امتحان نہیں دے سکتا تھا جس میں وہ اپنے بیٹے کا قتل کرتے۔ان آیات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اسماعیل یا اسحاق کے قتل (قربانی) کا واقعہ کبھی بھی رونما نہیں ہوا۔

مگر مجھے پتہ ہے کہ ہمارا مذہبی پیشوا کبھی بھی قران کی ان آیات کو تسلیم نہیں کرے گا اور اس واقعہ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے حجتیں ڈھونڈے گا۔ یہاں تک کہ وہ قران کی اس آیت کا بھی من گھڑت روایت کی بنیاد پر انکار کردے گا

﴿یا یھا انبی اذا جاء ك امومنت یبا یعنك علی ان لا یشرکن با لله شیا و لا یسرقن و لا یزنین ولا یقتلن اولادھن......﴾

اے نبی (ﷺ) جب تیرے پاس مومنات آئیں تو تیرے ساتھ (اسٹیٹ کے ساتھ) وہ معاہدہ کریں اس بنیاد پر کہ وہ اللہ کا کسی کو نہ شریک ٹھیرائیں اور نہ چوری کریں اور نہ وہ زنا کریں گی اور نہ وہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔۔۔) (۶۰:۱۲)

اس لیے اولاد کا قتل نہ تو اللہ نے کسی نبی سے کروایا اور نہ ہی کسی کو اجازت دی ہے۔

°جہاں تک سوال پیدا ہوتا ہے کنکریاں مارنے کا تو یہ صائبین کا طریقہ تھا جب وہ مکہ حج پر آتے تو تین مختلف مقامات پر سات سات کنکریاں مارتے تھے زمخشری لکھتا ہے کہ عورتیں مرد برہنگی کی حالت میں ایک ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے سیٹیاں بجاتے اور تھرکتے ہوئے کعبے کا طواف کیا

کرتے تھے،قربانی کرتے تھے اورتین چٹانوں،شیطان الکبیر، الاولی اوروسطی پرسات سات کنکریاں مارتے تھے،صفااورمروہ کی پہاڑیوں پرجاتے جہاں بت رکھے ہوئے تھےاوران کے درمیان سات دفعہ بھاگتے تھے۔۔۔۔۔۔(اسلام کے بعدان بتوں کواٹھوادیا)مگررسم ہاجرہ کےنام سےقائم رہی۔ قران نےکہیں بھی ہاجرہ یاسارہ کاذکرنہیں کیا مگرہماری اسلامی تاریخ کاایک انمٹ باب ہے آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ کہانی کیسےاسلام میں داخل کرکےصائبین کی رسم کوابھی تک جاری وساری رکھاہواہے بلکہ اس کی بابت حضرت ابراھیم پرایک جھوٹ بولنے کا الزام بھی لگایا جاتا ہے۔

بائبل کی کتاب پیدائش ۱۹۔۱:۲۱

اورخداوند جیسا کہ اس نے کہاتھا سارہ پرمہربان ہوا اورخداوند نےسارہ کےساتھ جووعدہ کیاتھا اسے پورا کیا۔ سارہ حاملہ ہوئی اورابرہام کے لیے اس کے بڑھاپے میں ٹھیک خداکےمقررہ وقت پراس کے ہاں بیٹا پیدا ہوااورابرہام نے اپنے بیٹے کانام اضحاق رکھا۔اورجب اس کا بیٹا اضحاق آٹھ دن کاہو تب ابرہام نے خداکےحکم کےمطابق اس کا ختنہ کیا۔جب اس کے ہاں اس کا بیٹا پیدا ہوا تب اضحاق سوبرس کا تھا۔۔۔۔(یادرہے کہ ختنہ کرنے کی رسم یہودیوں کی ہے،قران میں اس کاکوئی حکم نہیں آیااس لیےتمام مسلمان یہودیوں کی تقلید کرتے ہیں نہ کہ خدا اوراس کےرسولﷺ کی)۔

سارہ نےکہا: خدا نے مجھے ہنسایا اورجوکوئی اس بارے میں سنے گا وہ بھی میرے ساتھ ہنسے گا۔اس نےمزیدکہا: ابرہام سےکون کہہ سکتا تھا کہ کبھی سارہ بھی بچوں کودودھ پلائیگی۔پھربھی میں نے ابرہام کے بڑھاپے میں اس کے بیٹے کوجنم دیاہے۔اور وہ لڑکا بڑھا اوراس کادودھ چھڑایا گیا اور جس دن اضحاق کادودھ چھڑایا گیا اس دن ابرہام نے ایک بڑی ضیافت کی۔لیکن سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کے ہاں جوبیٹا پیدا ہوا تھا وہ اضحاق کا مضحکہ اڑاتا ہے اس نے ابرہام سے کہا: اس لونڈی اوراس کے بیٹے کونکال دے کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحاق کی میراث میں

ہرگز شریک نہ ہو گا۔

ابرہام اس بات سے بے حد پریشان ہوا کیونکہ آخر اسماعیل بھی تو اس کا بیٹا تھا۔لیکن خدا نے اسے کہا: اس لڑکے اور اپنی خادمہ کے بارے میں اس قدر پریشان نہ ہو۔ جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے اسے مان لے کیونکہ اضحاق ہی سے تیری نسل جاری ہو گی۔ میں اس خادمہ کے بیٹے سے بھی اک قوم پیدا کروں گا کیونکہ وہ بھی تیرا بیٹا ہے۔

دوسرے دن صبح سویرے ہی ابرہام نے کچھ کھانا اور پانی کی مشک لے کر ہاجرہ کے کندھے پر رکھ دی اور اسے اس کے لڑکے کے ساتھ وہاں سے رخصت کر دیا اور وہ چلی گئی اور بئیر سبع کے بیابان میں پھرنے لگی۔ جب مشک کا پانی ختم ہو گیا تو اس نے لڑکے کو ایک جھاڑی کے سایہ تلے چھوڑ دیا اور خود وہاں سے تقریباً سو گز کے فاصلہ پر دور جا کر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ اب اس بچے کو مرتے ہوئے میں کیسے دیکھوں گی؟ اور وہاں نزدیک بیٹھی زار زار رونے لگی۔

خدا نے لڑکے کے رونے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارہ اور اس سے کہا: اے ہاجرہ تجھے کیا ہوا ہے؟ خوف نہ کر! خدا نے اس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اس کی آواز سن لی ہے۔ لڑکے کو اٹھا لے اور اس کا ہاتھ تھام کیونکہ میں اس سے ایک بڑی قوم پیدا کروں گا۔ تب خدا نے ہاجرہ کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا چنانچہ وہ گئی اور مشک بھر کر لے آئی اور لڑکے کو پانی پلایا۔ وہ لڑکا بڑا ہوتا گیا اور خدا اس کے ساتھ تھا۔ وہ بیابان میں رہتا تھا اور ایک تیرانداز بن گیا۔ جب وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا تو اس کی ماں نے مصر کی ایک لڑکی سے اس کی شادی کر دی۔۔

یہ ہے بائبل کی داستان جو ہمارے دین میں جگہ کی تبدیلی اور کنویں کی جگہ آب زمزم بمعہ صفا مروہ کی سعی کے ساتھ داخل کر دی گئی ہے ۔اور اس کو نافذ کرنے کے لیے نعوذ باللہ حضور پاک ﷺ سے منسوب

روایات تیار کی گئی اور مسلمان اپنی ساری عمر کی کمائی یہاں کی زیارت کے لیے خرچ کر کے ثواب دارین حاصل کرنے کے عمل میں مصروف ہیں۔

جب کہ قران فرماتا ہے

﴿یس﴾﴿ والقران الحکیم﴾﴿ انك لمن المرسلین﴾﴿ علی صراط المستقیم﴾

﴿ تنزیل العزیز الرحیم﴾﴿ لتنذر قوما ما انذر ء ابا و ھم فھم غفلون﴾

یاسین، حکمت سے معمور قران کی قسم۔ بیشک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں۔ سیدھی راہ پر ہیں۔ بڑی عزت والے، بڑے رحم والے کا نازل کردہ ہے۔ تاکہ آپ اس قوم (مکہ اور گرد و نواح کے لوگ) کو ڈر سنائیں جن کے باپ دادا کو (بھی) نہیں ڈرایا گیا سو وہ غافل ہیں۔ (۶۔۱:۲۶) (القادری)

اس سے بڑھ کر اور واضع پیغام کیا ہو سکتا ہے کہ جہاں آپ ﷺ ڈر سنانے آئیں ہیں پہلے کوئی نبی یا پیغمبر اس علاقے میں ان کے باپ دادا کے وقتوں میں بھی نہیں آیا جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ حاجرہ کبھی بھی مکہ کی وادی میں نہیں آئی اور نہ ہی حضرت اسماعیل یہاں پل بڑھ کر جوان ہوئے اور کسی جرھم نام کے قبیلے کی عورت سے شادی کی۔ اور زمزم کا چشمہ نہ تو حضرت اسماعیل کی ایڑھی رگڑنے سے پیدا ہوا اور نہ ہی حاجرہ پانی کی تلاش میں صفا مروہ کے درمیان بھاگی۔

ہمارے مذہبی پیشوا نے قران کی سورت الفتح کی آیت ۲۴ کے مفہوم کو جس طرح تبدیل کر کے رخ مکہ کی طرف موڑا ہے کا بھی جائزہ لیتے ہیں تاکہ بات صاف ہو جائے کہ ہمارا مذہبی پیشوا قران کی آیات کو اپنے مقصد کے لیے کس طرح توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے

﴿و ھو الذی کف ایدھم عنکم وایدیکم عنھم ببطن مکة من بعد اناظفر کم علیھم ۔ وکان اللہ بما تعلمون بصیرا﴾

اور وہی ہے جس نے جارحیت میں ان کے ہاتھ تمہاری طرف اور تمہارے ہاتھ ان کی طرف

بڑھنے سے روک دیئے اس کے بعد تمہیں ان پر غلبہ عطا کیا اور جو عمل تم کرتے ہو وہ دیکھنے والا ہے

(۴۸:۲۴)

عمومی ترجمہ: اور وہی ہے جس نے سرحد مکہ پر (ان کافروں) کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ان پر غلبہ بخش دیا اور اللہ ان کاموں کو جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے (القادری)

ببطن مكة کا ترجمہ کچھ مترجمین نے وادی مکہ اور کچھ نے سرحد مکہ کیا ہے۔

عربی زبان میں بطن پیٹ کو کہتے ہیں اور عام اردو زبان میں بھی اس کا استعمال کیا جاتا ہے جیسے ماں کے بطن سے کوئی بڑا پیدا نہیں ہوتا۔ اور قرآن میں یہ لفظ ۱۶ مرتبہ انہی معنوں میں استعمال ہے مگر ایک دفعہ صرف مکہ شہر کو ظاہر کرنے کے لیے اس کا مطلب سرحد کیا گیا ہے جو کہ لغت کی کسی بھی کتاب میں نہیں ہے

﴿اوليك ما ياكلون فى بطونهم الا النار...﴾

وہ لوگ سوائے اپنے پیٹوں میں آگ بھرنے کے کچھ نہیں کھاتے (۲:۱۷۴)

﴿اذ قالت امرات عمران رب انى نذرت لك ما فى بطنى---﴾

اور جب عمران کی بیوی نے عرض کیا: اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے-- (۳:۳۵)

مكة---م ك ا۔ اس کا مادہ ہے جس کے معنی جارحیت، سازش یا متنازعہ کے ہوتے ہیں

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن نے لفظ مکہ نہیں بلکہ مکاتا (مكة) کا لفظ استعمال کیا ہے۔

جب کہ وادی کا لفظ قرآن میں ۱۰ مرتبہ استعمال ہوا ہے اگر اللہ رب العزت کا مقصود یہاں مکہ شہر کو ظاہر کرنا ہوتا تو وہ وادی مکہ کا لفظ استعمال کرتے جیسے کہ وادی کا لفظ متعدد بار آ چکا ہے۔

﴿ربنا اسكنت من ذريتى بوادٍ غير ذى زرع عند بيتك المحرم ----﴾

اے میرے رب! یقیناً میں نے اپنی قوم (ذریت، ماننے والے) کو بنجر وادی میں تیرے پابند کرنے والے ادارے (جہاں سے وحی الٰہی کے احکامات کے عملی طریقہ کا پتہ چلے) کے مطابق اپنے پیروکاروں کو سکون دیا ہے۔ (۱۴:۳۷)

﴿ولا ینفقون نفقة صغیرة ولا کبیرة ولا یقطوعون وادیا۔۔۔﴾

اور نہ یہ کہ وہ تھوڑا خرچ کرتے ہیں اور نہ بڑا (زیادہ) اور نہ کسی وادی کو طے کرتے ہیں (۹:۱۲۱)

اس لیے یہ بات واضع ہو جاتی ہے وادی کسی بھی صورت بطن کا مترادف نہیں ہو سکتی ہے۔

تو سوال پیدا ہو گا کہ کعبہ کس نے اور کیسے بنایا؟

اس کے جواب کے لیے آپ دبستان المذاھب کو پڑھیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حج کی آیات کا صحیح مفہوم:

جاھلیت یا اس سے پہلے کے ادوار کے رسم و رواج اور عبادت کے طریقے بدلنے یا نیا نام رکھنے سے کوئی نیا مذہب معرض وجود میں نہیں آ جاتا۔ ہمارے مذہبی پیشواؤں کے مطابق حج پہلے سے عربوں میں موجود تھا، کعبہ موجود تھا اور شیاطین کے موجودہ تین ستون بھی موجود تھے، صفا اور مروہ کے درمیان بھاگنے کا عمل بھی موجود تھا، میدان عرفات میں بھی ویسے ہی لوگ جاتے تھے جیسے اب جاتے ہیں، البتہ پہلے ان کے نام لوگوں سے منسوب تھے اب اسے بدل کر اللہ کے نام سے منسوب کر دیا ہے، مقامات وہی رہے، طریقے وہی رہے شیاطین کے ستون وہی رہے۔ فرق کیا پڑا؟

اس کا ثبوت :

محمدؒ بن قیس بن مخرمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا جاہلیت میں لوگ عرفات

سے اس وقت واپس لوٹتے تھے جب سورج اس طرح ہوتا جیسا کہ ان کے سروں پر پگڑیاں ہیں، سورج غروب ہونے سے پہلے وہ واپس آ جاتے اور مزلفہ سے سورج طلوع ہونے کے بعد آتے سورج ایسے معلوم ہوتا گویا ان کے چہروں میں پگڑیاں ہیں ہے ہم عرفات سے سورج غروب ہونے کے بعد واپس آئیں گے اور مزلفہ سے سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی لوٹ آئیں گے۔ ہمارا طریقہ مشرکوں اور بت پرستوں کے طریقہ کے مخالف ہے روایت کیا ہے اس کو بیہقی نے (۹/۲۴۹۵ مشکوۃ)۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا مشرک لبیک پکارتے وقت کہتے ہم تیری خدمت میں حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے تم پر افسوس ہے بس اور بس یہی رک جاؤ، لیکن وہ کہتے البتہ وہ جو تیرا شریک ہے اس کا تو مالک ہے اور جس چیز کا وہ مالک ہے اس کا بھی تو مالک ہے۔ بیت اللہ کا طواف کرتے وہ اس طرح کہتے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔(۱۵/۲۴۳۹ مشکوۃ)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا: صفا اور مروہ (پہاڑوں) کے دو سبز ستونوں کے درمیان وادی میں میں تیز چلنا سنت نہیں تھا، لیکن قبل از اسلام دور جاھلیت کے وقت لوگ ان کے درمیان تیز بھاگتے تھے کیونکہ یہاں پر ایک ندی تھی اور بارش میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ تیز بھاگا جائے۔(بخاری کتاب ۵۸ جلد ۵ نمبر ۱۸۶)

دور جاہلیت میں ۲ انسانی شکل کے مجسمے شام کے معبد سے لاکر ایک صفا اور دوسر مروہ پر رکھا گیا تھا جن میں ایک مرد (آصف) اور دوسرا عورت (نائلہ) کی شکل کا مجسمہ تھا۔

بیشتر اس کے کہ میں حج کو تاریخ سے ثابت کروں ایک بات کا اعادہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں، وہ ہے ۔۔۔گناہ کا مذہب میں تصور۔۔۔

گناہ کا تصور بھی عجیب تصور ہے، کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو تکلیف پہنچائے یا اس کا حق مارے تو گناہ ہوتا ہے، اس طرح تمام برے اعمال گناہ کے زمرے میں آتے ہیں مثال کے طور پر، رشوت لینا،

چوری، مارکٹائی، حق مار کر تجارت کرنا، بلیک میلنگ، ذخیرہ اندوزی، دھشت گردی، زبردستی عصمت دردی، وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔آپ کسی بھی گناہ کا تصور ذہن میں لایئے آپ دیکھیں گے کہ ہر گناہ کے پیچھے کسی نہ کسی انسان کی حق تلفی ہو رہی ہے لیکن عجیب بات ہے کہ تمام کے تمام گناہ خدا اپنی تعریف سن کر یا مکہ کے مناسک پورے ہونے کے بعد یا اس حرام کی کمائی سے کچھ حصہ اپنے نام کروا کر معاف کر دیتا ہے خواہ وہ مکہ میں ایسی ہی کمائی سے کیوں نا آیا ہو۔اسلام میں زکواۃ اس لیے دی جاتی ہے کہ مال پاک ہو جائے۔ مال کو پاک کرنے کی ضرورت ہی کیوں پڑی؟ اگر مال پاک نہیں ہے تو تمام کا تمام مال ناپاک ہے اس کا ایک حصہ نکال کر خدا کے نام سے غریب غربا میں بانٹنے سے تمام مال کیسے پاک ہوسکتا ہے؟ غلط ذرائع سے کمایا گیا مال اس کے حق دار کو پورے کا پورا واپس کرنا ہے، بلکہ اس حقدار کا جو نقصان ہوا ہے اس کو بھی پورا کرنا ہے۔لیکن عجیب بات ہے کہ نہ تو حق تلفی کرنے والے کو اس سے غرض ہے کہ جس شخص کا حق مارا گیا اس کا کیا ہوگا اور نہ ہی خدا کو اس سے غرض ہے کہ جس کا مال ہے اس کو بمعہ نقصان تلافی کے واپس کرایا جائے ۔۔۔۔کیونکہ ہماری روایات جو یہودی اور نصرانی سوچ کے مطابق لکھوائی گئی ہیں اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ آپ مکہ تشریف لائیں اور ایسے پاک ہو کر جائیں جیسے ابھی آپ ماں کے پیٹ سے جنم لے کر آئیں ہیں اور بار بار لوگوں کی حق تلفی کریں اور یہاں آ کر پاک ہو جائیں

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! پے در پے حج اور عمرہ کرو اس لیے کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو دور کرتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کی میل دور کر دیتی ہے۔۔۔
(ترمذی، نسائی، احمد، ابن ماجہ۔ ۲۴۱۰/۲۰ مشکوۃ)

جابرؓ روایت ہے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب عرفہ کا دن ہوتا ہے اللہ رب العزت آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے اور فرشتوں کے سامنے ان پر فخر کرتا ہے فرماتا ہے میرے بندوں کو دیکھو وہ میرے پاس

پراگندہ بال، گرد پآلود ہر دور کی راہ سے چلاتے ہوئے آئیں ہیں۔ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا ہے پھر فرشتے کہتے ہیں، اے ہمارے رب فلاں شخص گناہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور فلاں مرد اور فلاں عورت گناہ کرتے ہیں، اللہ عزّ وجل فرماتے ہیں میں نے ان کو معاف کر دیا ہے ۔۔روایت کیا ہے اس کو شرح السنہ میں۔

یہ روایت بذات خود اللہ اور اسکے رسول کی توہین ہے کہ خدا اتنا مجبور ہے کہ اپنے بندوں کو معاف کرنے کے لیے فرشتوں کو گواہ بنا رہا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسی تمام روایات بائبل سے لے کر نبی ﷺ سے منسوب کی گئی ہیں جب کہ خدا فرماتا ہے

﴿یوم یقوم الروح و الملکة صفا لا یتکلمون.......﴾

جس دن جبرائیل (روح الامین) اور (تمام) فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے کوئی لب کشائی نہ کر سکے گا۔۔۔ (۷۸:۳۸)

جب کہ اللہ کا گواہ ہونا ہی کافی ہے

﴿۔۔ و کفی با اللہ شہیدا﴾

اور اللہ کا گواہ ہونا (ہی) کافی ہے (۴:۱۶۶)

یہ ہے وہ ڈھانچہ جو ہمارے مذہبی پیشوا نے مذہب کے نام پر دیا اور یہودی نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان قران پر عمل کر کے دنیا کی سب سے زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ قوم بن جائے جو قران کو حبل الجمیعا کے طور پر دنیا میں حکومت کرنے کا منبع سمجھے اور وہ اس کو بدل بھی نہیں سکتے تھے اس لیے ان کے لیے ضروری تھا کہ مسلمانوں کو اس طرح کے مناسک میں ڈال کر کے قران کی اصل تعلیمات پر وہ خود عمل پیرا ہو کر اس دنیا کے مطلق العنان حکمران بن جائیں، اور وہ اس میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ حالانکہ ان سب عقائد کا اسلام سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ہے مگر ان چند مقدس عقائد و حرکات و

سکنات کو مذہب اسلام کا نام دیا گیا ہے جن کا قران نے کہیں ذکر نہیں کیا۔ان عقائد میں ایک یہ حج بھی ہے قران میں میں اس کے کیا احکام ہیں ان کی تفصیل میں جانے سے پہلے تاریخ کے چند باب دیکھ لیں۔

نبطیوں کا معبود ذو لشرٰی سورج دیوتا تھا،جس کی پوجا پتھر کی ایک بلند لاٹ یا ان گھڑ چو گوشہ سیاہ پتھر کی صورت میں کی جاتی تھی،مکہ کے علاوہ صائبین کا ایک معبد شام کے شہر حمص میں تھا جہاں سورج کی پوجا ایلا گا بعل کے نام سے کی جاتی تھی،کعبہ کی طرح اس میں بھی سیاہ پتھر کا ایک ٹکڑا نصب تھا جو شہاب ثاقب تھا اور جس کی پوجا طواف کر کے کرتے تھے۔قیصر روم ہیسیلیو گا بالس جو نو عمری کے زمانے میں اس معبد کا پروہت رہ چکا تھا تخت نشین ہو کر یہ سیاہ پتھر روم لے گیا اور اس کے لیے ایک شاندار معبد تعمیر کروایا اس معبد کی قربان گاہ پر بچے ذبح کیے جاتے تھے۔سال میں ایک مرتبہ اس پتھر کر رتھ میں رکھ کر جلوس نکالتے تھے اس رتھ کے آگے شیر جتے ہوئے ہوتے تھے۔دبستان المذاھب میں حجر اسود کو کیوان دیوتا کی شبیہ کہا گیا ہے(مسلمانوں کو یہ باور کروایا گیا ہے کہ یہ جنت سے حضرت آدم ساتھ لائے تھے اور اس کا رنگ سفید تھا مگر اس کو چومنے سے تمام گناہوں کی بدولت یہ کالا ہو گیا ہے،حقیقت یہ ہے کہ قران نے اس کا کہیں ذکر نہیں کیا)صائبین کی طواف کی ریت بھی دور دور تک رواج پا گئی تھی صائبین سمجھتے تھے جس طرح سیارے سورج کے گرد چکر لگاتے ہیں اس طرح بتوں اور معبدوں کا طواف پجاریوں پر فرض ہے۔اسلام کی اشاعت سے پہلے عرب جہاں کہیں بھی جاتے اور وہاں قیام کرتے وہیں ایک پتھر کھڑا کر لیتے اور اسے دیوتا سمجھ کر اس کا طواف کرتے اور قربانی کرتے تھے ان پتھروں کو انصاب کہتے تھے جیسے کہ بائبل کی کہانی ہے جو کہ اب ہمارے عقائد میں شامل کر دی گئی ہے

بائبل کی کتاب پیدائش (۱۸۔۱۶:۲۸:۱)

جب یعقوب نیند سے جاگا تو اس نے سوچا کہ ہو نہ ہو خداوند اس جگہ موجود ہے اور مجھے اس کا علم نہ تھا۔

وہ ڈر گیا اور کہنے لگا یہ کیسی پر جلال جگہ ہے یہ جگہ خدا کے گھر کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟ یہ تو آسمان کا پھاٹک ہے۔ دوسرے دن علی الصبح یعقوبؑ نے اس پتھر کو لے کر جسے اس نے اپنے سر کے نیچے رکھا تھا، ستون کی طرح کھڑا کیا اور اس کے اوپر تیل ڈالا اور اس نے اس مقام کا نام بیت ایلؔ رکھا حالانکہ پہلے اس شہر کا نام لوزؔ تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ صائبین کے یہاں سورج جو سب سیاروں کا بادشاہ تھا بعلؔ مردوخ کی صورت میں خداوند بن گیا۔ یہ گویا واحدانیت کا ابتدائی تصور تھا جو مجوسیوں میں اہورامزدؔا اور یہود میں یہوآہ سے وابستہ ہو گیا شخصی اور ملی خدا کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کے لیے کسی نہ کسی واسطے کی ضرورت تھی چنانچہ مجوسیوں نے فرشتوں۔۔۔فرشتہ، لغوی معنی بھیجا ہوا۔۔۔کا تصور پیش کیا سروشؔ ان فرشتوں کا سردار بنا دیا گیا، اور اسی تصور کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام میں جبرائیل کو فرشتوں کا سردار بنا کر پیش کیا گیا اور اس بات کو پکا کرنے کے لئے ان پر یقین رکھنا ایمان کا بنیادی حصہ تسلیم کروایا گیا اور جو اس بات کا انکار کرے اس کو کافر قرار دیا گیا جیسے کہ سر سید احمد خان، جمال الدین افغانی، محمد ترابی سوڈانی وغیرہ۔۔فرشتوں کا یہ سردار جو اہورامزدا کے پیغامات کیخسرؔو اور خسرو پرویزؔ کے پاس لایا کرتا تھا جیسا کہ شاہنامہ فردوسی میں لکھا ہے۔۔۔مصر میں فرعون نے آتنؔ (قرص آفتاب) یا آفتاب کی علامت کو واحد خداوند قرار دیا اور اس کے بت تراشنے کی ممانت کر دی۔ فرعون نے آتن کی حمد میں پر جوش نظمیں لکھیں۔ اس طرح دنیا کے دو بڑے تمدنوں میں آفتاب کو خداوند کا درجہ دے دیا گیا اور یوں انسانی فکر و تخیل کا ارتقاء کثرت پرستی سے واحدانیت کی طرف منتقل ہو گیا۔ ابو محمد علی ابن حزم اندلسی لکھتا ہے کہ صائبین رات دن میں پانچ نمازیں پڑھتے اور تیس دن کے روزے بھی رکھتے۔ اپنی نماز میں کعبے اور بیت اللہ کی طرف رخ کرتے ہیں، مکے کعبے کی تعظیم کرتے ہیں، صائبین تیس دن کے روزے رکھنے کے بعد عید الفطر کا تہوار مناتے ہیں ۲۵ دسمبر کو جب سورج کا زوال ختم ہوتا ہے اور اس کی دوبارہ شمال

کی طرف حرکت شروع ہوجاتی ہے تو وہ سورج کے جنم دن کا جشن مناتے ہیں کیوں کہ ان کو اس خطرے سے نجات مل گئی کہ سورج جنوب کی طرف سرکتا سرکتا غائب ہوجائے۔ایک شہاب ثاقب تھا جسے صائبین کے خیال میں سورج دیوتا نے آسمان سے ان کے لیے بھیجا تھا ۔۔۔حج۔لغوی معنی چکر لگانا یا قصد کرنا۔۔کے موقع پر کعبہ کے گرد سات چکر لگاتے تھے یعنی سات سیاروں کے حساب سے طواف کرتے تھے جو سورج کے گرد چکر لگاتے ہیں۔

(محترم قاری: آپ کو کوئی ایسی حدیث نہیں ملے گی جس میں کسی صحابی نے رسول اللہﷺ سے یہ سوال کیا ہو کہ ہم سات چکر کیوں لگاتے ہیں؟ قران میں تو بالکل نہیں ہے اور یہی بات سمجھنے کے لیے کافی ہے اگر شعور ہو کہ مسلمان صرف اور صرف صائبین کی رسم کو پورا کرتے ہیں نہ کہ اللہ اور اس کے رسولﷺ کے احکامات کی تابعداری)

زمخشری لکھتا ہے کہ عورتیں مرد برہنگی کی حالت میں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے سیٹیاں بجاتے تھرکتے ہوئے کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے،قربانی کرتے تھے اور تین چٹانوں شیطان الکبیر، الاولی اور وسطی پر سات سات کنکر پھینکتے تھے۔صفا مروہ کی پہاڑیوں پر جاتے تھے جہاں بت رکھے تھے۔اسلام کے بعد ان بتوں کو اٹھوا دیا گیا۔کعبہ کا طواف کرتے وقت بایاں پہلو کعبے کی طرف رکھتے تھے تین چکر تیز تیز قدم اٹھا کر لگاتے (حرولا) اور چار آہستہ،آہستہ خرامی سے،اور (ترّمل) (حجر اسود) شہاب ثاقب کو بوسہ بھی دیتے تھے۔

حج کا لفظ قران میں ۱۱ مرتبہ آیا ہے اور ۲۳ مقامات پر حج کے مادہ سے بننے والے الفاظ آئے ہیں حج کا بنیادی مادہ۔۔ح ج ج۔۔ ہے جس کے معنی حجت قائم کرنا ہے،یعنی دلائل کے ذریعے کسی بات کو پیش کرنا اسی لیے اس مادہ سے بننے والے الفاظ میں بحث اور دلائل سے قائل کرنا بنیادی معنی ہیں۔

﴿الم ترالی الذی حاج ابراهیم﴾

کیاتم نے اس شخص پرغورنہیں کیاجس نے ابراھیم سے بحث کی

﴿قل اتحا جو ننا فی الله و هو ربنا و ربکم﴾

پوچھو کہ کیاتم اللہ کے معاملے میں ھم سے بحث کرتے ہوجب کہ وہ ہمارا اور تمہارارب ہے

﴿ و تلك حجتنا اتینا ها ابراهیم علی قومه﴾

یہ ہمارے دلائل تھے جوہم نے ابراھیم کواپنی قوم کے خلاف عطاکیے

قران کے مختلف تراجم میں ۲۳ مقامات پر۔۔ح ج ج۔۔سے بننے والے الفاظ کوبنیادی معنوں میں ہی ترجمہ کیا گیاہےاورکہیں بھی عبادت کے حوالے سے مفہوم نہیں لیا گیا۔البتہ ۱۱جگہیں ایسی ہیں جہاں ۔۔ح ج ج۔۔سے بنے الفاظ کو صائبین کے حج کے مقامات اورمناسک کی ادائیگی کی مناسبت سے عبادت کارنگ دیا گیاہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۱۵۸۔۔۔

﴿ان الصفا و المروه من شعار الله فمن حج البیت او عتمر فلا جناح علیه ان یطوف بهما و من تطوع خیرا فان الله شاکر علیم﴾

یقیناً صفااورمروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہےلہذا جوشخص بیت اللہ کا حج یاعمرہ کرےاس کے لیےکوئی گناہ کی بات نہیں کہ وہ ان دو پہاڑیوں (صفا،مروہ) کے درمیان سعی کرےاور جو برضاورغبت کوئی بھلائی کا کام کرے گااللہ کواس کاعلم ہےاوروہ اس کی قدرکرنے والا ہے۔

اس عمومی ترجمے سے چند باتیں سامنے آتی ہیں

۱۔صفااورمروہ اللہ کی نشانیوں میں ہیں

۲۔بیت اللہ کا حج یاعمرہ کرنے والے پرلازمی نہیں ہے کہ وہ ان دو پہاڑیوں کے درمیان جن کا نام صفا

اورمروہ ہے سعی کرے (ایک خاص انداز سے بھاگنا)۔ اگر وہ سعی کر بھی لیتا ہے تو یہ کوئی گناہ کی بات نہیں۔

۳۔اگر سعی کو کوئی برضا و رغبت کرتا ہے تو بھلائی کا کام ہے اور اللہ بھلائی کے کام کی قدر کرتا ہے اور اللہ کو اس شخص کے اس عمل کا علم بھی ہے۔

۴۔اور جس کسی نے برضا و رغبت کوئی بھلائی کا کام کیا تو اللہ قدر شناس اور علم والا ہے۔

اگر آپ اس ترجمے میں غور کریں تو کوئی مقصد اور مفہوم سامنے نہیں آتا۔

کیا اللہ کی پہچان صفا اور مروہ کے پہاڑوں سے ہوتی ہے؟ غور کریں کہ اللہ کی پہچان کن چیزوں سے کروائی جارہی ہے۔۔۔چند میٹر دو اونچے ٹیلے کے ذریعے۔۔۔۔

یہ انتہائی بے ربط سی بات ہے دنیا میں لاکھوں کی تعداد میں ایسے ٹیلے موجود ہیں ان دو ٹیلوں میں کون سی ایسی خاص بات ہے؟ کہ جس کے ذریعے انسان اللہ کی معرفت حاصل کرسکتا ہے۔اگر اللہ کی پہچان تخلیق کے لحاظ سے کرنی ہے تو دنیا کے اونچے پہاڑوں کو دیکھے، لق ودق صحراؤں کو دیکھیے، لامحدود سمندر کو دیکھیں،۔۔۔۔۔آسمان اور ان کے اندر کہکشاؤں کو ملاحظہ کریں۔۔یہ چند میٹر اونچے مٹی کے ٹیلے اللہ کی کیا پہچان کروائیں گے؟ اور عربوں نے تو اب ان ٹیلوں کو اس حالت میں بھی نہیں رہنے دیا جس میں یہ کبھی تھے۔یہ تو لوگوں کی مرضی پر چھوڑا گیا ہے اگر وہ ان ٹیلوں کے درمیان بھاگ دوڑ کرتے ہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ جو کرے سو گناہ نہیں اور جو نہ کرے سو ٹھیک۔

بنیادی طور پر تو صفا مروہ کے ساتھ طواف کرنا ہے آیت کو پھر دیکھتے ہیں۔۔۔ان یطوف بھما۔۔۔۔۔ جس کا ترجمہ ہوگا۔۔۔اگر ان دونوں کے ساتھ طواف کرے۔۔آیت کے اس جزو میں۔۔بھما۔۔ کا لفظ آیا ہے جس کے اصولی اور بنیادی معنی ہوں گے ۔۔ان دونوں کے ساتھ۔۔۔یعنی ترجمہ ہوگا ۔۔صفا اور مروہ کے ساتھ۔۔۔ جب کہ دو چیزوں کے درمیان طواف کے لیے زیادہ موزوں

لفظ۔۔بینھما۔۔۔ہے۔یعنی اگر صفا اور مروہ کے درمیان طورف کے لیے کہا جاتا تو جملہ۔۔ ان یطوف بینھما۔۔۔ہوتا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو مٹی کے ٹیلہں کے درمیان برضا ورغبت بھاگ دوڑ کس پیمانے اور اصول کے تحت نیکی ہے؟ اس بھاگ دوڑ کے ذریعے انسانیت کے کون سے مسائل حل کیے جا رہے ہیں؟ اس بھاگ دوڑ سے انسان کی حق تلفی کا کس طرح مداوا کیا جا رہا ہے؟ کون سا بھلائی کا کام اس سے سرانجام پاتا ہے؟ اگر یہی نیکی تو قران نے نیکی کا یہی پیمانہ دیا ہے، کیا قران نے عمل صالح اسی کو کہا ہے؟ کیا حقوق انسانی کی پاسداری نیکی نہیں؟ کیا انسانیت کے لیے امن وسلامتی مہیا کرنا نیکی نہیں؟

......اور اگر انسانیت کے مسئل حل کرنا نیکی ہے۔

......اگر انسانوں کی حق تلفی کے خلاف کھڑے ہونا نیکی ہے۔

۔۔۔۔اگر لوگوں کے لیے بھلائی کے کام کرنا نیکی ہے

۔۔۔۔اگر عمل صالح یعنی صلاحیت پیدا کرنے والے اعمال نیکی ہیں

۔۔۔اور انسانیت کے لیے اس دنیا کو امن وسلامتی کا گھوارہ بنانا نیکی ہے

تو

ان دو ٹیلوں کے درمیان بھاگ دوڑ سے کیا احداف حاصل ہو رہے ہیں اور پچھلے کئی سو سال سے اس بھاگ دوڑ سے کیا حاصل ہوا؟

دیکھیے۔۔ آیت میں ارشاد ہوا ہے۔۔۔فمن تطوع خیرا۔۔۔جس کسی نے خیر کی اطاعت کی۔۔۔ فا ن اللہ شاکر علیم۔۔تو اللہ قدر شناس اور علم والا ہے۔لفظ۔تطوع۔اطاعت سے ہے۔اطاعت تو کوئی ایسا عمل ہوتا ہے جو کسی کے حکم پر کیا جائے۔قران نے صرف ایک ہی اطاعت کا حکم دیا ہے اور وہ ہے احکامات قرانی کی اطاعت۔۔۔اگر کسی انسان کے حکم کی اطاعت کرنی ہے تو وہ بھی قرانی

احکامات کے تابع رہتے ہوئے ہوگی۔تو پھر خیر کیا ہے؟

قران خود اس کی سورت البقرہ میں آیت نمبر ۱۰۵

﴿ما یود الذین کفرو منا اهل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل علیکم خیرٍ من ربکم و الله یختص برحمته من یشاء والله ذو افضل العظیم﴾

اہل کتاب اور مشرکین میں سے انکار کرنے والے لوگ نہیں چاہتے ہیں کہ تم پر کوئی خیر نازل کیا جائے ،اللہ اپنی رحمت سے جو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اس آیت میں تمام مفسرین نے۔۔خیر۔۔۔کا مفہوم ,,,احکامات قرانی،،،کیا ہے اور اسی خیر کا ذکر زیر مطالعہ آیت میں ہے کہ جو کوئی بھی احکامات قرانی کی اطاعت کرے گا تو اللہ اس کی قدر شناسی کرے گا اور علم کی بنیاد پر کرے گا۔کیونکہ وہ قدر شناس اور علم والا ہے۔

چنانچہ بات واضع .... فمن تطوع خیرا... جس کسی نے احکامات قرانی کی اطاعت کی تو اللہ علم کی بنیاد پر قدر شناس ہے اور یہی احکامات الٰہی کا طواف ہر لمحہ مطلوب و مقصود ہے۔اب ظاہر ہے صفا اور مروہ بھی قران کے متعلق ہی کوئی بات ہوگی۔اگر ہم چند آیات پہلے اور چند اگلی آیات پر غور کر لیا کریں تو ہر آیت کا ربط بھی مل جاتا ہے اور مضمون سے سلسلہ بھی جڑا رہتا ہے۔اگلی آیت میں ہی اس اس ربط کو قائم رکھتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ بعض لوگوں کی روش اوپر بیان کردہ روش کے برعکس ہوتی ہے اور وہ بجائے احکامات الٰہی کی اطاعت کرنے کے ان احکامات کو جو ہم نے اتارے ہیں چھپاتے ہیں۔ملاحظہ کریں۔

﴿ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات و الهدی من بعد ما بیناه للناس فی الکتاب اؤلیك یلعنهم الله و یلعنهم اللا عنون﴾

جو لوگ ہماری نازل کردہ احکامات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں حالانکہ ہم انہیں کتاب میں بیان کر چکے

سوا یسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔
یعنی کہ جو لوگ احکامات اور ہدایات کی اطاعت کرتے ہیں تو اللہ قدر شناس ہے جب کہ وہ لوگ احکامات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں ان پر نہ صرف اللہ کی لینت ہوتی ہے بلکہ لعنت کرنے والے انسان بھی لعنت کرتے ہیں۔۔۔خود دیکھ لیجئے کہ خیر کیا ہے؟ جس کی اطاعت کی جائے تو اللہ اس کی قدر کرتا ہے۔غور کریں کہ صفا مروہ کیا ہیں جو اللہ کی پہچان ہیں؟ جن ہر وقت ساتھ رکھنا ہے
صفا .. کا بنیادی مادہ۔۔ص ف و۔۔ہے۔جس کے معنی ہیں کسی چیز کا خالص ہونا،تصفیہ کرنا۔الصفا معروف بالام ہے۔جس کا مطلب ہے یہ خاص صفا کی بات ہو رہی ہے۔۔۔
۔۔۔۔ایک بات جو قابل غور ہے اسلام سے پہلے کی کسی بھی شاعری یا تاریخ میں ان دو ٹیلوں کے نام صفا یا مروہ نہیں ملتے بلکہ ان کے نام ان پر رکھے گئے بتوں کے حوالے سے جانے جاتے تھے۔چونکہ مجوسی تعلیمات سے آنے والے ذہن کے مفسرین نے ان دو ٹیلوں کو صفا اور مروہ کا نام دے کر صائبین کی رسم کو جاری رکھوایا اور پھر اس بات کو پکا کرنے کے لیے احادیث لکھوائیں گئیں۔۔۔۔
اگر الصفا کسی ٹیلے کا نام ہے تو دنیا میں صفا کے نام سے بہت سارے ٹیلے ہونے چاہیے تا کہ اس میں سے ایک خاص صفا کو الصفاء کہا جا سکے ورنہ یہ الصفاء کسی ٹیلے کا نام نہیں بلکہ اس آیت سے پہلے کسی چیز کے متعلق بات ہو رہی ہے جس کی کسی خاص خصوصیت کے حوالے سے اسے الصفاء کا نام دیا گیا۔
المروہ بھی معروف بالام ہے یعنی ال کے ساتھ معرفہ بنیا گیا ہے جس کا مطلب ہے مروہ نام کے بھی ہزاروں ٹیلے ہونے چاہیے جن میں سے ایک ٹیلے کو خاص وجہ سے معرفہ بنایا گیا ہے۔ورنہ جس طرح الصفاء کسی ٹیلے کا نام نہیں اس طرح ماقبل آیات میں جس کو بیان کیا گیا اسی کی کسی ضفت یا اس سے متعلق کسی خصوصیت کے حوالے سے اس کو المروہ کہا گیا ہے
مروہ کے بنیادی حروف ،،م ر ء،،۔۔۔،،م ر ی،، ہیں جس کے معنی ایسی جگہ یا ایسی وقت یا ایسی تعلیم یا

نظریہ جس میں مہربانی، بہتات اور خوشحالی ہو اس کے علاوہ اس کے معنوں میں مروت اور خوشگواری بھی آتے ہیں۔

اب اس آیت کا ڈوبارہ سے ترجمہ دیکھیں تو بات بالکل واضح ہو جائیگی۔

﴿ان الصفا و المروہ من شعار اللہ فمن حج البیت او عتمر فلا جناح علیه ان یطوف بهما و من تطوع خیرا فان اللہ شاکر علیم﴾

یقینی طور پر صفاء (خاص صفاء) اور مروہ (خاص مروہ) اللہ کی پہچان سے ہیں پس جو کوئی بھی اللہ کے گھر کی حجت قائم کرے یا عمر گزارے تو اس پر کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ وہ الصفاء اور المروہ کے ساتھ طواف کرتا رہے اور جو کوئی بھی احکامات الٰہی کی اطاعت کرے گا تو یقیناً اللہ باعلم قدر شناس ہے۔۔

دیکھئے۔۔حج البیت اور اعتمر۔۔کا ترجمہ پس جو کوئی بھی اللہ کے گھر کی حجت قائم کرے یا عمر گزارے کیا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے تو پھر بیت کیا ہے؟

اس کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھاتا ہوں۔۔اگر کوئی آڈمی اسکول بناتا ہے تو وہ اس کے لیے ایک عمارت تعمیر کرے گا ے پھر فرنیچر خریدے گا ے استاد بھرتی کرے گا اور پھر لوگ تعلیم کے لیے اس اسکول میں آئیں گے، اگر وہ شخص کہے کہ میں نے اسکول بنایا ہے تو سننے والے سمجھ جائیں گے کہ یہ کسی عمارت کی بات نہیں کر رہا بلکہ بچوں کی تعلیم کی بات کر رہا ہے۔ اور اگر وہ صرف یہ کہہ کہ میں نے عمارت (بیت) بنائی ہے اور بچے اس کے گرد سات چکر لگا کر چلے جاتے ہیں تو کیا کوئی ذی شعور آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ اس اسکول میں تعلیم دے رہا ہے؟

یہی بات قران میں بیت سے متعلق ہے چونکہ رسول ﷺ مکہ میں آئے تو اللہ کے احکامات بھی ان ہی سے پوری دنیا میں جانے ہیں اور وہ منبع ہیں ان تعلیمات کا جو اللہ نے وحی الٰہی کے ذریعے ان کو دیں

اس کا مطلب ہوا وہ ایک بیت ہیں اوران کی یہ تعلیمات ہر دوراور صدی کے لیے ہیں بے شک وہ اس دنیا سے پردہ کر گے ہیں مگران تعلیمات کو ہر دور کے مطابق تشریح کرنا اوران کے مطابق تمام مسلمانوں کو معاشی اور معاشرتی وحکومتی نظام کو قائم کرنا ہے جس کا ایک مرکز ہونا چاہیے اس لیے اس مرکز کو بیت اللہ اوراس کی احکامات کو پہنچانے والے کی اطاعت کو اطعیو رسول کہا ہے۔

اب آیئے۔۔ حج البیت اور اعتمر۔۔۔کا مطالعہ کرتے ہیں۔دیکھئے حج کے بنیادی مفہوم سے تو یہ معلوم ہوگیا کہ حج بنیادی طور پر دلائل کے ذریعے دوسرے کو قائل کرنا ہے اوراگر کوئی ظالم قوم لوگوں پر ظلم کر رہی ہو تو قوم کی دادرسی کے لیے جو کچھ بھی ممکن ہو کرنا حج ہے۔یعنی حج البیت کا معنی ہے البیت کی حجت قائم کرنا یعنی احکامات الہی سے دلائل کے ذریعے لوگوں کو قائل کرنا۔جب کہ لفظ اعتمر کا مادہ۔۔ع م ر۔۔ہے اس مادہ سے بننے والے الفاظ میں زندگی گزارنا بنیادی مفہوم ہے اور جب باب افتعال سے کوئی لفظ بنتا ہے تو اس میں اہتمام کا پہلو شامل ہوتا ہے جس کا اثر دوسروں پر ہوتا ہے۔۔ اعتمر۔۔یعنی اہتمام کے ساتھ زندگی گزارنا۔جملے کی ساخت دیکھتے ہوئے اس کا مفہوم کچھ یوں ہوگا۔۔۔۔۔پس جس نے احکامات الہی کی حجت قائم کی یاان احکامات کے ساتھ عمر گزاری۔۔۔ یعنی حج کے پہلو میں تعلیمات قرانی کے ذریعے لوگوں میں ظلم وزیادتی کو ختم کرنے کی جدوجہد ہے تو عمرہ میں تعلیمات قرانی کے ذریعے لوگوں میں ظلم وزیادتی کے بغیر سکون سے زندگی گزارنے کا اہتمام ہوتا ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۶ میں ارشاد ربانی ہے

﴿واتمو الحج و العمرهة لله فان احصر تم فما استيسر من الهدى ولا تحلقو روسكم حتى يبلغ الهدى محله فمن كان منكم مريضا او به اذى من راسه ففدية من صيام او صدقة او نسك فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر

من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام فى الحج و سبعة اذا رجعتم تلك عشرة كاملة ذلك لمن لم يكن اهله حاضرى المسجد الحرام واتقو الله واعلمو ان الله شديد العقاب﴾

ان آیات کا جو عمومی ترجمہ کیا جاتا ہے وہ کچھ یوں ہے

۔۔حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو۔ پس اگر گھیر لیے جاؤ تو جو میسر آئے وہ قربانی دو اور اپنے سر کو نہ منڈاؤ یہاں تک کہ قربانی اپنی جگہ (یعنی مکہ) پہنچ جائے۔ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ بدلہ دے روزے یا صدقہ یا قربانی سے۔ پھر جب تم امن میں ہو تو جو فائدہ اٹھائے عمرہ کا حج تک تو جو قربانی میسر ہو دے پس جو اس کی استطاعت نہ پائے تو روزے رکھے تین دن کے حج کے ایام میں اور سات دن کے جب تم واپس لوٹو۔ یہ دس پورے ہیں۔ یہ حکم ان کے لیے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام میں موجود نہ ہوں۔ اللہ کا تقوی اختیار کرو اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

ان آیات کے عمومی ترجمہ اور مفہوم کے تحت جو بتایا جاتا ہے ہتہ یہ ہے کہ۔۔۔۔

۱۔اگر حج یا عمرہ کے لیے سفر کرتے ہوئے گھیر لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو وہ مسجد حرام کی طرف روانہ کرو۔ اور جب تک قربانی مسجد حرام نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ۔

۲۔لیکن اگر کوئی بیماری کی وجہ سے یا سر میں تکلیف کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا ہے تو وہ کفارہ ادا کرے۔ روزہ رکھے یا صدقہ دے یا کوئی عبادت یا قربانی کرے۔

۳۔پھر جب امن کی حالت ہو جائے تو اگر کسی نے عمرہ کا فائدہ اٹھالیا ہے اور اب حج سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو ایک مرتبہ پھر جیسی قربانی میسر ہو کرے اور قربانی نہ پائے تو تین روزے حج کے دوران اور سات روزے واپسی پر رکھے ،یہ کل ملا کر ۱۰ ہوتے ہیں یہ حکم ان کے لیے ہے جن کے گھر والے

مسجد حرام میں موجود نہ ہوں۔

۴۔اللہ کا تقوی اختیار کرو۔جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔

آیئے اب پہلی کیفیت کے تحت جو حکم ہوا ہے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ایک شخص حج یا عمرہ کے لیے نکلا راستے میں اسے دشمن ملک سے گزر کر جانا ہے، غلطی کی بنا پر دشمن ملک میں پکڑا گیا۔ظاہر ہے اب وہ ایک قیدی کی کیفیت میں ہے۔اس کی تمام ضروریات زندگی پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔اس کے باوجود اس کے پاس جو کچھ چھوڑا گیا تھا اس کو اس نے قربانی کی خرید پر خرچ کر دیا۔اب وہ اس قربانی کو مکہ تک بھیجے گا۔ایک لمہ کے لیے وقفہ کیجئے اور سوچیے کہ۔۔۔

۱۔ایک قیدی یا محصور شخص کس طرح دشمن ملک میں قربانی کا جانور خریدے گا؟ وہ قید سے کیسے بھاگے گا کہ قربانی کا جانور خرید سکے؟

۲۔اس کے پاس اتنی رقم کہاں سے آئے گی کہ وہ بکرا خرید سکے

۳۔کون اس کے لیے قربانی کا جانور خریدنے کا بندوبست کرے گا

۴۔کون اس جانور کو مکہ تک لے کر جائے گا؟

۵۔آج کا کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ علماء فرماتے ہیں کہ وہ رقم بھیج دیگا۔۔۔جی ہاں دشمن ملک سے کرنسی بھیجنا اتنا آسان ہے؟ اور ممکن ہے منی لانڈرنگ کے جرم میں پھنس جائے۔

اسلام کی یہ مروجہ تعبیر تو ۱۴۰۰ سوسال سے چلی آرہی ہے جب اونٹوں پر یا پیدل حج ہوا کرتا تھا۔ سوچئے کہ اس وقت کے حالات میں دشمن ملک میں کس طرح یہ مراحل تکمیل پاتے ہوں گے؟ دوسری کیفیت جس میں وہ قیدی مزید مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے یعنی سر کے مرض کی وجہ سے اسے سر منڈوانا پڑتا ہے مثال کے طور پر شوگرز کا مریض خون میں شوگر کی زیادتی کی وجہ سے سر کے پھوڑوں میں مبتلا ہو گیا اور علاج کے لئے سر منڈوانا پڑا اس وجہ سے اس کو تین متبادل صورتوں میں کسی ایک کو قبول

کرنا ہے۔

۱۔روزہ رکھے۔۔۔کیا شوگر کا مریض روزہ رکھ کر اپنا کیا حال کرلے گا۔۔۔۔جی ہاں وہ مرجائے گا

۲۔صدقہ دے۔۔۔۔وہ پہلے ہی قیدی بنا ہوا ہے،تمام مال ومتاع دشمن کے قبضے میں چلا گیا ہے صدقہ کہاں سے دے

۳۔قربانی دے۔۔۔پہلے جو میسر تھا وہ قربانی پر لگا چکا اب کہاں سے قربانی کرے گا؟ قربانی کی جگہ بعض مترجمین نے۔۔نسک۔۔کا ترجمہ عبادت کیا ہے،اب یہ کون سی نئی عبادت ہے؟ نماز پہلے ہی پڑھ رہا ہے،حج کر نہیں سکتا،روزہ رکھ نہیں سکتا،صدقہ دے نہیں سکتا،یہ تمام شرائط ایک بیمار قیدی کے لئے ناقابل عمل ہیں۔خاص طور پر روزہ رکھ کر تو مریض موت کے منہ میں چلا جائے گا۔

۴۔جب امن کی کیفیت ہو جائے تو حج اور عمرہ کے بعد

۔۔۔۔۔۔جو بھی آسانی سے میسر ہو تو ایک مرتبہ پھر قربانی دے۔اور اگر استطاعت نہیں تو وہ حج کے دوران تین روزے رکھے اور واپس لوٹنے پر سات روزے پھر رکھے گا یہ پورے دس ہو گئے۔۔۔۔

(عمومی ترجمہ)

آیت کا ترجمہ خود بتا رہا ہے کہ کچھ گڑ بڑ ہے ترجمہ کی رو سے۔۔۔یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام (یعنی مکہ میں) رہنے والے نہ ہوں۔۔یعنی مصیبت ہے تو انہی کو جو باہر سے آرہے ہیں۔مکے والے مزے لوٹ رہے ہیں۔ان کے لئے کوئی بندش،پابندی یا سزا نہیں۔ کیا مکے والے اللہ کے زیادہ قریب ہیں اور باقی دنیا والے نہیں؟ حالانکہ رعایت تو باہر سے آنے والوں کو ملنی چاہیئے۔

آیئے ان آیات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں

اس آیت میں لفظ۔۔الحج۔۔معروف بالام ہے۔یہ اسم معرفہ ہے یعنی حج ہزاروں طریقہ سے ہوتا ہے

لیکن وہ خاص حج جوان آیات میں بیان ہوا ہے۔۔الحج۔۔ ہے
العمرہ۔۔بھی اسم معرفہ ہے کیونکہ معروف باللام ہے۔۔العمرۃ کا مادہ,,,ع م ر،،، ہے جس کے معنی
بہت معروف ہفس۔عمر گزارنا، زندگی گزارنا، بسنا، آباد کرنا۔
معمول کی پرامن زندگی گزاری جائے یا کسی محتاجی پر احتجاج کیا جائے ہر حالت میں اللہ کے احکامات
کے مطابق ہونا چاہیئے۔ہم نے اللہ کی ذات کو خوش کرنے کے لئے الحج اور العمرہ کو عبادت کا رنگ دے
دیا ہے۔حالانکہ عمرہ اس زندگی کو کہتے ہیں جو معمول کے مطابق امن کی کیفیت مفں گزر رہی ہو۔اور
حج اس احتجاج کو کہتے ہیں جو حقوق کی بازیابی کے لئے کیا جاتا ہے،اس میں معشرے کی بے چینی سے
لے کر جنگ کی کیفیت تک شامل ہے،البتہ جنگ سب سے بڑا طریقہ ہے اس لئے,,حج اکبر،، کہا
گیا ہے۔
اس آیت کا اگلا جزو بتا رہا ہے کہ اس مقام پر امن کی کیفیت نہیں ہے کیونکہ ارشاد ہوا۔۔۔فان
احصر تم اگر تم محصور کر لئے جاؤ،محصور کی کیفیت تنگی اور بے چینی کی ہوتی ہے،امن کی کیفیت نہیں
ہوتی اور انسان احتجاج پر مجبور ہوتا ہے، جب اس طرح کی تنگی کی کیفیت ہو تو حکم ہوا۔۔فما استیسر
من الھدی۔۔۔تو جو بھی ہدایات میسر ہو
الھدی۔۔ بھی معروف باللام ہے اس لفظ کا ترجمہ بائبل سے متاثر ہو کر ہمارے مفسرین اور مترجمین نے
قربانی کیا ہے اور خدا کا ایک ایسا تصور دیا ہے جو خون کا پیاسا ہے اور اس کے لئے قربانی دیکر خون
بہانا عین ثواب کا کام ہے۔ایک زمانہ تھا کہ جنگلی قوموں میں بچوں اور حسین عورتوں کی قربانی دے کر یہ
رسم پوری کی جاتی تھی،آج انسانوں کی جگہ جانوروں کی قربانی دے کر یہ رسم ادا کی جا رہی ہے
۔۔ الھدی۔۔ کا مادہ۔۔ھدی۔۔ جس کے معنی ہدایات کے ہیں کیونکہ احتجاج کرتے ہوئے
انسان اس خطرہ کو مول لیتا ہے کہ پکڑا جائے اس لئے اگر ایسا ہو جائے اور ہدایات کا سلسلہ منقطع ہو

جائے تو جو بھی ہدایات میسر ہوں ان پر عمل کیا جائے۔لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ دشمن کو اس مہم کے کرتا دھرتا لوگوں کا پتہ نہ لگنے پائے,,یو لا تحلقو رؤسکم،،،اپنے رئیسوں کا حلقہ بناؤ۔۔۔۔ قران کی اس ہدایت پر عمل کرتے ہوئے قرون اولی کے مسلمانوں نے آدھی سے زیادہ دنیا فتح کی ،مگر یہودیوں نے عیاش بادشاہوں کی مدد سے قران کے تراجم تبدیل کروا کر بائبل کی کہانیوں کو تفسیر بنا کر مکے میں صائبین کے حج کی عبادت کو اسلام کا رکن بنا دیا اور مسمان چھوٹی ریاستوں اور فرقوں میں بٹتے چلے گئے۔

اگر دشمن کو مہم کے لیڈران کا پتہ چل جائے تو مہم ناکام ہو جاتی ہے اور اگر تمہارا اپنے رئیس سے ہی اختلاف ہو گیا ہے اور اگر یہ تمہاری استطاعت کی کمی کی وجہ سے ہے یا تمہارے رئیس کے حکم کی وجہ سے تم ایزا میں مبتلا ہو تو پہلے اس کے متعلق تربیت حاصل کرو اس لیے ارشاد ہوا۔۔فمن کان منکم مریضا۔۔۔پس تم سے جو کوئی کسی کمی میں مبتلا ہو۔۔۔او به اذامن راسه۔۔۔یا یہ کہ اس کمی کی وجہ سے رئیس کی طرف سے ایزا میں مبتلا ہو گئے ہو تو تربیت حاصل کرو یا کوئی ایسا عمل کرو جس سے تمہارا دعوی سچ ثابت ہو ورنہ کسی اور کام کی ذمہ داری سونپی جائے گی۔اور بات رئیس سے اختلاف جھگڑے تک پہنچ گیا جس کے متعلق آگے فرمایا جا رہا ہے کہ حج کے معاملے میں نہ تو بدکلامی ہونی چاہئے اور نہ ہی حکم عدولی اور نہ ہی جھگڑا۔۔یہی وہ کیفیات ہیں کہ جن کے لئے حج کے دوران ہی تین تربیتی کورس ہوں گے

﴿فا ذا امنتم فمن تمتع با لعمرة الی ماحج فما استیسر من الھدی﴾

پس جب تم امن میں آ جاؤ تو جس نے امن سے لے کر احتجاج کرنے تک جو بھی ہدایات میسر ہوں ان کے مطابق فائدہ حاصل کرنا ہے

﴿فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایامٍ فی الحج و سبعةٍ اذا رجعتم تلك عشرة کاملة﴾

پس جو ہدایات کو نہ پائے توج کے معاملے تین تربیتیں ہیں یعنی اختلاف کے وقت بدکلامی حکم عدولی اور جھگڑے کا نہ ہونا۔اورمزید تربیتی نشیستیں جب تم رجوع کرتے ہو یہ معاشرے کی تکمیل ہے

﴿ذلك لمن لم يكن اهله حاضری المسجد الحرام و اتقوا الله وا علمو ان الله شديد العقاب﴾

یہ حکم ان کے لیے ہے جن کی اہلیت ان احکامات پر کاربند رہنے کا پابند کرتے ہیں، نہیں ہے۔اللہ کا تقوی اختیار کرو اور جان لو کہ اللہ کی پکڑ سخت ہے

سورۃ البقرہ کی آیات ۱۹۷ میں ارشاد ہے

﴿الحج اشهر معلومات فمن فرض فيهن الحج﴾

حج کے مہینے معلوم ہیں پس جو کوئی بھی ان مہینوں میں حج کو فرض کرے (عمومی ترجمہ)

یہ ہے وہ ترجمہ جو ہمارے مترجمین اور مفسرین نے صائبین کے حج کو سامنے رکھ کر کیا ہے جس کا پہلا جملہ چونکا دینے کے لیے کافی ہے۔۔۔حج کے مہینے معلوم ہیں پس جو کوئی بھی ان مہینوں میں حج کو فرض کر لے۔۔۔۔اس توجمے کے مطبق توج کئی مہینوں پر محیط ہونا چاہیئے جب کہ آج کا مروجہ حج ایک دن میں ہو جاتا ہے یعنی میدان عرفات میں جس نے نصف دن بھی گزار لیا اس کا حج ہو جاتا ہے یہ چند گھنٹوں میں مکمل ہونے والا حج کب شروع ہوا؟

﴿فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج وما تفعلو کن خيرٍ يعلمه الله و تزو دو فان خيرا الزاد التقوى و اتقون يا اولى الا لباب﴾

پس نہ جنسی رغبت، قانون شکنی اور نہ دنگا فساد ہو۔اور جو کچھ بھی تم نیکی سے کرو گے تو اس کا علم اللہ کو ہے ۔سفرِ حج کے لیے زادراہ لے لو اور سب سے بہتر زادراہ پرہیز گاری ہے۔ (عمومی ترجمہ)

ملاحظہ فرمایئے جس کسی نے ان مہینوں میں حج فرض کیا تو کوئی جنسی تعلق قائم نہیں کرے گا، کوئی قانون

شکنی یا لڑائی جھگڑا نہیں ہونا چاہیئے۔یعنی جو بھی حج کے مہینے معین کیے ہیں ان میں کسی وقت بھی حج ہوسکتا ہے۔دیکھ لیں،حکم ہے جس کسی نے ان مہینوں میں حج فرض کیا،یعنی یہ انسانوں کی صوابدید پر چھوڑا گیا ہے کہ حج کے مہینوں میں جب بھی چاہیں حج فرض کر لیں۔۔جو کوئی بھی ان مہینوں میں حج کو فرض کرے۔۔۔جس کا مطلب ہے ہر شخص کو اختیار ہے کہ جب چاھے حج فرض کرے۔

ان آیات میں شھر کا ترجمہ مہینہ ہی کیا گیا ہے اس لیے کہ یہ وہ ترجمہ ہے جو ہر مترجم نے کیا ہے شھر کا لفظ شہرت سے ہے کیونکہ مہینے بھی مشہور ہوتے ہیں اس لیے شھر کا ایک معنی مہینہ ہوسکتا ہے لیکن دوسرے معنی جو کہ قران کی آیات سے مطابقت رکھتے بھی زیر غور ہونے چاہئیں۔خاص طور پر ان مقامات پر جہاں شھر کے معنی مہینہ کرنے سے مفہوم ہی الٹ جاتا ہے۔ شھر کے دوسرے معنی۔۔کسی کیفیت یا حالت جو کہ مشہور ہو۔۔۔کے ہوتے ہیں۔شھر کے دوسرے معنی سامنے رکھتے ہوئے ترجمہ کچھ یوں ہوگا ۔۔۔الحج کے معاملات وحالات معروف ومعلوم ہوتے ہیں تو جس کسی نے ان حالات کے معاملے میں حج کو فرض کیا تو کوئی بدکلامی کوئی قانون شکنی اور کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہونا چاہیئے اور جو بھی تم نیکی سے کروگے اللہ کو اس کا علم ہے۔

آگے ارشاد ہے۔۔۔

و تزو دوا

اگر تم بڑھتے ہو۔

جس کا عمومی ترجمہ کیا جاتا ہے

زادِراہ لے لیا کرو

حالانکہ آگے بڑھنے کا جواب اگلے حصے میں یوں ہے

فان خیر ازاد التقوی

تو یقیناً ایسی بڑھنا جوتقوی سے مزین ہونیکی ہے۔

اورتقوی اسی وقت آتا ہے جب احکامات قرانی پرعمل کیا جائے تو مطلب واضع ہوکر یوں ہوگا

۔۔۔۔۔اگرتم بڑھوتو یقیناً احکامات قرانی پرکاربندرہنا ہی نیکی ہے۔۔۔

واتقو یا اولی الالباب

اے اہل علم ودانش میرا تقوی اختیار کرو

اس جزو میں یہ حکم اہل علم ودانش کے لیے ہے۔اگرتم بڑھنا چاہتے ہوتو ایسی نیکیوں میں آگے بڑھو جوتقوی سے مزین ہوں یعنی احکامات قرانی پرمبنی ہوں۔اس لیے کہا گیا اے علم ودانش! میرا تقوی اختیار کرو۔

جس کا مطلب ہوا یہ کوئی مذہبی سیروتفریح کا سفرنہیں اورنہ اس کام کے لیے کسی سامان کے لینے کی بات ہورہی ہے بلکہ حج محتاجی دورکرنے کے لیے اہل علم ودانش اورمتقی پرہیزگاروں کا اجتماع ہے تاکہ وہ انسانیت کی حاجات وضروریات پرغورکریں۔عوام الناس کے احتیاج پرغوروفکرکرنے کے بعد ان کی حاجت روائی کے لیے احکامات الٰہی کی بنیادوں پرقوانین مرتب کریں (شومئی قسمت اب یہ کام یہودو نصاری کررہے ہیں کیونکہ اس آیت کی روسے اقوام متحدہ جس کوکہ مکہ میں ہونا چاہیے تھا نیویارک میں ہے،ہم صرف سات چکرلگا کرانسانوں کی حاجت روائی کرتے ہیں)

آگے ارشاد ہے۔۔۔۔۔

﴿لیس علیکم جناح ان تبتغو فضلا من ربکم فاذا افضتم من عرفات فاذکرو الله عند امشعر الحرام و اذ کروه کما هدا کم وان کنتم من قبله لمن الضالین﴾

ہرگزتم پرکوئی رکاوٹ نہیں کہ تم اپنے رب کافضل تلاش کرو۔پس جب تم عرفات سے فیضیاب ہوجاؤ تو اللہ کا ذکرالمشعر الحرام کے مطابق کرواوراس کی یاددھانی ویسے ہی کروجیسے کہ تم کوہدایت دی گئی ہیں۔اور یقیناتم ان ہدایات سے پہلے گمراہوں میں سے تھے

دیکھیے اس آیت سے مزید چند باتیں کھل کر سامنے آ گئیں۔

۱۔اس عرصہ حج میں رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۔اور جب عرفات سے فیضیاب ہو چکو تو اللہ کو مشعر الحرام کے مطابق یاد رکھو

۳۔یاد دھانی کی بنیاد وہ ہدایات ہیں جو عرفات سے ملی ہیں اس کا مطلب ہے عرفات کسی تعلیم کی بنیاد ہے جس سے مستفیض ہو کر اللہ کے احکامات کو یاد رکھنا ہے۔

۴۔ان ہدایات سے پہلے گمراہ تھے

اس آیت میں ایک دو اہم الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن کا جاننا بہت ضروری ہے

۱۔افضتم...اس کا مادہ ف ی ض ہے جس کے معنی ہیں ہٹ جانا، جدا ہو جانا، کثرت سے ہونا، برتن کا بھر جانا فیض حاصل کرنا اسی سے افاض ہے معنی آنسو بہانا پانی گرانا برتن کو لبریز کرنا۔۔مگر ہمارے مترجمین نے اس کا معنی لوٹنا کیا ہے یعنی عرفات سے لوٹنا

۲عرفات۔۔اس کا مادہ ف ی د ہے عرف۔عرفانا کے معنی پہچانا کے ہیں عریف کے معنف سربراہ، تعازف کروانے والا، بہت علم والا عرفات جمع ہے عرافہ کی اور اس کے معنی ہیں علم والی بات حق بات اسی وزن پر خرافہ ہے جس کی جمع خرافات اس کے معنی باطل کے ہوتے ہیں یہ عرفات کی ضد ہے اس طرح عرفات سے مراد قران کی تعلیم جو حق ہے

فاذا افضتم من عرفات... کا ترجمہ ہوگا جب تم قران (کی تعلیم) سے فیضیاب ہو چکو۔۔جس میں کسی میدان کا تصور نہیں آئے گا بلکہ کسی تعلیمی درسگاہ یا حکومتی ادارہ کا تصور آئے گا جہان سے انسان فیضیاب ہوگا۔آیئے اب اس آیت کے تحت جو احکامات ہیں ان پر غور کرتے ہیں

رب کا فضل۔۔۔۔۔اس آیت میں کہا گیا ہے کہ۔۔۔رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ غور کریں کہ ان آیات میں جہاں اللہ کی بجائے رب کا لفظ آتا ہے تو یہ متابدل اصطلاح کیوں آتی

ہے؟ اسی طرح اللہ کی بجائے رحمان کی بات ہوتی ہے آخر کیا وجہ ہے کہ مختلف آیات میں مختلف الفاظ آتے ہیں؟

رب کا لفظ جہاں جہاں قران میں وارد ہوا ہے وہاں خالق کی صفت کی طرف اشارہ ہے جو پالنہار ہے یعنی ایسا نظام جو خالق کے احکامات پر مبنی ہو اور جس کے ذریعے تمام اشیاء خواہ چرند ہوں یا پرند، جاندار ہوں یا بے جان، کی پالنہاری یعنی ربوبیت کی ذمہ دار ہو، اسی کو نظام ربوبیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسی طرح اگر کسی جگہ خالق کی صفت رحمانیت کا تذکرہ ہے تو اس نظام کی ذمہ داری کی طرف اشارہ ہے جو احکامات قرانی پر مبنی ہو اور جس میں رحمت کا پہلو نمایاں ہو۔ یعنی نظام تو احکامات قرانی پر مبنی ہوگا لیکن جن قوانین میں رحمت کا پہلو اجاگر کرنا ہوگا وہاں پر رحمٰن کے حوالے سے بات ہوگی۔ نظام میں جہاں فالنہاری کی صفت کو فوقیت دینی ہو وہاں پر رب کا لفظ آتا ہے۔اس مقام پر ایک اور بات بھی واضع ہو جائے کہ ہر آیت کے بعد اللہ کی صفت بیان ہوتی ہے جیسے۔۔۔

ان الله سميع البصير

اللہ سننے اور دیکھنے والا ہے

ان الله سريع الحساب

اللہ جلد حساب لینے والا ہے

ان الله احكم احاكمين

اللہ سب سے بہتر فیصلے کرنے والا ہے

غور کریں کہ قران خالق کی اتنی تعریف و توصیف کیوں کرتا ہے۔کلام بھی اللہ کا ہو اور خود اللہ اپنی تعریف کرے عجیب سی بات لگتی ہے، خود تعریفی کا جذبہ اگر انسان کے لیے مستحسن نہیں تو اللہ کیونکر اپنے لیے پسند کرے گا۔ ہر مذہب کے پیشواؤں نے اس کا غلط استعمال کر کے انسانوں میں خالق کے لیے خوشامدی

کلمات کی بھر مار کردی ہے اور یہ تصور دیا ہے کہ خالق کی جتنی تعریف کرو وہ اتنا ہی خوش ہوتا ہے اور انسان جتنے جوش وجذبے سے ان کلمات کو پیش کرے گا خالق اتنا ہی خوش ہو کر اسے نوازے گا اس طرح مذہب میں تعریف وتوصیف کرنے کا طریقہ رائج ہوا ۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ قران میں جہاں الہ کی تعریف وتوصیف آئی ہے وہاں دراصل اس کا کیا مفہوم ہے؟

قران جب یہ کہتا ہے ...اقرضو الله قرضا حسنا...اللہ کو قرض حسنا دو تو ہم اللہ کو قرض حسن تو نہیں دیتے اس لیے جس اللہ کا تصور ہمیں دیا گیا ہے وہ آسمانوں میں ہے اور غیر مرئی ہے جو ہم کو نظر نہیں آتا ہے، اس لیے قرض حسن ہم کسی محتاج، غریب کو دے آتے ہیں۔لیکن کیا آپ نے کبھی سوچا۔۔۔ کہ مذہب کی دنیا کا یہ سب سے بڑا شرک ہے۔۔۔آپ سے کہا گیا تھا کہ اللہ کو قرض حسن دو۔۔۔ جب کہ آپ ایک انسان کو قرض حسن دے آئے۔۔۔آپ نے اس انسان کو اللہ کا درجہ دے دیا۔۔۔ آپ نے تو ایک انسان کو الہ بنا دیا۔۔۔کتنا بڑا شرک کیا۔۔۔۔۔۔جی نہیں۔۔۔گھبرایئے

نہیں۔۔۔اصل بات یہ ہے ,,اقرضو الله قرضا حسنا،،اللہ کو قرض حسن دو، اس کا مطلب ہے کہ اس مملکت کو قرض دو جو اللہ کے احکامات پر مبنی ہو اور جہاں ان تمام ذمہ داریوں کو پورا کرے جس کی اللہ ذمہ داری لے رہا ہے جن کا اللہ نے وعدہ کیا ہے، کوئی شخص محتاج نہ ہو اگر کوئی حاجتمند ہے تو اس مملکت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس حاجت کو پورا کرے۔اگر ایسی مملکت موجود نہیں تو ان لوگوں کی ذمہ داری ہے جو احکامات الہی کو اپنا ھادی سمجھتے ہیں وہ مملکت کی ذمہ داری اٹھائے اور جہاں جہاں انسانیت کو محتاجی کا سامنا ہے ہو حاجت روائی کرے۔اسی طرح جہاں جہاں رب کا لفظ آیا ہے وہاں بھی اس مملکت کی صفت کو اجاگر کیا گیا ہے اور ایسا نظام مقصود ہے جو انسانوں کی پالنہاری کی ذمہ داری اٹھائے اس لیے جب کہا جاتا ہے

لیس علیکم جناح ان تبتغو فضلا من ربکم

تم پر ہر گز رکاوٹ نہیں ہے کہ تم اپنے رب سے فضل تلاش کرو

تو یقیناً ایک ایسے نظام کی بات ہو رہی ہے جس میں ربوبیت کا بھرپور اظہار ہو۔ اس لیے حج بنیادی طور پر اسلامی نظام کا وہ اجتماع ہے جو کسی بھی وقت منعقد کیا جا سکتا ہے اور جس میں اولی الالباب یعنی اہل علم و دانش اور صاحبان اختیار ایسا نظام مرتب کریں جس سے انسان کی محتاجی دور ہو اور عدل و انصاف کے ذریعے ہر انسان کی ضرورت اس کے دروازے پر مہیا ہو۔

مشعر الحرام.... مشعر کا مادہ۔۔ش ع ر۔۔جس کے معنی شعور کے ہیں اور م لگانے سے اسم ظرف بن جاتا ہے یعنی وہ مقام جہاں سے شعور حاصل ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ تعلیم جس کے ذریعے مقصود کا شعور حاصل ہو۔ المشعر معروف بالام ہے اور المشعر الحرام۔۔ایسا شعور جو حرام سے متعلق ہو۔ اور حرام سے پہلے بھی ال لگا کر اس کو معروف بالام بنایا گیا ہے اور حرام کا مادہ۔۔۔ح ر م ہے جس کے بنیادی معنی ہیں منع کرنا، روکنا، محروم کرنا۔ مشعر الحرام۔۔ان پابندیوں کا ادراک ہے جو عرفات (یعنی قران کی تعلیمات) سے حاصل ہوتی ہیں۔ آگے دیکھئے

واذکروہ ۔۔میں ,,ہ،، کی ضمیر کا مرجع یا تو اللہ ہو سکتا ہے یا مشعر الحرام، مفہوم کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں پڑتا,یہ،، کا مرجع اراللہ ہے تو بھی احکامات الٰہی مقصود ہے اور اگر مشعر الحرام ہے تو بھی وہ احکامات ہیں جو پابندیاں عائد کرتے ہیں لیکن اس سے کسی اینٹ، پتھر کی عمارت مراد نہیں ہو سکتی اس لیے یاد دھانی تو اس کی کرانی ہے جس کی ھدایت ملی ہے۔ واذکروہ کما ھد کم۔اس کی ایسی یاد دھانی کراؤ جیسی کہ تمہیں ھدایت ملی ہیں اور بات بالکل واضع ہو جاتی ہے۔

وان کنتم من قبلہ لمن الضالین۔

اور یہ کہ تم اس سے پہلے گمراہوں میں تھے۔ یہاں خود سے سوال کیجئے کہ انسان کس چیز کے حصول سے پہلے گمراہ ہوتا ہے؟ آپ کا جواب ہو گا انسان کسی صحیح بات کے معلوم ہونے سے پہلے گمراہ ہوتا

ہے۔اوراب خود سے پوچھئے کہ حج کے بعد وہ کون سی تبدیلی پتی ہے جس سے پہلے لوگ گمراہیوں میں ہوتے ہیں۔ یقیناً نہ تو کسی عمارت کی زیارت سے گمراہی دور ہوتی ہے اور نہ ہی کسی میدان میں ایک دن کی عبادت سے نہ تو عمارت کی زیارت سے ھدایات ملتی ہیں اور نہ ہی ایک دن کی عبادت سے۔ یہ ان آیات کا سب سے اہم ترین جزو ہے۔ کیونکہ یہ جزو حج کو بالکل کھول کر بیان کر دیتا ہے۔ ایک لمحہ کے لیے رکئے اور غور کریں کہ عرفات سے پہلے وہ انسان جو گمراہ تھا کس طرح عرفات سے گزرنے کے بعد گمراہی کو چھوڑ بیٹھا (آج کل تو سب لوگ ایک خطبہ سنتے ہیں وہ بھی چند ہزار باقی کھانے کی بھاگ دوڑ میں اور کچھ ایک پہاڑی پر چڑھنے کی کوشش میں دن گزارتے ہیں یا موبائل پر اپنے عزیز و اقارب کو عرفات میں پہنچنے کی خوشخبری دیتے ہیں) اگر عرفات کوئی میدان ہے تو۔۔۔۔۔

۱۔ کیا عرفات سے گزرنے والا ہر شخص گمراہ ہوتا ہے؟

۲۔ کیا عرفات سے گزرنے کے بعد انسان گمراہی چھوڑ کر صحیح راستے کو اختیار کر لیتا ہے؟

۳۔ کیا قران میں دوسرے مقامات پر اس طرح گمراہی سے نکلنے کا ذکر کیا گیا ہے؟

پہلے سوال کا جواب تو نفی میں ہے۔ اس لیے کہ ہمیں پورا یقین ہے کہ حج پر جانے والے مذہبی علماء پہلے گمراہ نہیں تھے۔ دوسرے سوال کا جواب بھی نفی میں ہے کہ حج کرنے کے بعد رتی برابر فرق نہیں پڑتا بلکہ زیادتی کرنے کا اجازت نامہ مل جاتا ہے۔ اب آخری سوال کا جواب قران کی سورۃ العمران آیت ۱۶۴ اور سورت الجمعہ کی آیت ۲ میں موجود ہے۔

﴿لقد من الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلو عليهم آياته و يزكيهم و يعلمهم الكتاب و الحكمة وان كانو من قبل لفى ضلال مبين﴾

یقیناً اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول کو مبعوث کیا جو ان کو اس کی آیات سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ کہ اس

سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے (عمومی ترجمہ)

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب وحکمت ملنے سے پہلے لوگ گمراہ تھے اس لیے رسول معبوث کیا گیا تا کہ وہ اللہ کی آیات لوگوں کو بتائے اوراس کے ذریعے لوگوں کا تزکیہ کرے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور یہ کہ رسول کی کتاب وحکمت کی تعلیم سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے اور یہی بات سورت الجمعہ کی آیت ۲ میں بتائی گئی ہے۔

﴿هو الذى بعث فى الا ميين رسولا منهم يتلو عليهم آياته و يزكيهم و يعلمهم الكساب و الحكمة وان كانو من قبل لفى ضلالٍ مبينٍ﴾

وہ ہی تو ہے جس نے (الہامی) کتب سے ناواقف لوگوں کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول معبوث کیا جوان اس کی آیات سنا تا ہے اوران کا تڑ کیہ کرتا ہے اوران کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ کہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ میدان عرفات میں چند گھنٹوں کا قیام تعلیم کے حصول تڑ کیہ یا کتاب وحکمت کے حصول کا باعث بن سکتا ہے اور وہ بھی بیس لاکھ افراد۔آج تک تو میدان عرفات کا قیام کسی مسلمان کو ذرہ بھر بھی عقل نہ دے سکا،گمراہی سے نکالنا تو دور کی بات ہے۔گمراہی سے نکلنے کے لیے تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آیئے اب ان آیات کا ما حاصل چند جملوں میں بیان کرتے ہیں۔

۱۔حج ایک ایسا اجتماع ہے جس میں مخصوص حالات وکیفیات سے متعلق احتجاج اوراحکامات الٰہی پر مبنی دلائل کے ذریعے دوسروں کو قائل کیا جائے گا۔

۲۔اس اجتماع کے ایام انسان خود ضرورت کے مطابق طے کریں گے۔یہ مخصوص مہینے یا مخصوص دن کی بات نہیں بلکہ جب بھی ایسے اجتماع کی ضرورت محسوس ہو اس کو منعقد کرنے کے لیے دن وتاریخ

متعین کرے گی

۳۔اس احتجاج میں کسی قسم کی بدکلامی،قانون شکنی اور بحث ومباحثے میں لڑائی جھگڑے تک پہنچنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

۴۔نیکی میں مزید سے مزید تر ہونے کی کوشش کرنی ہے اور نیکی کا سب سے اعلی مقام تقوی کی بنیاد پر ہے جس کو انتہائی خیر کہا گیا ہے۔

۵۔قران نے حج پر جانے والوں کو نصیحت کرتے ہوئے ,,اولی الاباب،،، کہا ہے اس لیے حج کے اجتماع میں صرف اہل علم ودانش ہی شرکت کرتے ہیں۔

۶۔عرفات کسی میدان کا نام نہیں بلکہ احکامات الہی کی معرفت ہے۔اس اجتماع میں احکامات الہی سے معرفت حاصل کر کے فیضیاب ہونا ہے جس میں نظام ربوبیت کے حصول میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوتی

۷۔احکامات الہی سے فیضیاب ہونے کے بعد نظام ربوبیت کے حصول کے لیے ضابطہ کو متعین کرنے کے بعد اس کی یاددھانی کرانی ہے یہ ایسا لائحہ عمل ہوگا جو انسان کو غلط اعمال سے روکتا ہے۔

۸۔اور یہ یاددھانی انہیں بنیادوں پر ہوگی جو احکامات الہیں کی ھدایات کے مطابق پہلے طے کی جاچکی ہیں جن سے پہلے وہ گمراہ تھا۔

ان باتوں کو آسانی سے اقوام متحدہ کا قیام سمجھا جاسکتا ہے۔جو مکہ میں ہو۔۔۔۔۔۔۔اور اس کے تحت قوانین، پالیسیاں اور رولز بنیں جن پر تمام اقوام عمل کریں اور ان تمام کی بنیاد قران ہو۔تا کہ دنیا کو امن مہیا کیا جاسکے اور غربت کا مکمل خاتمہ ہوسکے۔جب کہ صدر دفتر مدینہ میں قائم ہو اور یہی اطاعت رسول ﷺ ہوگا۔

سورۃ الحج کی مابعد آیت کا بھی مفہوم یہی ہے لیکن وہاں حجت قائم کرنے کی انتہائی کیفیت کا ذکر ہے

جہاں ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ زیادتی کر رہی ہے اس احتجاج میں آخری حجت قائم کرنے کا طریقہ بیان ہوا ہے جسے سورۃ توبہ میں حج اکبر سے تعبیر کیا ہے۔ یہ تیسرف آیت ہے جو حج کے متعلق پیش کی جاتی ہے

﴿واذن فی الناس بالحج یاتوك رجالا و علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق﴾

اور لوگوں میں حج کا اعلان کرو کہ دور دراز وادیوں سے پیدل اور دبلی اونٹنیوں پر لوگ تیرے پاس آئیں (۲۲:۲۷) عمومی ترجمہ ترجمے سے معلوم ہوا کہ

۱۔ حج کا اعلان تمام انسانوں کے لیے ہوگا۔

۲۔ لوگ پیدل اور اونٹنیوں پر آئیں گے

اس کا مطلب ہے کہ حج حکم قرانی کے تحت صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ تمام انسانیت کے لیے بلا امتیاز رنگ و نسل اور مذہب ہوگا اور حج کے لیے یا تو پیدل جانا ہوگا یا اونٹنی کا استعمال کیا جائے گا ورنہ حکم قرانی کی خلاف ورزی ہوگی،، اور جو اس سے فقہی تاویل کرتے ہیں کہ جہاز یا گاڑی پر بھی جاسکتا ہیں خدا کے علم کو چیلنج کرتے ہیں۔ ورنہ اللہ رب العزت صرف آنے کا حکم دیتے جو ہر قسم کی سواری پر لاگو ہوسکتا تھا مگر اس آیت میں اللہ نے حج پر آنے کو پیدل یا اونٹنی سے مشروط کردیا ہے۔ اس آیت میں تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں

۱۔ فی الناس ۲۔ رجالا ۳۔ ضامر

فی الناس۔۔۔۔ انسانوں کے درمیان، انسانوں میں یا انسانوں کے معاملے میں۔ یہ تینوں فی الناس کا ترجمہ ہوسکتے ہیں جس کا مطلب ہوا کہ یہ کوئی ایسا اجتماع ہے جو انسانوں کے معاملے میں منعقد ہوگا یا جس کا اعلان تمام انسانوں کے درمیان ہوگا۔ بلکہ ایک بین الاقوامی کانفرنس ہے جس میں اقوام عالم کے تمام مسائل زیر بحث لاکر ان کا حل ڈھونڈا جائے گا۔

رجالا۔۔جس کی ترجمہ عام طور پر پیدل کیا جاتا ہے،،، حقیقت میں رجال کی تعریف سورت توبہ میں یوں ملتی ہے

﴿لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیه فیه رجال یحبون ان یتطهرو والله یحب المطهرین﴾

البتہ وہ مسجد جو اول روز سے تقوی پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔اس میں ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ ان کو پاک کیا جائے اور اللہ پاکیزگی اختیار کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔ (عمومی ترجمہ)

اس عمومی ترجمہ سے رجال کا کیا تصور سامنے آتا ہے؟ مسجد میں جسے عبادت گاہ کہا جاتا ہے نہ تو لوگ صرف پیدل جاتے ہیں کہ رجال کا ترجمہ پیدل کریں اور نہ ہی مسجد میں صرف مرد جاتے ہیں کہ آپ رجال کا ترجمہ مرد کریں عورتیں بھی مسجد جاتی ہیں یعنی مسجد میں جانے والے مرد،عورتیں سب رجال ہوتے ہیں۔ بنیادی طور پر رجال وہ لوگ ہیں جو ارادہ کے پختہ ہوں اور ہر قسم کے حالات کا ثابت قدمی سے سامنا کرنے کی ہمت رکھتے ہوں۔اوران میں مرد حضرات کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ جب کہ سورۃ الحج کی اس آیت میں رجالا فعل حال ہے یعنی ایک کیفیت کو بیان کررہا ہے۔

ضامر۔۔اس لفظ کا ملدہ ,,ض م ر،،، ہے جس کا مطلب ہوتا ہے پختہ ارادہ کرنا، دبلا ہونا اور پوشیدہ ہونا ۔حج کے اجتماع میں آنے والے لوگ رجال ہوں گے یعنی جو پختہ ارادہ اور اصولوں پر مبنی بات کرتے ہوں اور باضمیر ہوں گے۔۔۔چونکہ حج کو صابئین کی سنت بنانا مقصود تھا اس لیے ضامر کا ترجمہ دبلی پتلی اونٹنی کیا گیا جو بعد میں ۔۔البدن۔۔موٹی تازی ہوجاتی ہے تاکہ ان کی قربانی کی جائے اور واپسی کے سفر کے لیے پیدل راستہ طے کیا جائے۔ومن یرغب عن سنتی فلیس منی ,,جس نے میری سنت کو چھوڑا وہ مجھ سے نہیں،،کی راگنی گانے والے حج کے دوران میں یہ حدیث کیوں بھول جاتے ہیں؟اور پھر ہوائی

جہازوں میں اور بڑی بڑی ائر کنڈیشنڈ گاڑیوں میں فائیو سٹارز ہوٹلز میں مکہ تشریف لاتے ہیں۔
حیرت کی بات یہ ہے کہ عرب کے صحرائی بدووں کی ثقافت کو اسلام اور سنت کا نام دینے والے قرانی حکم کو کیوں بھول جاتے ہیں؟
اب آخر میں ان آیات کا نچوڑ۔۔۔

﴿ان الله يدافع عن الذين امنو ان الله يحب كل خوانٍ كفورٍ۔۔ اذن للذين يقاتلون بانهم ظلمو وان الله على نصر هم لقدير﴾

یقینی طور پر اہل ایمان کی طرف سے اللہ مدافعت کرتا ہے اور الل بے شک خیانت کرنے والے انکاری کو پسند نہیں کرتا۔ ان لوگوں کو اجازت دی گئی جب جنگ تھوپی گئی کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور یقیناً اللہ ان کی مدد کی صلاحیت رکھتا ہے۔ (۲۲:۳۸_۳۹)

ان آیات میں ایک ایسی قوم کا ذکر ہو رہا ہے جو دوسری قوم پر ظلم کر رہی تھی اس لیے اس قوم کو جس پر ظلم ہوا تھا اجازت دی گئی کہ وہ ظالم قوم کا اسی انداز سے جواب دے اور اس عمل کو حج کہا گیا ہے
آیئے ان آیات کا سیاق وسباق کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں آیت نمبر ۲۵ سے اس موضوع کا آغاز ہوتا ہے۔

﴿ان الذين كفرو و يصدون عن سبيل الله و المسجد الحرام الذى جعلناه للناس سواء اعاكف فيه و الباد ومن يرد فيه با لحادٍ بظلمٍ نذقه من عذاب اليمٍ﴾

یقینی طور پر وہ لوگ جو احکامات الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کے راستے یعنی مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے تمام انسانوں کے لیے برابر قرار دیا ہے خواہ وہ وہاں رکے رہنے والا ہو یا باہر سے پنے والا۔ جو کوئی بھی الحاد اور ظلم کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کو دردناک عذاب کا مزا چکھاتے ہیں۔

(عمومی ترجمہ ۲۲:۲۵)

یہ آیت حج کی بنیاد ہے اور عمومی ترجمہ کی بھیاس میں واضع طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ ایسے انکاری لوگ جو انسانیت کو احکامات الٰہی سے روکتے ہیں تو انہیں دردناک عذاب کا مزا چکھنا ہو گا یعنی یہ اس شخص کے خلاف اعلان ہے جو انسانیت کو اللہ کے راستے سے روکتا ہے۔ جس کی مثال سیدنا ابراھیم کے واقعے سے دی گئی اسی لیے حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کا حوالہ دینے سے پہلے کہا گیا۔۔ واذ۔ (اور یاد رکھو)

﴿واذ بوّانا لا ابراھیم مکان البیت ان لا تشرك بی شیا وطھر بیتی للطائفین و القائمین و الرکع السجود﴾

یاد رکھو اس واقعہ کو جب ہم نے ابراھیم کو گھر کے لیے ٹھکانہ دیا کہ میرے ساتھ کسی طرح کا اشتراک نہیں کرو گے اور میرے گھر کو ان لوگوں کے لیے آلودگی سے پاک رکھو گے جو بار بار اس گھر میں آنے والے ہوں گے اور جوڑ ٹنے والے ہوں گے اور میرے آگے جھکنے والے، اور ہر حکم کے آگے آمادگی کے ساتھ سرنگوں ہونے والے لوگ ہوں گے۔ (۲۲:۲٦)

﴿واذن فی الناس بالحج یاتوك رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق ﴾﴿لیشھدوا منافع لھم و یذکرو ا اسم اللہ فی ایام معلوماتٍ علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام فکلو ا منھا و اطعموا البائس الفقیر﴾﴿ثم لیقضوا تفثھم و لیوفو نذور ھم و لیطو فوا بالبیت العتیق﴾

انسانوں کے درمیان یا ان کے معاملے میں حج کا اعلان کرو کہ تیرے پاس مرد میدان اور ثابت قدم لوگ دور دراز علاقوں سے آئیں۔ تا کہ وہ خود اپنے فائدہ کا مشاہدہ کریں اور معلوم ایام کے معاملے میں اللہ کے احکامات کو پیش نظر رکھیں باوجود جانوروں کی بہیمیت کے، ہم نے اسی سے انہیں رزق عطا کیا۔ پس خود بھی رزق حاصل کریں اور اسے بھی رزق عطا کریں جو تنگدست محتاج ہیں پھر اپنی غلط روش کا فیصلہ کریں اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں اور اس آزاد گھر کی حفاظت کریں۔ (۲۲:۲۷۔۲۸)

دیکھئے اس آیت میں حج سے متعلق چند مقاصد بیان ہوئے ہیں۔

۱۔حج کا اعلان تمام انسانوں کے درمیان ہوگا (صرف مسلمانوں کو دعوت نہیں دی جارہی بلکہ تمام انسانوں کو بلایا جارہا ہے)۔

۲۔حج کا اعلان ہوگا تو لوگ دور دراز سے آئیں گے۔یعنی حج ہر سال کی ایک مخصوص تاریخ کو نہیں ہوتا ہے بلکہ ضرورت کے مطابق اس کا اعلان ہوگا۔

۳۔آنے والے لوگ رجال یعنی مرد میدان اور پختہ ارادہ کے بہادر افراد ہوں گے

۴۔وہ خود مشاہدہ کریں گے کہ جس حج کے لیے بلوایا گیا ہے اس میں ان کے لیے کیا فوائد ہیں

۵۔اللہ کے احکامات کی یمد ھانی ان معلوم ایام کے حوالے سے کروائی جائے گی جو کہ انعام کی بہیمیت کے باوجود انہیں حاصل ہوئی۔

اس جزو میں دو اصطلاحات غور طلب ہیں۔۔۔ایام معلومات ۔۔اور۔۔بھیمیۃ الانعام۔۔۔ایام معلومات وہ ایام ہیں جن کو دوسرے مقام پر ایام اللہ کہا گیا ہے۔۔سوۃ ابراھیم کی آیت نمبر ۵ میں ارشاد ہوا۔۔۔وذکرو ھم بایام اللہ۔۔۔اوران کو اللہ کے ایام کی یاددھانی کراؤ اور یہاں کہا گیا معلوم ایام کے معاملے میں اللہ کے احکامات کو یاد رکھیں۔قران میں ایام اللہ ایام معدودات ان ادوار کے لیے آیا ہے جب مومنین کے لیے اللہ کی نعمتوں کا ظہور ہوتا ہے (مومن وہ ہے جو غالب ہوتا ہے) یہی وہ ایام ہوتے ہیں جب کفار کے لیے عذاب نازل ہوتا ہے، یہ وہ ادوار ہیں جو معروف ہوتے ہیں اور ہر مومن کو معلوم ہونا چاہیئے۔اس لیے اگر کہیں ظلم ہو رہا ہے تو لوگوں کو حج کے لیے بلا کر ان ادوار کی یاددھانی کرائی جاتی ہے جس میں ظلم وزیادتی نہیں ہوتی بلکہ خوشحالی کا دور دورا ہوتا ہے جس کو ایام معلومات یا ایام اللہ کہا جاتا ہے۔دوسرا مرکب۔۔بھیمیۃ الانعام۔۔۔جس کا سیدھا ترجمہ ہے انعام کی بھیمیت، قران میں جہاں یہ موکب آیا ہے مفسرین پریشان ہوئے ہیں کہ اس کی کیا مفہوم لیا جائے کسی نے جگالی کرنے

والے جانور کیا تاکہ قربانی کا جواز بنایا جائے تو کسی نے مویشی کیا ہے۔لیکن کسی نے بھی انعام بطور اصطلاح نہیں لیا۔انعام ان لوگوں کو کہا گیا ہے جن کے بارے میں سورۃ الاعراف میں ارشاد ہے

﴿اولیك كالانعام بل هم اضل اولیك هم الغا فلون﴾

یہ لوگ ایسے ہیں جیسے جانور ہوں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور یہی لوگ تو غافل ہیں ۔۔

انعام ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے پاس اللہ کے احکامات آ چکے ہوتے ہیں اور وہ اس طرف سے غافل ہوتے ہیں نہ وہ کسی بات کان دھرتے ہیں اور نہ ہی عقل سے کام لیتے ہیں۔ایسے لوگوں کے ظلم کو جانوروں کی بہیمیت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

٦۔جو کچھ بھی اعام کی بہیمیت کے باوجود حاصل ہوا اور جو یقینی طور پر ایک ٹکراؤ کی طرف اشارہ ہے اس سے نہ صرف خود فائدہ اٹھائیں بلکہ حاجتمندوں اور ضرورتمندوں کی ضروریات کو بھی پورا کریں۔

٧۔حج ایک ایسا اجتماع ہے جس میں لوگ اپنے معملات کے فیصلے بھی کریں گے۔۔ثم الیقضو تفثھم لفظ یقضو، قضی سے ہے جس کے معنی فیصلہ کرنا ہے اور تفثھم کا مادہ۔۔ت ف ث۔۔ ہے جس کے معنی گندگی سے آلودہ/خون آلودہ۔ظاہر ہے یہ جسمانی گندگی تو ہو نہیں سکتی یہ کیسی عبادت ہے جس کی وجہ سے دوران حج انسان کئی کئی دن گندا رہتا ہو۔کیونکہ معاشی اور معاشرتی پہلو کی طرف تو سوچا ہی نہیں گیا کیونکہ یہودی ذھن نے اسلام کو بائبل اور انجیل کی کہانیوں کے مطابق غلامی کا مذہب بنانا تھا تاکہ مسلمان خوف اور امید کی کیفیت کے درمیان پھنسے رہیں اور کبھی بھی معاشی اور معاشرتی طور پر مستحکم نہ ہوں اور جان بوجھ کر حج کے مقاصد کو پس پشت ڈالا گیا اور ان کو اس قسم کے بے مقصد تراجم سے بدل دیا گیا۔۔۔

تفث سے مراد انسان کی جسمانی گندگی کر کے کئی کئی دن حج پر نہانے اور صاف رہنے سے دور رکھا جاتا ہے۔حالانکہ تفث معاشرے کے وہ غلط رویے ہیں جن کی وجہ سے انسان ایک دوسرے کا استحصال کرتا

ہے اس لیے کہا گیا کہ ان رویوں سے متعلق فیصلے کرنے ہیں۔

ولیوفو انذورھم

اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں

نذر کسی چیز سے پیش آگاہی ہوتی ہے اس سے رسول اپنے معاشرے کو پیش آگاہ انذار کرتے ہیں اس لیے منذر کہلاتے ہیں حج کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ جن باتوں کو پہلے سے بتایا گیا ہے اور اگر وہ پورے نہیں ہو سکے ہیں تو ان کو بھرپور انداز سے پورا کیا جائے۔

ولیطوفوا بالبیت العتیق

اور آزادی کے گھر کی حفاظت کریں

طہاف بار بار آنے کو کہتے ہیں اس جملے میں چکر لگانے سے مطلب کسی جگہ کے گرد گول گھومنے کے معنی نہیں ہوتے بلکہ بار بار آنے کے معنی ہوتے ہیں۔۔۔عتیق۔۔جس کا مادہ ,,ع ت ق،، ہے جس کے معنی پرانے کے بھی ہیں اور آزادی کے بھی کیونکہ مقصد کے لحاظ سے مفہوم کبھی بھی مدنظر نہیں رکھا گیا اس لیے عام مترجمین نے عتیق کے معنی پرانا لیا گیا۔

حالانکہ یہ مومنین کا ملک جو تمکن فی الارض ہے۔ جو آزاد ہے اور ان کی معشیت کا سکہ پوری دنیا میں چلتا ہے کیونکہ وہ وہ دنیا میں غالب ہیں اور امن کے داعی ہیں اور کرہ ارض پر امن قائم رکھنے کے لیے قران کے احکامات کے مظابق چارٹرڈ تشکیل دیتے ہیں اور اس ایجنڈے پر عمل درامد کروانے کے لیے دنیا کے باضمیر اور مضبوط حکمرانوں اور اہل علم دانشوروں کو دعوت دیتے ہیں، ایک بار نہیں کئی کئی بار جب تک کہ چارٹرڈ پر اصل روح کے مطبق اس کو عملی جامہ نہ پہنچا ڈیں، اس کے لیے وہ تربیتی کورسز کا انعقاد کرتے ہیں اور وہ اقوام جو ان صاری اصطلاحات ہونے کے باوجود انعام (جانوروں) کی طرح ہیں کو بھی فوائد پہنچاتے ہیں۔۔اور پوری دنیا سے جو لوگ یہاں آئیں گے وہ مہذبانہ طریقہ اختیار کریں گے کسی قسم

کے غیر قانونی اقدام کی طرف نہیں جائیں گے۔۔مومنین یہ کانفرنس یا اجلاس یا اجتماع بوقت ضرورت بلا سکتے ہیں خاص طور پر جب کہیں امن کو خطرہ ہو اور وہاں پر قران کے دیئے ہوئے ضابطوں کی خلاف ورزی ہو رہی ہو۔۔۔۔۔۔اور یہی آزادی کا گھر ہے

﴿ذلك و من يعظم حرمات الله فهو خير له عند ربه و احلت لكم الا نعام الا ما يتلى عليكم فا جتنبو الرجس من الا وثان و اجتنبوا قول الزور﴾

یہ ہے حج اور جو کوئی اللہ کے احکامات کی حرمت یعنی پابندیوں کی عظمت کرتا ہے تو اس کے رب کے احکامات کے مطابق (یہ چیز) خود اس کے اپنے لیے بہتر ہے۔حالانکہ (بے رحم) معاشرے نے تمہارے ان جانور (نما انسانوں) کی ظلم و زیادتی کو جائز قرار دیا تھا ماسواء ان کے جو تمہارے سامنے تلاوت کئے گئے ہیں پس اس جامد (بتوں) نظریات کے حامل معاشروں کے انتہائی گھٹیا پن اور دھونس دھاندلی سے سے بچو۔

قران کریم تمام نوع انسانیت کے لیے مستقل ضابطہ حیات ہے جسے جب عملی شکل دی جائے تو ایک متحرک معاشرہ وجود میں آتا ہے وہ معشرہ قران کریم کے غیر متبل اصولوں کی چاردیواری میں رھتا اور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور اگر یہ کسی ایک مقام پر رک جائے تو اس معاشرے میں اس گندے پانی جیسی سرانڈ پیدا ہو جاتی ہے جو رکا رکا ایک جوہڑ کی شکل اختیار کر لیتا ہے جسے قران نے الرجس کہا ہے۔ اور ایسے معاشرے کے لوگ انسان نما جانور بن جاتے ہیں کیونکہ پھر ان میں جمود (بت) پیدا ہو جاتا ہے تو یہ وثنیت ہوگی قران ان کو الرجس من ا لا وثان (بت) کہتا ہے کیونکہ ان پر ذہنی جمود اور عملی تعطل چھا چکا ہے۔بدقسمتی سے ہم اوثان کا ترجمہ بڑی آسانی سے بت کر دیتے ہیں مگر اپنے قلب و نظر میں رکھے ہوئے بتوں پر کبھی نگاہ نہیں ڈالتے اور قران اسی بت کی بات کر رہا ہے۔

آیت کا اگلا حصہ حج کے مقصد کو بہت خوبصورتی سے بیان کر رہا ہے۔۔واجتنبوا قول الزوار۔۔

قول الزوار ایسی بات ہے جو عقل اوراصول کی بجائے زبردستی دھونس دھاندلی سے منوائی جائے۔
حج کے اجتماع کا بنیادی مقصد ظلم وزیادتی کی پرانی روش کو چھوڑ کر ترقی کی منازل طے کرنا ہے تا کہ خدا کے حکم کے مطابق تسخیر کائنات کے عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے عمل کے پہیے کورواں دواں رکھا جاسکے۔

﴿حنفاء لله غير مشركين به و من يشركبا لله فكانما خر من السماء فتخطفه الطيّر او تهوى به الريح فى مكانٍ سحيق﴾
اللہ ہی کے لیے یکسوئی اختیار کرو۔ اس کے ساتھ شریک ٹھیرانے والے نہ بنو اور جس کسی نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو گویا (اس کی مثال ایسی ہے کہ) بلندی سے گرا اور اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوائیں ایسی جگہ اڑا لے جائیں جہاں خوب پسائی ہو۔ (۲۲:۳۱)
یعنی حج میں کسی کے اپنے خیالات ونظریات کا عمل دخل نہیں ہونا چاہیئے۔اس لیے لیے کہ جس نے قران کے علاوہ لوگوں اورروایات پرمبنی ضابطوں پر عمل کرنے کی کوشش کی تو اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ آسمان سے گرا تو اسے پرندے اچک لے جائیں یا اس کو ہوا ایسی جگہ اڑا لے جائے جہاں اس کا کچومر نکل جائے۔اگلی آیت مذید وضاحت کررہی ہے

﴿ذلك و من يعظم شائر الله فانها من تقوى القلوب﴾
یہ حج ہے اور جس کسی نے اللہ کے شعائر کو عظیم بنایا تو یقیناً یہ عظمت اس کے دل کے تقوی سے ہے
یعنی اللہ کے شعائر کو عظمت دینا ہی حج ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے شعائر اللہ وہ اصول اور پیمانہ ہیں جن سے اللہ کا شعور حاصل ہوتا ہے اور جو کوئی بھی اللہ کے اصول و پیمانہ کو عظیم سمجھتا ہے اصل میں تو اس کے تقوی کا اظہار ہوتا ہے

﴿لكم فيها منافع الى اجلٍ مسمى ثم محلها الى البيت العتيق﴾

تمہارے لیےاس میں انجام کارتک فائدہ ہےمزید یہ کہ اس کا اصل مقصودتو آزادی کا گھر ہے۔
(۲۲:۳۳)

﴿ولکل امة جعلنا منسکا لیذکروا اسم الله علی مل رزقهم من بهیمة الا نعام فا لهکم اله واحد فله اسلمو و بشر الخبتین﴾

اور ہرامت (گروہ انسانی) کے لیے ہم نے ایک ضابطہ مقرر کیا ہے تا کہ وہ اللہ کے احکامات کو یاد رکھے باوجود درندہ نما انسانوں کی درندگی کے ہم نے انہیں اس درندگی سے ہی رزق عطا کیا ہے۔پس تمہارا الہ (حاکم) یکتا ہے تو اسی کے لیے سلامتی قبول کرو اور منکسر المز اج لوگوں کو خوشخبری سناؤ۔
خالق اور اس کے واحد ہونے کی پہچان ہمیں اس کی صفات کے یکتا ہونے سے ہی ہو سکتی ہیں اور اس کی صفات دراصل اس کے احکامات اور پیمانے ہیں۔اللہ کی ذات کسی انسان کے ادراک میں نہیں ہے۔۔۔ لا تدرکه الا بصار..... تمہاری آنکھیں اور بصیرت اس کا ادراک نہیں کرتی ہیں اس لیے اس بات سے ہم مبرا ہیں کہ اس کا بطور ادراک کریں اس لیے اگر اس کا ادراک ہو سکتا ہے تو اس کے پیمانوں اور اصولوں یا احکامات کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔
آگے منکسر مزاج لوگوں کی صفت بتائی گئی ہے۔

﴿الذین اذا ذکر الله و جلت قلو بهم و الصابرین علی ما اصابهم و القیمی الصلاة و مما رزقنا هم ینفقون﴾

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو احکامات الٰہی یاد کرائے جاتے ہیں تو دلوں پر رعب طاری ہو جاتا ہے اور جس حال سے دوچار ہوتے ہیں اس پر استقامت سے کھڑے رہتے ہیں۔اور اللہ کے مفرودات کے مطابق ایک نظام قائم کرنے والے ہوتے ہیں اور انہیں جو بھی ہم نے رزق عطا کیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔

آ گے ایک اور شعائر اللہ کا بیان ہے۔ غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ شعائر اللہ وہ نشانیاں ہیں جن کے ذریعے خالق کی ہستی کا شعور حاصل ہوتا ہے اور یقینی طور پر خالق کی پہچان اس کے ان اصولوں و پیمانوں سے ہی ہوسکتی ہے جن کو پرکھنے اور سمجھنے سے اس کا شعور حاصل ہو۔

اللہ کے وہ پیمانے جو اس پوری کائنات کو باہم دگر توازن عطا کر رہے ہیں شعائر اللہ ہیں۔۔۔

جو ان پیمانوں کو جس جہت سے سمجھا اس نے اسی جہت سے اللہ کو پہچان لیا۔ قران کیونکہ حقوق انسانی کے پیمانوں کی کتاب ہے اس لیے اس میں حقوق انسانی سے متعلق احکامات وارد ہوئے ہیں۔

﴿و البدن جعلنا ها لکم من شعائر الله لکم فیها خیر فاذکرو اسم الله علیها صواف فاذا و جبت جنوبها فکلوا منها و اطعموا القانع و العتر کذلك سخرنا ها لکم لعلکم تشکرون﴾

اور ,,البدن،، کو تمہارے لیے شعائر اللہ سے مقرر کیا ہے۔ اس میں تمہارے لیے خیر ہے۔ ان کو صواف کی حالت میں احکامات الہی کی یاددھانی کرو اور جب وہ سرنگوں ہو جائیں تو ان سے فائدہ حاصل کرو اور قانع اور معتر کی ضرورت پوری کرو۔ اس وجہ کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں تمہارے لیے مسخر کیا تا کہ تم اس کا صحیح استعمال کرو۔۔۔

آپ اس آیت کا اسرائیلیات سے متاثر ذہن کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جو پہلے دبلی پتلی اونٹنی کو حج پر لائے تھے اب وہ موٹی تازی ہوگئی ہے تا کہ قربانی دے کر صائبین کی اللہ کو خوش کرنے رسم کو سرانجام دے سکیں

۔۔اور قربانی کے بڑے جانور (یعنی اونٹ اور گائے وغیرہ) کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے ان میں تمہارے لیے بھلائی ہے پس تمہیں (انہیں) قطار میں کھڑا کر کے (نیزہ مار کر نحر کے وقت) ان پر اللہ کا نام لو پھر جب وہ پہلو کے بل گر جائیں تو تم خود (بھی) اس میں سے کھاؤ اور

قناعت سے بیٹھے رہنے والوں کو اور سوال کرنے والوں کو کھلاؤ اس طرح ہم نے انہیں تمہارے تابع کر دیا تا کہ تم شکر بجالاؤ۔۔۔ (القادری

اتنا بے ربط ترجمہ ہے جس کو کوئی بھی باشعور شخص کہنے میں حق بجانب ہوگا جب کہ جانور نحر ہو گیا تو اب ان میں کون سی بھلائی رہ گئی؟ وہ تو اب گوشت ہے جو خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔۔۔

اس آیت میں چند الفاظ غور طلب ہیں

ا۔البدن

۲۔صواف

۳۔جنوب

البدن----- اس آیت میں ۔۔البدن۔۔کو شعائر اللہ کہا گیا ہے ,,البدن،، جس کو قربانی کا موٹا تازہ اونٹ تعبیر کیا گیا ہے تا کہ مکہ لے جا کر قربان کیا جا سکے معروف بالام ہے یعنی ۔۔بدن۔۔کوئی چیز ہے لیکن ال کی اضافت سے البدن معروف بالام (پراپر ناؤن) ہوگئی غور کریں کہ البدن اگر موٹے تازے اونٹ ہیں تو اس شعائر اللہ کی ہم کس طرح توہین کرتے ہیں

ا۔اول تو قربانی اونٹ کی ہونی چاہیے تھی ہم بھیڑ بکریاں بھی قربان کرتے ہیں۔

۲۔لاکھوں کے حساب سے ذبح کرتے ہیں زمین میں دفن کر دیتے ہیں چند ہزار جانور غریب مما لک میں بھجوا کر ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ حج کا مقصد محتاجوں کو گوشت کھلا کر پورا ہو گیا یعنی قانع اور معتر کا پیٹ بھر دیا۔

جب کہ ابدن کو شعائر اللہ کہا گیا ہے بلکہ اس میں خیر کا پہلو بھی بتایا گیا ہے

﴿و البدن جعلنا ها لكم من شعائر الله لكم فيها خير﴾

اور البدن کو تموارے لیے شعائر اللہ سے مقرر کیا گیا اس میں تمہارے لیے خیر ہے۔

اس آیت میں فاذا و جبت جنوبها کا مفہوم جب اونٹ گر کر ایک کروٹ لیٹ جائے لیا گیا ہے

ا۔قربانی صرف اونٹ کی ہوسکتی ہے کیونکہ۔۔البدن۔۔کواونٹ سے تعبیر کیا جاتا ہےاس میں گائے، بھیڑ،دنبہ بالکل شامل نہیں،ضامر بھی دبلی پتلی اونٹنی ہوتی ہے اورقربانی کا طریقہ بھی صرف اونٹ کی قربانی کا ہے۔

البدن کا مادہ۔۔ب دن۔۔ہے جس کے معنی موٹا ہونا، طاقتور ہونا، بہادر ہونا ہوتے ہیں لفظ بدن ، بادن کی جمع ہے اور بادن اسم الفاعل ہونے کی وجہ سے بادن اس شخص کو کہیں گے جو بہادری یا طاقت کی صفت پر عمل ہو جیسے ہم کہتے ہیں وہ شیر ہے،،شیر کی بہادری اس کی صفت ہے مگر وہ جانور نہیں ہوسکتا۔البدن کے معنی ہوں گے وہ افراد جو بہادری کی صفت پر عمل پیرا ہوں۔اس لیے یاتو وہ اپنی مسلم قوم سے تعلق رکھتے ہوں گے یا دشمن فوج کے وہ بہادر لوگ ہیں جو مغلوب ہونے کے بعد یھف فائدہ مند ہوتے ہیں اس لیے جنگ کی حالت میں بھی احکامات الٰہی کو سمجھانے کی بات آ رہی ہے اوران کی بہادری سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں اس سے قوم بھی فائدہ اٹھاتی ہے اورمظلوم افراد بھی فائدہ اٹھاتے ہیں جنہیں قانع اور معتر کہا گیا ہے۔

صواف۔۔۔اس کا مادہ,,ص ف ف،،ہے جس کے معنی ہیں قطار جس سے لفظ صف بھی مستعمل ہے صواف بھی صافتہ کی جمع ہےاوراسم الفاعل ہے یعنی قطار بنانے والیاں جب کہ کسی بھی جانور میں خود صف بنانے یا کسی اور کو صف میں کھڑا کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی (تا کہ خود آسانی سے نحر ہوں جائیں)صواف کے دوسرے معنی ہیں فوجی پڑاؤ، میدان جنگ۔ان بہادر اور طاقتور لوگوں کو میدان جنگ اور پڑاؤ میں احکامات الٰہی کی یاددھانی کراتے رہنا ہے تا کہ جنگ کی حالت میں بھی کسی غلطی کا ارتکاب نہ ہو۔

جنوب۔۔۔اس کا مادہ,,ج ن ب،،ہے جس سے الفاظ جنوب، اجانب، جانب اور جنب وغیرہ مستعمل ہیں جنب کی جمع جنوب ہےاورقران میں اس مادہ سے کئی الفاظ استعمال ہوئے ہیں

﴿ان تقول نفس یحسرنی علی ما فرطت فی جنب اللہ و ان کنت لمن السحرین﴾

(ایسانہ ہو) کہ کوئی شخص کہنے لگے: ہائے افسوس! اس کمی اور کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے حق (اطاعت) میں کی اور میں یقیناً مذاق اڑانے والوں میں سے تھا (۳۹:۵۶)

یہ تمام الفاظ بتارہے ہیں کہ یہ کوئی قربانی کے جانور کی بات نہیں ہورہی بلکہ یہ فوج کے عملی اقدام کی بات ہے جس کی وجہ سے ان اشخاص کو جو قانع اور معتر ہیں یعنی ظلم کے وقت۔۔قانع۔۔تھے یا جو اپنی حاجت کو پیش کرتے تھے انہیں ان کی ضرورت کے مطابق فیضیاب کرو اس طرح ظالم کو تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ تم شکر کرو آگے ارشاد ہے

﴿لن ینال اللہ لحومها ولا دماؤها و لکن ینالہ التقوی منکم کذلك سخرهالکم لتکبرو اللہ علی ما هدا کم و بشر المحسنین﴾

ہرگز نہیں پہنچتا اللہ تک ان کا لحم اور نہ ہی ان کا خون لیکن اس کو سے تقوی پہنچتا ہے۔

اگر اس آیت میں لحم کے معنی گوشت اور دم کے

معنی خون لیے جائیں تو بالکل ہی الٹا مفہوم ہوگا اس لیے کہ قران تو کہہ رہا ہے کہ اللہ کو نہ تو گوشت پہنچتا ہے اور نہ ہی خون اس لیے قربانی کا کیا فائدہ۔۔۔؟ البتہ جو کچھ بھی اللہ کو پہنچتا ہے وہ انسانوں کا تقوی یعنی احکامات الٰہی سے ہم آھنگ ہونا اوران احکامات پر عمل پیرا ہونا۔۔مگر اس کا حل مذہبی پیشوا نے یہ دیا کہ یہاں بات نیت کی ہورہی ہے۔۔۔ اگر بات نیت کی ہے تو قربانی کا مقصد کیا؟ وہ تو ہر مسلمان کی اللہ کے لیے اچھی نیت ہے پھر اس خون بہانے کا کیا مقصد اور اتنا گوشت ضائع کر کے اللہ کیسے خوش ہوتا ہے؟ ایک فیصد سے بھی کم جانوروں کا گوشت غریب غربا کو پہنچتا ہے باقی سب ضائع وہ جاتا ہے۔انسان کی جیب سے مال نکلتا ہے لیکن بے مقصد، اس حج کے ذریعے اس کائنات کی کسی شئی

کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا یہاں تک کہ اللہ کو بھی نہ تو گوشت اور نہ ہی خون پہنچتا ہے۔۔۔ہاں اگر فائدہ ہوتا ہے تو ان مما لک کو جو غیر مسلم ہیں، مسلمانوں کی ساری عمر کی کمائی خون پسینے کی کمائی وہ لوگ لے جاتے ہیں جو جہاز بناتے ہیں تا کہ حجاج بجائے اونٹوں کے جہازوں میں سفر کریں، ہاں اگر فائدہ ہوا ہے تو نیوزی لینڈ، پسٹر یلیا ے برازیل کو ہوا ہے جہاں پر قربانی کے جانوروں کی صنعت وجود میں آ گئی ہے اور جہاں سے لاکھوں جانور برامد کر کے مکہ لائے جاتے ہیں اور زر مبادلہ یہودیوں کے بھکوں میں منتقل ہوتا ہے ہاں اگر فائدہ ہوا ہے تو چین کو، جہاں سے احرام، تسبیح اور دوسرے لوازمات آتے ہیں فائدہ ہوا ہے جو گاڑیاں بناتے ہیں۔۔۔۔غیر مسلم مما لک مسلمانوں کی کمائی جو خون پسینے سے حاصل ہوتی ہے کو کس طرح آسانی سے اڑا لے جاتے ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ حج پر خرچ ہونے والا زر مبادلہ کئی مسلم مما لک کے مجموعی قرضوں سے زیادہ ہے اور خود سعودی عرب ایک محتاط اندازے کے مطابق ۹ بلین ڈالر کی انکم حاصل کرتا ہے۔اور اس سے حاصل ہونے والی کمائی سعودی عرب کے بجٹ کا ۳ فیصد حصہ ہوتی ہے۔

اس قربانی کے ذریعے اللہ کے کسی اصول اور پیمانے کو دنیا کی بھلائی کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔۔لحم کے بنیادی معنی ہوتے ہیں جوڑنا خواہ وہ معاملات کے ذریعے لوگوں کے ٹوٹے دل جوڑے جائیں آپس کے تعلقات بہتر کئے جائیں۔۔

﴿ایحب احد کم ان یا کل لحم اخیه میتا﴾

اگر لفظ ترجمہ کیا جائے تو معنی ہوں گے۔۔۔کیا تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا چاہو گے۔۔اور اگر حقیقی معنوں میں سمجھا جائے تو مفہوم ہو گا کہ۔۔۔۔وہ بھائی جو اپنا دفاع نہیں کرسکتا اس کے متعلق تم غیبت کرو گے۔۔۔۔(سورۃ الحجرات:۱۲) انسان کبھی بھی اپنے بھائی کا گوشت نہیں کھاتا بلکہ بھائی کی غیبت ضرور کرتا ہے جس کو تراجم میں مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس طرح سورۃ الحج کی آیت میں لحومھا جانوروں کا گوشت نہیں بلکہ۔۔ان سے تعلقات،ان سے جوڑ،
ان کی دوستی مراد ہے۔اس طرح۔۔دم۔۔کے معنی خون ضرور ہے لیکن خون سفید بھی ہو جاتا ہے،خون
پسینے کی کمائی اڑائی بھی جاسکتی ہے۔۔۔اگر قران حقوق کی بازیابی کے پیمانے دیتا ہے تو دم کے معنی
خون نہیں ہوگا۔۔بلکہ خون ریزی لیا جائے گا۔ان لوگوں کا جوڑ توڑ اور خون خرابہ اللہ کے کسی کام نہیں آتا
بلکہ انسان کا تقوی ہے جو حکومت الیہ کے کام آتا ہے۔۔۔اس جزو کے بعد ارشاد ہوا

﴿کذلك سخر ھا لکم لتکبرو ا اللہ علی ما ھدا کم و بشر المحسنین﴾

ان تمام وجوھات کی بناء پر جو اوپر بیان ہوئیں ہیں ہم نے تمہارے لیے ان کو تابع کر دیا ہے تا کہ تم اللہ کی
کبریائی یعنی حکومت الیہ ان بنیادوں پر قائم کرو جن کی ھدایت دی گئی تھی اور محسنین کو خوشخبری سناؤ۔۔
کیا اب بھی کوئی شک رہ جاتا ہے کہ یہ سارا حج کا سین یہودیوں نے مسلمانوں کے لیے تیار کیا ہے تا
کہ وہ ایسی حکومت کا قیام عمل میں نہ لے آئیں جو احکامات الٰہی کے تحت قائم ہو۔۔دیکھیے جہاں
جہاں اللہ کی کبریائی کے قیام کی بات ہوتی ہے وہاں ایک ایسی حکومت کے قیام کی بات ہوتی ہے جو
احکام الٰہیہ کے تحت معرض وجود میں آئے۔

﴿ان اللہ یدافع من الذین امنو ان اللہ لا یحب کل خوانٍ کفورٍ﴾

یقینی طور پر اللہ اہل ایمان کی طرف سے مدافعت کرتا ہے یقیناً اللہ خیانت کرنے والے انکاری کو پسند نہیں
کرتا۔ (۲۲:۳۸)

اگر کوئی قوم کسی پر ظلم و زیادتی کر رہی ہے تو اہل ایمان کو اس قابل ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی حکومت کے
ذریعے جو اللہ کے احکامات پر مبنی ہو انسانوں کی مدافعت کر سکیں۔

اگلی آیت میں اللہ نے کھل کر ارشاد فرما دیا کہ حج کا عمل کیوں عمل میں لایا گیا

﴿اذن للذین یقتلون بانھم ظلمو و ان اللہ علی نصر ھم لقدیر﴾

ان لوگوں کو (اب اپنے دفاع کے لیے جنگ کی) اجازت دی گئی ہے جن سے (ناحق) جنگ تھوپی گئی۔ بسبب اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ ان (مظلوموں) کی مدد پر بڑا قادر ہے (۳۹:۲۲)

یہ کس بات کی اجازت دی گئی؟ ظاہر ہے قتال کی اجازت دی گئی اور یہی حج ہے یعنی حج کی اجازت جو دی گئی اس کی وجہ بھی بتادی گئی اور وہ یہ تھی کہ لوگوں پر ظلم کیا جارہا تھا۔ اب اس سے زیادہ کھل کر کس طرح بتایا جاسکتا ہے کہ حج صرف اور صرف مظلوموں کی دادرسی کے کے لیے اس طریقہ کار کا حصول ہے جس سے انسانیت پر ہونے والے ظلم کو ختم کیا جا سکے اور حج کے بعد حکومت الہیہ کا لائحہ عمل ایسا ہونا چاہیئے جس سے معلوم ہوجائے کہ اہل ایمان کی حکومت مظلوموں کی مدد اور دادرسی کی صلاحیت رکھتی ہے۔ آ گے کی آیات میں حج کی غایت اور تکمیل ان ارشادات کے ساتھ کی ہے

﴿الذین اخرجو من دیار هم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا الله و لو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صواع و بیع و صلوات و مساجد یذکر فیها اسم الله کثیرا و لینصرن الله من ینصره ان الله لقوی عزیز﴾

یہ (مظلوم) لوگ ہیں جو اپنے گھزرں سے ناحق نکالے گئے۔ صرف اس بنا پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے (یعنی انہوں نے باطل کی فرمانبرداری تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا) اور اگر اللہ انسانی طبقات میں سے بعض کو بعض کے ذریعے (قیام امن کی جدوجہد کی صورت میں) ہٹاتا نہ رہتا تو یقینی طور پر صوامع، بیع، صلوات اور مساجد جن کے معاملے میں کثرت سے یاد دھانی کرائی جاتی ہے منہدم کر دیتے اور اللہ اس کی مدد کرتا ہے جو اللہ کی مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ غالب قوت والا ہے۔ (۲۲:۴۰)

اگر حج نہ ہوتو ظالم لوگ کیا کچھ ہیں اور یہ ظالم لوگ مظلوموں کو صرف اس تنگ کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کو ہی اپنا رب مانا یعنی احکامات الہیہ پر مبنی حکومت کے ذریعے ہی ربوبیت کے نظام کو قابل عمل سمجھتے

ہیں اور اللہ ان کی ظالم لوگوں سے مدافعت نہ کرے تو یہ ان کو اور ان کے نظام کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں
چونکہ مسلمانوں نے صوامع ، بیع ،صلوات اور مساجد اسلامی نظام کے ستون ہیں جن کے ذریعے
مظلوموں کی دادرسی ہوتی ہے کیونکہ اسلام کو یہودی ذہن نے روایات اور اماموں کے ذریعے بائبل
سے مستعار سوچ کے مطابق ایک نظام کی بجائے پرستش کا مذہب بنانا مقصود تھا اس لیے اسلام کی تمام
اصطلاحات کو ایک پرستش کے مذہب کی اصطلاحات سے بدل دیا گیا۔ جہاں صلوۃ کو نظام کی بجائے
ایک طریقہ عبادت ،صوم کو ہر برائی سے بچنے کے طریقے وضع کرنے کی بجائے بھوک پیاس کا روزہ،
زکواۃ کو معاشرے کی خوشحالی کی بجائے مال پاک کرنے کے طریقے میں بدل دیا وہاں حج کو جس کے
میں مظلوم لوگوں کی نہ صرف دادرسی کی جائے بلکہ ظالمانہ نظام کو تہ تیغ کیا جائے کو ایک تیرتھ یاترا میں
بدل دیا گیا۔۔۔۔آیئے صوامع ، بیع ،صلوت اور مسجد کے الفاظ پر غور کرتے ہیں

صوامع --- کا مادہ ,,ص م ع،، ہے جس کے معنی ہیں معزز مقام پر فائز ہونے والے افراد ،
صومع بناء۔۔اس نے اپنی عمارت کو بلند کیا۔۔ صومعہ کی جمع صوامع

بیع --- کا مادہ ,,بیع،،جس کے معنی معاہدہ کے ہوتے ہیں یعنی بیع ایسے مراکز جہاں عہد و پیمان کئے جاتے
ہیں خواہ وہ تجارتی معاہدہ ہوں یا حکومتی نظام کے معاہدے ہوں۔

صلوات--- کا مادہ ,,ص ل و،، ہے جس کے معنی نظام کے ہیں اور میری کتاب المصباح الصلوۃ میں
اس پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔

مسجد---وہ احکامات جن کے آگے انسان ہمیشہ سرنگوں رہے۔یعنی ظالم جب ظلم کرتا ہے اور ایک فلاحی
مثالی نظام کو باہ کرتا ہے تو وہ اس نظام کی بنیادوں کو تباہ کر و برباد کرتا ہے یعنی وہ ان احکامات یعنی مساجد کو
جن کے ذریعے ایک فلاحی معاشرہ قائم ہوتا ہے اسے برباد کرتا ہے۔احکامات کو تہ تیغ کرنے ساتھ اس
کے نظم ونق پر ضرب مارتا ہے یعنی صلوۃ کی بربادی کرتا ہے۔ان معاہدوں کو ختم کرتا ہے جن کے ذریعے

معاشرے کی خوشحالی ممکن ہوتی ہے اور ان لوگوں کو جو اس معاشرے کے کرتا دھرتا لوگ ہوتے ہیں پابند سلاسل کرتا ہے اور اسی کے قیام کا نام سنت ابراھیمی ہے نہ کہ قربانی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حضرت یوسف کے بارے میں اسلام میں خلط یہودی عقائد

میں نے کتاب کے آغاز میں لکھا ہے کہ نبی پاک ﷺ جس علاقے (مکہ) میں تشریف لائے وہاں کے لوگ الہامی کتب کے بارے میں نہیں جانتے تھے اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کا جو دیو مالائی قصہ بائبل میں بیان ہوا ہے یقیناً آپ ﷺ اس سے ناواقف تھے اور اللہ نے اس بات کا ارشاد سورۃ یوسف میں ہی کر دیا

﴿نحن نقص علیك احسن القصص بما اوحینا الیك هذا القراء ان و ان کنت من قبله لمن الغفلین﴾

(اے حبیب مکرم) ہم اس قران کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے، تمہیں انتہائی حسین انداز سے قصہ سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔ (۱۲:۳)

لیکن یہ قصہ مفسرین اور احادیث کی کتابوں کی زینت بنا ہوا ہے اور آج بھی یہ قران کے تمام تراجم میں موجود ہے، پھر یہ کس طرح ممکن ہوا کہ رسالت ماب ﷺ کے لیے قران یہ کہہ رہا ہے کہ آپ ﷺ اس قصے سے غافل تھے؟ اس کا صاف مطلب ہے وہ قصہ جو اس وقت کی یہود و نصاری کی کتابوں میں موجود تھا جیسا کہ آج مسلمانوں کی کتابوں میں بھی موجود ہے اس حقیقی واقعہ سے مختلف ہے۔

قران یہودی واقعات کے بارے میں اعلان کرتا ہے

﴿ان هذا القران یقص علی بنی اسرائیل اثر الذی هم فیه یختلفون﴾

بے شک یہ قران بنی اسرائیل کے سامنے وہ باتیں جن میں وہ کثرت سے اختلاف کرتے ہیں بیان کر دیتا ہے (سورۃ النمل:۷۶)

اور قصص الانبیاء کے نام سے جو یہودی کہانیاں ہمارے مذہب کا حصہ بن چکی ہیں سب سے پہلے ان کو

دریابرد کرنے کی ضرورت ہے۔

خواب دوطرح کے ہوتے ہیں ایک جو ہرانسان کورات کے وقت سوتے ہوئے آتے ہیں جو کہ سوچوں، تصاویراور محسوسات کا ایک تسلسل ہے جورات کوانسان کے دماغ میں ہوتا ہے اور دوسرا خواب وہ ارادہ ہوتا ہے جو ہر باشعور انسان ظلم کے خلاف مظلوم کی آواز بن کر کھڑا ہوتا ہےاور ایک ایسے نظام کا اردہ کرتا جس میں معاشرتی اور معاشی بدحالی نہ ہو، پیغمبر ہمیشہ معاشرے کوسدھارنے کے لیے آتے ہیں نہ کہ ان کوخوابوں کی تعبیر سنائیں۔اگر حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ خواب کی تعبیر بتانے کے لیے مشہور تھے تو ان کے نام نہاد بھائی بھی خواب کی تعبیر سنا سکتے تھے جس کی وجہ سے ان کے باپ نے ان کو بھائیوں سے خواب بتانے سے روک دیا تھا۔۔غور کریں! کیا کبھی کوئی کسی کا دشمن خوابوں کی وجہ سے ہوا ہے؟ کبھی نہیں! پھر سیدنا یوسف کوخواب کا ذکر کرنے سے کیوں روکا گیا؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ سوئی ہوئی آنکھوں سے خواب دیکھنے کی بات نہیں بلکہ یہ جیتے جاگتے انسان کی سوچ کی بات ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ خوابوں کی تعبیر کی بات نہیں تھی بلکہ یہ ان کی مستقبل کے بارے میں میں سوچ تھی۔

آیت نمبر ۵ میں انہیں بھائیوں کو شیطان کیوں کہا گیا کہ وہ کوئی پرفریب (شیطانی) چال چلیں گے؟ شیطان تو اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی احکام الٰہی سے روگردانی کرے ان بھائیوں نے کون سی رو گردانی کی تھی جس کی وجہ سے ان کو شیطان کہا گیا؟

ایسے ہی سچے خواب بادشاہ کو بھی آئے تھے۔۔اور سچے خواب تو ان قیدیوں کو بھی جو جیل خانے میں تھے، آئے تھے اس کا مطلب ہے کہ سچے خواب آنا کوئی پرہیزگاری کی دلیل نہیں ہے۔

سیدنا یوسف کے والد کو کس طرح معلوم ہوا کہ یوسف کو بھیڑیا ہی کھا جائے گا؟ کسی اور جانور کی بات کیوں نہیں کی گئی؟ اگر کسی جنگل کی بات ہو رہی ہے تو جنگل میں بہت سے جانور ہوتے ہیں صرف

بھیڑیا کا نام ہی کیوں لیا گیا؟

امیر عزیز کے گھر میں اس کی بیوی نے یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ بدفعلی کا ارادہ کیا اور اس نے ایک کے بعد ایک دروازہ بند کیا اور یوسف کھڑے دیکھتے رہے اور بھاگنے کی کوشش اس وقت کی جب آخری دروازہ بھی بند ہونے ہونے لگا۔۔۔آخر کیوں؟

حالانکہ سارے دروازے بند ہو چکے تھے پھر بھی ایک گواہ آن موجود ہوا، یہ گواہ کہاں سے آ گیا؟

۔۔جب حضرت یوسف کو بدفعلی کی دعوت دی گئی تو توان کا جواب اس بدفعلی سے مطابقت نہیں رکھتا

﴿وراودنه التی هوبیتها عن نفسه و غلقت الابواب و قالت هیت لك، قال معاذ الله ، انه ربی احسن مثوای، انه لا یفلح الظلمون﴾

تو جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے اس نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر کے کہنے لگی، آؤ: انہوں نے کہا! کہ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ وہ تو میرے آقا ہیں اس نے مجھے اچھی طرح سے رکھا ہوا ہے

سوال پیدا ہوتا ہے عورت جب جنسی خواہش کے لیے بلا رہی ہے تو سیدنا یوسف نے منع کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ اس عورت کے شوہر نے جو سیدنا یوسف کا ,,آقا،، تھا اچھی طرح رکھا تھا۔ انہوں نے اپنے کردار کی بات نہیں کی۔۔۔اگر آقا نے اچھا نہ رکھا ہوتا۔۔۔تو کیا جواب ہوتا؟ اور دوسری بات کہ حضرت یوسف اس عورت کے سامنے اللہ کی پناہ مانگ رہے ہیں کیا عزیز مصر کی عورت اللہ پر ایمان رکھتی تھی جو وہ اس کو احساس دلا رہے تھے؟

۔۔اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود شوہر نے یوسف علیہ السلام کو گھر سے نہیں نکالا بلکہ دونوں اسی گھر میں رہتے رہے۔۔!

۔۔۔اور پھر ایک مرتبہ عورتوں کے سامنے بلائے گئے تو بہت معصومیت کے ساتھ ان کے سامنے

حاضر ہو گئے

۔۔۔عورتیں انہیں دیکھ کر اتنی تعجب میں کیوں پڑ گئی ؟ کیا انہوں نے یوسف کو پہلے شہر میں چلتے پھرتے نہیں دیکھا تھا؟ یا یہ کہ وہ اس گھر کے اندر بندر رکھے گئے تھے جہاں عزیز مصر کو زیادہ خطرہ ہو سکتا تھا کہ پہلی والی حرکت دوبارہ نہ دہرائی جائے۔

۔۔۔آیت نمبر ۳۱ کا ترجمہ کیا گیا ہے کہ عورتوں نے ہاتھوں کو کاٹ لیا﴿فلما راینه اکبرنه و قطعن ایدھن﴾جب ان عورتوں کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئی اور اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔۔۔۔ کوئی شخص غلطی سے بھی اپنے ہاتھ نہیں کاٹتا۔۔غلطی سے انگلیوں کو تو کٹتے دیکھا ہے ہاتھوں کا کٹنا صرف مفسرین ہی کے قلم کا کام ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔۔

۔۔۔سیدنا یوسف اس جنسی برائی سے اس وجہ سے رک گئے کہ ان کو کسی فرشتے یا وحی کے ذریعے ہدایت ملی تھی۔۔۔غور کیجیئے اس میں پھر سیدنا یوسف کا کیا کمال ہوا؟ اگر عام لوگوں کو بھی اسی طرح برائی سے روکا جائے تو انسان ہر برائی سے رک جائے گا۔عوام الناس کو تو اس طرح کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔! عجیب بات ہے کہ انبیاء جو کہ ذمہ دار اشخاص ہوتے ہیں ان کو تو خدا خود روکے اور عوام الناس کو بجائے روکنے کے، پکڑ لے۔۔۔!!

۔۔۔﴿ان کید کن عظیم﴾ یقیناً تمہاری تدابیر عظیم ہوتی ہیں۔۔۔جیسا کہ اس ترجمے سے معلوم ہوتا ہے اور ملا ذہن اور مذہبی پیشوا کو کہتے سنا ہو گا عورتوں کی چالیں بڑی زبردست ہوتی ہیں۔۔تو سوال پیدا ہوتا ہے

۔۔اگر حرکت صرف ایک عورت نے کی تھی تو ساری عورتوں کو کیوں مورد الزام ٹھیرایا جا رہا ہے؟ اور عورتوں کہ کہتے ہیں کہ تمہاری چالیں تو اتنی زبردست ہوتی ہیں کہ قران بھی اعتراف کرتا ہے۔۔کیا ان مذہبی پیشواؤں کی ماں بہنیں بھی ایسے کردار کی مالک ہوتی ہیں؟

۔۔۔اور اگر واقعی عورت کی سوشت میں چالاکی اور چالبازی ہے تو اس کا خالق کون ہے؟ اور اس کا کون ذمہ دار ہے؟

۔۔۔حضرت یوسف کے بارے میں بائبل سے لی گئی کہانی کے مطابق جس کا میں آگے جا کر تفصیل سے ذکر کروں گا کہ ان کے بھائیوں نے ان کو اندھے کنویں میں پھینک دیا۔حالانکہ قران کہہ رہا ہے

﴿انی ترکت ملة قوم لا یومنون با للله و هم با لا خرة هم کافرون﴾

بے شک میں نے اس قوم کا مذہب ترک کر دیا جو اللہ پر ایمان نہیں لاتی،اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں اس عمومی ترجمے سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت یوسف نے خود اپنی ملت کو چھوڑا۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ملت اور قوم میں فرق ہوتا ہے اس آیت میں ملت کا ذکر ہے،ایک نظریہ کے تحت ملت بنتی ہے اور کسی جگہ قیام یا ریاست سے قوم بنتی ہے۔سیدنا یوسف نے نظریاتی بنیادوں پر اپنے آباء کی نظریاتی ملت کو چھوڑا تھا نہ کہ اپنی قوم کو۔

۔۔۔حضرت یوسف (علیہ السلام) سے جیل میں قیدیوں نے جو سوالات پوچھے،ان کے جواب ان کے سوالات سے مطابقت نہیں رکھتے۔۔۔سوال خوابوں کے متعلق تھے جب کہ سیدنا یوسف کے جواب اپنی فکر اور نظریے کے متعلق ہیں۔یقیناً ان کے جواب بے تکے نہیں ہو سکتے،البتہ ہمارے سمجھنے میں کجی ہے۔ ان کا یہ کہنا۔۔۔

﴿یا صاحبی السجن ا رباب متفرقون خیر ام الله الوحد القه﴾

میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) خدائے یکتا و غالب؟ عمومی ترجمہ یہ جواب اپنے موضوع سے بالکل ہٹ کر ہے۔

﴿ما تعبدون من دونه الا اسماء سمیتمو ها انتم و اباوکم ما انزل الله بها من سلطان ان الحکم الا لله امر تعبدوا الا ایاه، ذلك الدین القیم و لکن اکثر الناس

لا يعلمون﴾

جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ خدا نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی (سن رکھو کہ) خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔۔۔۔

اس آیت کا آخری حصہ قابل غور ہے۔۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔۔۔ کیا یہ جواب خوابوں کے متعلق ہو سکتا ہے؟؟؟؟

۔۔۔ بائبل سے مستعار مفاھیم اور تراجم سے معلوم پڑتا ہے کہ جب سیدنا یوسف کو حکومت مل گئی اور جس وقت حضرت یوسف (علیہ السلام) کے گھر میں ان کے بھائی تھے، آپ نے دعوت کا خود انتظام کیا تھا اور۔۔ الصقایه۔۔۔ اپنے بھائی کے سامنے رکھوایا۔۔۔ کیوں؟۔۔ اور ڈھونڈ نے پر الصقایه کی بجائے صواع ملا۔ سیدنا یوسف اس معاملے میں مداخلت کیوں نہیں کرتے؟ لازم تھا کہتے کہ یہ میں نے یہ کام کروایا ہے اور نہ ہی ان کو حیرت ہوئی کہ انہوں نے الصقایه رکھوایا تھا جب کہ تفتیش پر صواع ملا۔۔۔

۔۔۔ کیا پوری مملکت میں ایک ہی پیالہ تھا کہ جب بادشاہ کو پیاس لگتی تو اسے الصقایه میں پانی پلایا جاتا، اور ناپنے کی ضرورت پڑتی تو وہی پیالہ بطور صواع استعمال کیا جاتا۔۔

۔۔۔ سیدنا یوسف پر چوری کا الزام لگایا گیا جب کہ انہوں نے کوئی چوری نہیں کی۔ ﴿قالوا ان یسرق فقد سرق اخ له من قبل﴾ (یوسف کے بھائیوں نے) کہا: کہ اگر اس نے چوری کی ہو تو (عجب نہیں کہ) اس کے ایک بھائی نے بھی پہلے چوری کی تھی۔۔

بنیادی طور پر سورۃ یوسف ایک ایسی قوم کی داستان ہے جہاں آپس میں پھوٹ پڑ گئی تھی اور مملکت

الھیہ کوکمزور کرنے کے لیےاس کے ساتھ چلنے والی ریاستوں کو یا توختم کرنے یا تابعدار بنانے کی سازش کی جارہی تھی۔اس لیے بغاوت پر مائل ریاستوں کا مملکت الھیہ سے مطالبہ تھا کہ ایسی ریاستوں کا الحاق جو مملکت الھیہ کی تابعدار ہیں ان سے کر دیا جائے تا کہ ان کی حفاظت میں آ جائیں۔۔۔

اور اس بات کی تصدیق اس حدیث سے بھی ہوتی ہے

امام ابن جریر نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے جب اپنی قوم کی بغاوت اور آ آﷺ کو نبوت کی عظمت ملنے پر ان کے حسد کو دیکھا تو اللہ نے آپ ﷺ کو تسلی دینے اور یوسف علیہ السلام کا اقتدار حاصل کرنا،ان کے بھائیوں کی بغاوت کا تذکرہ فرمایا اور بھائیوں کا جو حسد تھا اس کو بیان فرمایا۔۔۔(تفسیر طبری،جلد۱۲)

اوراس سورت میں جہاں لفظ الزئب استعمال ہوا ہے اس کا مطلب بھیڑیا نہیں بلکہ بھیڑیا صفت لوگ ہیں۔بھیڑیے سے مراد وہ مما لک ہیں جن کی بھیڑیا صفت ذہنیت ہوتی ہے اور جو بڑی چالاکی سے چھوٹے مما لک کے وسائل پر قبضہ جما لیتے ہیں (موجودہ دور کی تصویر آپ کے سامنے ہے)

عشاء۔۔ اس سورت میں اس سے مرادرات کا اندھیرا نہیں ہے بلکہ وہ مصیبت کی گھڑی جب کچھ نظر نہیں آئے

قمیص مادہ ق م ص معنی کرتہ۔۔ تقمص الو لایه او الا ماره۔۔۔امیر یا والی کا مقام حاصل کرنا۔۔ان الله سیقمصك قمیصا۔۔اللہ تجھے خلافت دے گا(مجمع البحار)

اول تو قمیص کے معنی سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ کسی خلافت یا مملکت کی بات ہورہی ہے دوسری بات کہ دم کذب جھوٹے خون سے کیا مراد؟ خون تو کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔خون لگا کر جھوٹ بولا جاتا ہے

سیارہ۔۔مادہ س ی ر۔۔۔معنی,,کاروان،،قافلہ،چلنے والا مسافر۔۔موجودہ دور میں گاڑی

فادلی دلوہ۔۔مادہ۔دل ی۔۔کسی کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا

وارد۔۔مادہ ورد۔,پہنچنا،حملہ پورکا حملہ کرنا، ورد الماء۔۔پانی کے پاس پہنچنا۔

اسروہ۔۔ مادہ س رر۔۔معنی,,مسرور،،خوشی،خفیہ رکھنا

بضاعۃ۔۔ مادہ ب ض ع۔۔معنی سرمایہ

امراۃ۔۔ مادہ۔م رء۔۔بنیادی معنی,,خوشگوار ہونا،، فکلو ھنیا مریاءا(سورۃالنساء)ذوق شوق سے کھالو،نافع وفائدہ مند ہونا۔اس کے علاوہ (اس دن آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا اور جب اس لفظ کے ساتھ ۃ تائے تانیث لگتی ہے تو مونث کے معنی ہوتے ہیں اسی وجہ سے مترجمین نے اکثر مقامات پر اس کا ترجمہ۔۔عورت یا بیوی کیا ہے۔۔لیکن قران میں اس لفظ کا اطلاق جماعت کے معنوں میں ہوا ہے

﴿تبت یدا ابی لھب و تب﴾﴿ ما اغنی عنہ مالہ وما کسب﴾﴿ سیصلی نارا ذات لھب﴾﴿ وامراتہ حمالۃ الحطب﴾﴿فی جید ھا حبل من مسد﴾

عمومی ترجمہ۔۔۔(ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو)(نہ اس کا مال ہی اس کے کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا)(وہ جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا)(اور اس کی بیوی بھی جو ایندھن سر پر اٹھائے پھرتی ہے)(اس کے گلے میں مونج کی رسی ہوگی)

غور کریں: کہ ابولہب جس کو مترجمین اور مفسرین اور محدثین نے رسالت مابﷺ کا ازلی دشمن قرار دیا تھا اور جس کی شرپسندی ہرحد کو پامال کر چکی تھی اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ قوم کے امیر ترین سرداروں میں تھا لیکن!!!!!!

ایسے امیر سردار کی بیوی بے چاری ایندھن خود ہی اپنے سر پر لادے پھرتی ہے جب کہ وہ جنگ بدر میں اپنے غلام کو اپنی جگہ بھیجتا ہے۔بقول مفسرین کے پھر ایک دفعہ لکڑی کے گٹھے کی رسی کھسک کر اس کے

گلے میں پھنس گئی ۔۔اس سے اندازہ لگایئے ہمارے مفسرین کس حدتک سوچ سکتے تھے۔۔
آپغور سے دیکھ لیجئے کہ قران کسی ,,بیوی،،کی بات نہیں کرر ہا بلکہ پوری امت کی بات کرر ہا ہےلفظ مرء کے ساتھ تائے تانیث لگتی ہے اورلفظ امراۃ بنتا ہے
و اغلت الا بواب.. معنی یہ نہیں کہ گھر کے تمام دروازے بند کر دیئے بلکہ یہ کہ ان کو اپنے نظریے پر عمل پیرا ہونے کے تمام راستے بند کر دیئے

بائبل کی داستان ۱:۳۷ (پیدائش) **یوسف کا خواب....**

یعقوب ملک کنعان میں یعنی اس ملک میں رہتا تھا جہاں اس کے باپ نے کچھ عرضہ گزارا تھا۔
یعقوب کی نسل کا حال یہ ھے
یوسف ایک سترہ سالہ نوجوان تھا جو اپنے بھائیوں کے ساتھ جو اس کے باپ کی بیویوں بلہاہ اورزلفہ کے بیٹے تھے بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا اوران کی بری باتوں کی خبر باپ تک پہنچا تا تھا۔
۳۔ اسرائیل، یوسف کو اپنے دوسرے بیٹوں سے زیادہ عزیز رکھتا تھا کیونکہ وہ اس کے بڑھاپے کا بیٹا تھا اوراس نے اس کے لیے مختلف رنگوں والی قبا بنائی تھی ۔۴۔اس کے بھائیوں نے جب یہ دیکھا کہ ان کا باپ اس کو زیادہ پیار کرتا ہے تو وہ اس سے حسد کرنے لگے اوراس کے ساتھ ڈھنگ سے بات بھی نہ کرتے تھے۔
۵۔یوسف نے ایک خواب دیکھا اور جب اس نے وہ خواب اپنے بھائیوں کو بتایا تو وہ اس سے اور بھی زیادہ نفرت کرنے لگے۔۶۔اس نے ان سے کہا: ذرا اس خواب کو تو سنو جو میں نے دیکھا ہے ۔۷۔ہم کھیت میں پولے باندھ رہے تھے کہ اچانک میرا پولا کھڑا ہو گیا اور تمہارے پولے میرے

پولے کے اردگرد جمع ہو گئے اور اسے سجدہ کرنے لگے۔۸۔اس کے بھائیوں نے کہا: کیا تو ہمارا بادشاہ بننا چاہتا ہے؟ کیا تو واقعی ہم پر حکومت کرے گا؟ اور وہ اس کے خواب اور اس کی باتوں کی وجہ سے اس سے اور بھی زیادہ نفرت کرنے لگے۔۹۔تب اس نے ایک اور خواب دیکھا اور اس نے اسے اپنے بھائیوں کو بتایا۔اس نے کہا: سنو! اس دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سورج، چاند اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

۱۰۔جب اس نے اس خواب کا ذکر اپنے باپ اور بھائیوں سے کیا تو اس کے باپ نے اسے ڈانٹا اور کہا: یہ خواب کیا ہے جو تو نے دیکھا ہے؟ کیا تیری ماں اور میں اور تیرے بھائی سچ مچ تیرے سامنے زمین پر جھکیں گے اور تجھے سجدہ کریں گے؟ ۱۱۔اس کے بھائی اس سے اور بھی نفرت کرنے لگے لیکن اس کے باپ نے یہ بات دل میں رکھی۔

یوسف کا اپنے بھائیوں کے ہاتھ فروخت کیا جانا

۱۲۔ایک دن اس کے بھائی سِکم کے آس پاس باپ کی بھیڑیں چرا رہے تھے۔۱۳۔تو اسرائیل نے یوسف سے کہا: جیسا کہ تو جانتا ہے، تیرے بھائی سکم کے نزدیک بھیڑ بکریاں چرا رہے ہیں میں تجھے ان کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔

اس نے کہا: بہت خوب!۔

۱۴۔چنانچہ اس نے اس سے کہا: جا کر دیکھ کہ تیرے بھائی اور سارا ریوڑ خیریت سے ہیں تو پھر آ کر مجھے خبر دے۔تب اس نے یوسف کو حبرون کی وادی سے رخصت کیا۔ جب یوسف سکم پہنچا ۱۵۔تو ایک شخص نے اسے کھیتوں میں ادھر ادھر گھومتے پایا اور اس پوچھا: تو کیا ڈھونڈ رہا ہے؟ ۱۶۔تو اس نے جواب دیا: میں اپنے بھائیوں کو ڈھونڈ رہا ہوں تو مجھے بتا سکتا ہے کہ وہ اپنی بھیڑ بکریاں کہاں چرا رہے ہیں۔۱۷۔ اس آدمی نے جواب: وہ یہاں سے چلے گئے ہیں اور میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا ہے

کہ چلو دوتین کی طرف نکل چلیں۔ چنانچہ یوسف اپنے بھائیوں کی تلاش میں روانہ ہوا اور انہیں دوتین کے پاس پایا۔

۱۸۔ لیکن انھوں نے اسے سے دور دیکھا اور اس سے قبل کہ وہ ان تک پہنچتا، انہوں نے اسے قتل کرنے کی ٹھان لی۔ ۱۹۔ اور انہوں نے آپس میں کہا: دیکھو وہ خواب والا آرہا ہے۔ ۲۰۔ آؤ ہم اس کو مار ڈالیں اور کسی گڑھے میں ڈال دیں اور کہیں گے کہ خونخوار جانور اسے کھا گیا۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ اس کے خوابوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔

۲۱۔ جب روبن نے یہ سنا تو اس نے ان کے ہاتھوں سے بچانے کی کوشش کی۔ اس نے کہا: ہم اس کی جان نہ لیں۔ ۲۲۔ بلکہ اس کا خون بہانے کی بجائے اسے بیابان کے کسی گڑھے میں ڈال دیتے ہیں تم اسے مت مارو۔ روبن نے یہ اس لیے کہا کہ وہ اسے ان کے ہاتھوں سے بچا کر صحیح سلامت اپنے باپ کے لے جانا چاہتا تھا۔

۲۳۔ چنانچو جب یوسف اپنے بھائیوں کے پاس پہنچا تو انہوں نے اس کی مختلف رنگوں والی قبا کو جسے وہ پہنے ہوا تھا اتارلیا۔ ۲۴۔ اور اسے اٹھا کر ایک گڑھے میں پھینک دیا جو سوکھا تھا اس میں ذرا بھی پانی نہ تھا ۔ ۲۵۔ پھر جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تو انہوں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایعک کاروان جلعاد کی طرف سے آرہا ہے ان کے اونٹ گرم مسالوں، روغن بلسان اور مرے سے لدے ہوئے تھے اور وہ انہیں مصر لے جا رہے تھے۔

۲۶۔ یہوداہ نے اپنے بھائیوں سے کہا: اگر ہم اپنے بھائی کو مار ڈالیں اور خون چھپالیں تو کیا فائدہ ہوگا؟ ۔ ۲۷۔ کیوں نہ ہم اسے اسماعیلیوں کے ہاتھ فروخت کر دیں، اسے ہلاک کیوں کریں؟ آخر کار وہ ہمارا بھائی ہے اور ہمارا ہی گوشت اور خون ہے اس کے بھائیوں نے اس کی بات مان لی۔

۲۸۔ چنانچہ جب وہ مدیانی سوداگر نزدیک آئے تو یوسف کے بھائیوں نے اسے گڑھے سے نکالا اور

اسے چاندی کے بیس سکوں کے عوض اسماعیلیوں کے ھاتھ بیچ ڈالا جو اسے مصر لے گئے

۲۹۔جب روبن لوٹ کر گڑھے پر پہنچا اور دیکھا کہ یوسفؑ وہاں نہیں ہے تو اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔۳۰۔وہ لوٹ کر اپنے بھائیوں کے پاس گیا اور کہنے لگا: لڑکا تو وہاں نہیں ہے! اب میں کیا کروں؟ ۳۱۔تب انہوں نے ایک بکرے کو ذبح کیا اور یوسف کی قبا کو اس میں تر کیا۔۳۲۔اور اس مختلف رنگوں والی قبا کو لے کر اپنے باپ کے پاس لوٹے اور کہنے لگے: ہمیں یہ چیز پڑی ہوئی ملی ہے لہذا اسے غور سے دیکھیں کہیں یہ تیرے بیٹے کی قبا تو نہیں؟ ۳۳۔یعقوب نے اسے پہچان لیا اور کہا: یہ تو میرے بیٹے کی قبا ہے وہ کسی خونخوار جانور کا لقمہ بن گیا۔سچ مچ یوسف پھاڑ ڈالا گیا۔

۳۴۔چنانچہ تب یعقوب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور ٹاٹ پہن لیا اور وہ کئی دن تک اپنے بیٹے کے لیے ماتم کرتا رہا (اہل تشیع کا ماتم بھی بائبل سے ہی لیا گیا ہے جس کو اماموں سے منسوب کر کے جائز قرار دیا گیا ہے) ۳۵۔اس کے سب بیٹے اور بیٹیاں اس کو تسلی دیتے تھے لیکن اسے تسلی نہ ہوئی تھی۔وہ یہی کہتا تھا کہ میں ماتم کرتا قبر تک پہنچ جاؤں گا اور اپنے بیٹے سے جاملوں گا۔چنانچہ یعقوبؑ اپنے بیٹے کے لیے آنسو بہاتا رہا۔

۳۶۔اسی اثنا میں مدیانیوں نے یوسف کو مصر میں فوطیفارؑ کے ہاتھ فروخت کر دیا جو فرعون کا ایک حاکم اور پہرے داروں کا سردار تھا۔

۳۹:۱ یوسف اور فوطیفار کی بیوی

یوسف کو مصر لے جایا گیا اور فوطیفار مصری نے جو فرعون کے افسروں میں سے تھا اور پہرے داروں کا سردار تھا، اسے اسماعیلیوں کے ہاتھ سے جو اسے وہاں لے گئے تھے خرید لیا۔۲۔خداوند یوسف کے ساتھ تھا اور وہ برومند ہوا اور اپنے مصری آقا کے گھر رہنے لگا ۳۔جب اس کے آقا نے دیکھا کہ خداوند اس کے ساتھ ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے اس میں اسے کامیابی بخشتا ہے ۴۔ تو یوسف پر اس کی

نظرِ کرم ہوئی اور اس نے یوسف کو اپنی خدمت گزاری میں لے لیا۔فوطیفار نے اسے اپنے گھر کا مختار مقرر کردیا اور اپنا سب کچھ اس کو سونپ دیا۔۵۔تب سے خداوند نے یوسف کی وجہ سے اس مصری کے گھر کو برکت بخشی ۔فوطیفار کی ہر شے پر،خواہ وہ گھر،یا کھیت کی خدا کی برکت ہوئی ۔٦۔اور یوسف کی موجودگی کے باعث اسے سوائے کھانے پینے کے کسی اور بات کی فکر نہ تھی ۔یوسف بڑا تنومند اور خوبصورت تھا ے۔اور کچھ ہی عرصہ بعد یوسف کے آقا کی بیوی کی نظر یوسف پر پڑی اور اس نے اسے ہم لستری پر مجبور کیا۔

۸۔لیکن یوسف نے انکار کردیا۔یوسف نے اسے کہا: میں اس گھر کا مختار ہوں اور اس وجہ سے میرے آقا کو گھر کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ۔اس نے اپنے گھر کا سارا اختیار مجھے دے رکھا ہے۔۹۔اس گھر میں مجھ سے بڑا کوئی نہیں ہے اور میرے آقا نے کوئی شے میرے اختیار سے باہر نہیں رکھی،سوا تیرے کیونکہ تو اس کی بیوی ہے پھر بھلا میں ایسی ذلیل حرکت کیوں کروں اور خدا کی نظر میں گنہگار بنوں؟

۱۰۔گو اس کا اصرار دن بدن بڑھتا گیا لیکن یوسف انکار کرتا رہا اور وہ اس کے پاس آنے سے بھی گریز کرنے لگا۔

۱۱۔ایک دن وہ کسی کام سے گھر میں داخل ہوا اور گھر کے اندر کوئی بھی موجود نہیں تھا ۱۲۔تو فوطیفار کی بیوی نے اس کو قمیض سے پکڑ لیا اور کہا: میرے ساتھ ہم بستر ہو۔۔لیکن وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر گھر سے بھاگ گیا

(بائبل کی کتاب میں فوطیفار کی بیوی کے نام کا ذکر نہیں ہے مگر سفر ہا یا سر جس نے تورات کی شرح لکھی ہے اس کی بیوی کا نام زلیخا تحریر کیا ہے اور ایران کے شاعر جامی نے اپنی کتاب ۔ہفت اورنگ (سات تخت) میں یوسف اور زلیخا کا ذکر کیا ہے،یہودی کیلنڈر کے مطابق یوسف کو ۲۲۱٦ یعنی ۱۵۴۴ ق م خریدا گیا اور یہ تورات ٦۰۰ ق م لکھی گئی اور اس کہانی کا منبع یہودیت ہے نہ کہ عیسائیت ۔جب کہ مسلمان مفسرین نے بھی ایرانی شاعر کی کتاب سے حاصل کردہ نام روایات میں ڈالا ہے جب کہ قران میں بھی نہیں)

۱۳۔جب اس نے دیکھا کہ وہ اپنی قمیض اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔۱۴۔تو اس نے

اپنے گھر کے خادموں کو آواز دی اوران سے کہا: دیکھو! کیا یہ عبرانی غلام ہمارے پاس اس لیے بلایا گیا ہے کہ ہماری بے حرمتی کرے اور میری عزت لوٹ لےلیکن میں چلانے لگی۔۱۵۔ جب اس نے دیکھا کہ میں مدد کے لیے چلا رہی ہوں اور وہ اپنا پیراہن میرے پاس چھوڑ کر گھر باہر بھاگ گیا۔

۱۶۔اور وہ یوسف کا پیراہن اس کے آقا کے گھر آنے تک اپنے پاس رکھے رہی ۱۷۔تب اس نے یہ ماجرا سنایا کہ وہ عبرانی غلام جسے تو ہمارے یہاں لایا ہے میرے پاس اندر آیا تا کہ میری عزت لوٹ لے ۔۱۸۔لیکن جونہی میں مدد کے لیے چلائی وہ اپنا پیراہن میرے پاس چھوڑ کر گھر سے بھاگ گیا۔

۱۹۔جب اس کے آق تے اپنی بیوی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تیرے غلام نے میرے ساتھ یہ سلوک تو وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا۔۲۰۔یوسف کے آقا نے اسے پکڑ کر قید خانے میں ڈال دیا۔جہاں بادشاہ کے قیدی بیڑیوں میں رکھے جاتے تھے جب یوسف قید خانے میں تھا خداوند اس کے ساتھ تھا۔

۲۱۔وہ یوسف پر مہربان ہوا اور اس نے قید خانے کے درواغہ کو بھی اس کا شفیق بنا دیا۔۲۲۔چنانچہ اس داروغہ نے سب قیدیوں کو یوسف کے ہاتھ سونپ دیا اور اسے وہاں کے ہر کام کا ذمہ دار قرار دیا۔۲۳۔ جو چیز یوسف کے زیر نگرانی تھی دراوغہ اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتا تھا کیونکہ خدا یوسف کے ساتھ تھا اور جو کچھ وہ کرتا تھا اس میں خداوند ہی اسے کامیابی عطا فرماتا تھا۔

۱:۴۰ ساقی اور نا نبائی

کچھ دنوں کے بعد یوں ہوا کہ شاہ مصر کا ساقی اور نانبائی کسی جرم میں پکڑے گئے۔۲۔فرعونؔ اپنے دو افسروں پر جو دوسرے ساقیوں اور نانبائیوں کے سردار تھے بہت خفا ہوا۔۳۔ اور انہیں پہرے اداروں کے سردار فوطیفارؔ کے محل میں اسی قید خانے میں جہاں یوسف حراست میں تھا، نظر بند کر دیا ۔۴۔تا کہ وہ اپنی نظر بندی کے دوران اس کی نگرانی میں رہیں۔۵۔مصر کے بادشاہ کے ساقی اور نانبائی

دونوں نے جو قید خانے میں بند تھے، ایک ہی رات ایک ایک خواب دیکھا اور ہر خواب کی تعبیر جدا جدا تھی۔

۶۔ دوسری صبح جب یوسف ان کے پاس پیا تو دیکھا کہ وہ بڑے اداس ہیں ۷۔ تب اس نے فرعون کے افسروں سے جو اس کے ساتھ اس کے آقا کے گھر قید میں تھے، پوچھا: آج تمہارے چہروں پر اتنی اداسی کیوں ہے؟ ۸۔ انہوں نے جواب دیا: ہم دونوں نے خواب دیکھے ہیں لیکن ان کی تعبیر بتانے والا کوئی نہیں ہے۔ تب یوسف نے کہا: کیا تعبیریں بتانا خدا کا کام نہیں؟ اپنے خواب مجھے سناؤ۔

۹۔ تب ساقیوں کے سردار نے اپنا خواب یوسف سے بیان کیا۔ اس نے اس سے کہا: میں نے اپنے خواب میں اپنے سامنے انگور کی ایک بیل دیکھی ۱۰۔ جس میں تین شاخیں تھیں۔ جوں ہی اس میں کلیاں لگیں اور پھول آئے، اس میں پکے ہوئے انگوروں کے گچھے لگ گئے ۱۱۔ فرعون کا پیالہ میرے ہاتھ میں تھا، میں نے انگور لے کر انہیں فرعون کے پیالہ میں نچوڑ دیا اور وہ پیالہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

۱۲۔ یوسف نے اس سے کہا: خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تین شاخیں تین دن ہیں ۱۳۔ اب سے تین دن کے اندر اندر فرعون تجھے سرفرازی بخشے گا اور تجھے پھر سے اپنے منصب پر بحال کرے گا اور تو پہلے کی طرح اس کے ساقی کی حیثیت سے فرعون کا پیالہ اس کے ہاتھ میں دے گا۔ ۱۴۔ لیکن سرفرازی کے بعد مجھے یاد رکھنا اور مجھ پر مہربانی کر کے فرعون سے میرا ذکر کرنا اور مجھے اس قید خانہ سے رہائی دلوانا ۱۵۔ کیونکہ مجھے عبرانیوں کے ملک سے یہاں زبردستی لایا گیا ہے اور یہاں بھی میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس کے سبب مجھے قید جانہ میں ٹھونس دیا جائے۔

۱۶۔ جب نانبائیوں کے سردار نے دیکھا کہ یوسف کی تعبیر ساقیوں کے سردار کے حق میں ہوئی ہے تو اس نے بھی یوسف سے کہا: میں نے بھی خواب دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹی کی تین ٹوکریاں

ہیں ۱۷۔ سب سے اوپر والی ٹوکری میں فرعون کے لیے ہر قسم کے کھانے رکھے ہوئے ہیں لیکن پرندے اس ٹوکری کا کھانا کھا رہے ہیں۔

۱۸۔ یوسف نے کہا: اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ تین ٹوکریاں تین دن ہیں ۱۹۔ اور اب تین دن کے اندر اندر فرعون تیرا سر کٹوا کر تجھے درخت پر لٹکوا دے گا اور پرندے تیرا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے ۲۰۔ تیسرا دن فرعون کی سالگرہ کا دن تھا اور اس نے تمام افسروں کی ضیافت کی (یاد رہے چھپی برتھ ڈے بھی بائبل سی لی گئی ہے) اس نے اپنے افسروں کی موجودگی میں حکم دیا کہ ساقیوں کے سردار اور نانبائیوں کے سرداروں کو حاضر کیا جائے۔ ۲۱۔ اس نے ساقیوں کے سردار کو اس کے منصب پر بحال کر دیا ۲۲۔ لیکن نانبائیوں کے سردار کو پھانسی دلوائی پس یوسف کی تعبیر سچی ہوئی۔ ۲۳۔ لیکن ساقیوں کے سردار نے یوسف کا خیال تک نہ کیا بلکہ اس کو بھلا دیا۔

۱:۴۱ (پیدائش) فرعون کا خواب

پورے دو برس بعد فرعون نے ایک خواب دیکھا کہ وہ دریائے نیل کے کنارے کھڑا ہے۔ ۲۔ اور دریا میں سے سات موٹی تازہ گائیں نکل آئیں اور کنارے کنارے چرنے لگیں ۳۔ ان کے بعد سات بدشکل اور دبلی پتلی گائیں دریائے نیل میں سے نکلیں اور ان کے پاس جا کر کھڑی ہو گئیں جو دریا کے کنارے پر تھیں ۔۴۔ اور بدشکل اور دبلی پتلی گایوں کو کھا گئیں۔ اس پر فرعون کی آنکھ کھل گئی ۵۔ وہ پھر سو گیا اور اس نے دوسرا خواب دیکھا کہ ایک ڈنٹھل میں دانوں سے بھری ہوئی سات موٹی اور اچھی اچھی بالیں نکلیں۔ ۶۔ اس کے بعد سات اور بالیں پھوٹیں نکلیں جو پتلی اور پوربی ہوا کی ماری ہوئی تھیں۔ ۷۔ یہ سات پتلی بالیں ان سات موٹی اور دانوں سے بھری ہوئی بالوں کو ہڑپ کر گئیں۔ اس پر فرعون کی آنکھ کھل گئی اور اسے معلوم ہوا کہ یہ خواب تھا۔ ۸۔ جب صبح ہوئی تو بڑا پریشان ہوا اور

اس نے مصر کے سب جادوگروں اور دانشوروں کو بلوا بھیجا۔فرعون نے اپنے خواب انہیں بتائے لیکن کوئی بھی اس کی تعبیر نہ بتا سکا۔

۹۔تب ساقیوں کے سردار نے فرعون سے کہا: آج مجھے اپنی غلطیاں یاد آ ئیں۱۰۔کہ ایک دفعہ فرعون اپنے خادموں سے ناراض ہوا تھا تو اس نے مجھے اور نانبائیوں کے سردار کو پہرہ داروں کے سردار کے گھر نظر بند کر دیا تھا۔۱۱۔ہم میں سے ہر ایک نے ایک ہی رات میں ایک ایک خواب دیکھا اور ہر خواب کی الگ الگ تعبیر تھی۔۱۲۔ قید خانہ میں ایک عبری جوان ہمارے ساتھ تھا جو پہرہ داروں کے سردار کا خادم تھا ہم نے اسے اپنے خواب سنائے اور اس نے ہمیں ہمارے اپنے اپنے خواب کی تعبیر بتا دی۱۳۔اور جو تعبیر بتائی تھی ویسا ہی ہوا یعنی میں اپنے منصب پر بحال ہو گیا اور اس دوسرے شخص کو پھانسی دی گئی۔۱۴۔ تب یوسف نے فرعون کو بلوا بھیجا۔قید حانہ کی رہائی سے یوسف نے حجامت بنوائی، کپڑے بدلے اور فرعون کے حضور پہنچا۔

۱۵۔فرعون نے یوسف سے کہا: میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر کوئی نہیں کر سکتا لیکن میں نے تیرے متعلق سنا ہے کہ تو خواب کو سن کر اس کی تعبیر کر سکتا ہے

-------۲۵۔ یوسف نے فرعون سے کہا: فرعون کے دونوں خواب ایک جیسے ہیں۔۔۔۲۹۔مصر میں سات سال پیداوار کی فراوانی کے ہوں گے۳۰۔لیکن ان کے بعد سات سال قحط کے ہوں گے جن میں مصر کی فراوانی والے سالوں کی یاد بھی باقی نہ رہے گی۔اور یہ قحط ملک کو تباہ کر دے گا۳۱۔ ملک کی فراوانی یاد نہ رہے گی کیونکہ بعد میں آنے والا قحط نہایت شدید ہوگا۔۔۔۔۔۳۳۔اور اب فرعون کو چاہئے کہ کسی مدبّر اور دانشمند شخص کو تلاش کرے اور اسے ملک مصر پر مختار بنائے۳۴۔جسے فرعون یہ اختیار دے کہ وہ ایسے حکام مقرر کرے جو فراوانی کے سات سالوں میں مصر کی پیداوار کا پانچواں حصہ وصول کرے

(روایات میں عشر کے ذریعے پانچواں حصہ نکالنے کا نظریہ بھی بائبل سے لیکر حدیث بنائی گئی ہے)

۳۵۔اوران آنے والے اچھے سالوں میں تمام اشیاءخوردنی جمع کریں اور فرعون کے ماتحت شہروں میں ذخیرہ کر کےاس کی حفاظت کریں۔۳۶۔یہ اناج مصر پر آنے والے قحط کے دنوں میں استعمال کیا جائے تاکہ ملک کے لوگ ہلاک نہ ہوں۔۳۷۔یہ تجویز فرعون کو پسند آئی۔۳۸۔فرعون نے ان سے پوچھا: کیا ہمیں اس جیسا جو خدا کی روح سے معمور ہے مل سکتا ہے؟۔۔۔۴۴۔اس کے بعد فرعون نے یوسف سے کہا: میں فرعون ہوں لیکن سارے ملک مصر میں کوئی شخص تیرے حکم کے بغیر ہاتھ پاؤں نے ہلا سکے گا۔۴۵۔اور فرعون نے یوسف کا نام صفنات فنعیح رکھا اوراس نے اون کے پجاری فوطیفرع کی بیٹی آسناتھ کواس سے بیاہ دیا اور یوسف مصر کےتمام ملک میں دورہ کرنے لگا۔۴۶۔جب یوسف مصر کے بادشاہ،فرعون کی ملازمت میں آیا تو وہ تیس برس کا تھا۔اور یوسف فرعون سے رخصت ہو کر سازے ملک مصر کا دورہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔۴۷۔فراوانی کےسات سالوں میں کثرت سے پیداوار ہوئی۔۴۸۔یوسف وہ تمام اشیاءخوردنی جوافراط کےان سات سالوں میں ملک مصر میں پیدا ہوئیں،جمع کر کےشہروں میں ان ذخیرہ کرنے لگا اور شہر میں اس کےاردگرد کے کھیتوں میں اگی ہوئی اشیاءخوردنی بھی اکٹھی کرتا گیا۔۴۹۔یوسف نے غلہ سمندر کی ریت کی مانند نہایت کثرت سے ذخیرہ کیا جس کی مقدار اس قدر زیادہ ہوگئی تھی کہ اس نے اس کا حساب رکھنا بھی چھوڑ دیا۔کیونکہ وہ بے حساب تھا۔

۵۰۔قحط کے سالوں کے آغاز سے قبل اون کے پجاری فوطیفرع کی بیٹی آسناتھ کے ہاں یوسف سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔۵۱۔یوسف نے پہلوٹھے کا نام منسی یہ کہہ کر رکھا کہ خدا کی مہربانی سے میں نے اپنی اورر پنے باپ کے گھرانے کی ساری مشقت بھلادی۔اوراس نے اپنے دوسرے بیٹے کا نام افرائیم یہ کہہ کر رکھا کہ خدا نے مجھےاس مل کر برومند کیا جہاں میں نے مصیبت اٹھائی۔۵۲۔ملک

مصر کے افراط کے سات ختم ہو گئے۵۴۔اور یوسف کے کہنے کے مطابق قحط کے سات سالوں کا آغاز ہوا۔حالانکہ دوسرے تمام ممالک میں قحط پڑا تھا لیکن مصر سارے میں خوراک موجود تھی۔۵۵۔جب مصر کے سارے ملک میں بھی قحط کی شدت محسوس ہونے لگی تو لوگ روٹی کے لیے فرعون کے آگے چلائے۔تب فرعون نے مصریوں سے کہا:یوسف کے پاس جاؤ اور جو کچھ وہ تم سے کہے وہ کرو۔

۱:٤٢ یوسف کے بھائیوں کا مصر جانا

جب یعقوب کو معلوم ہوا کہ مصر میں اناج مل رہا ہے تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا:تم کھڑے کھڑے ایک دوسرے کا منہ کیوں تاک رہے ہو؟اور اس نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا:میں نے سنا ہے کہ ملک مصر میں اناج ہے۔تم وہاں جاؤ اور اپنے لیے کچھ خرید لاؤ تا کہ ہم زندہ رہیں اور ہلاک نہ ہوں تب یوسف کے دس بھائی اناج خریدنے کے لیے مصر روانہ ہوئے۴۔ لیکن یعقوب نے یوسف کے بھائی بن یامین کو ان کے ساتھ نہ بھیجا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پر بھی کوئی آفت نازل ہو جائے۔۵۔چنانچہ اسرائیل کے بیٹے بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو اناج خریدنے کے لیے گئے کیونکہ ملک کنعاؔن بھی قحط کا شکار تھا۔٦۔یوسف مصر کا حاکم تھا اور وہی ملک کے سب لوگوں کے ہاتھ اناج بیچتا تھا۔لہذا جب یوسفؔ کے بھائی پہنچے تو وہ زمین پر اپنے سر ٹیک کر اس کے حضور آداب بجالائے۷۔جوں ہی یوسف نے اپنے بھائیوں کو دیکھا،انہیں پہچان لیا لیکن انجان بن کر نہایت سخت لہجہ میں بولا:تم کہاں سے آئے ہو؟انہوں نے جواب دیا:ہم ملک کنعان سے یہاں اناج خریدنے آئے ہیں۸۔حالانکہ یوسف نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا تھا لیکن انہوں نے اسے نہ پہچانا ۹۔تب اس نے ان خوابوں کو جو اس نے دیکھے تھے،یاد کر کے کہا:تم جاسوس ہو!سم یہ دیکھنے آئے ہو کہ ہمارے ملک کی سرحدیں کہاں غیر محفوظ ہیں۔۱۰۔انہوں نے جواب دیا:نہیں ہمارے آقا!ہم تیرے بندے تو اناج خریدنے آئے ہیں۔۱۱۔ہم سب ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں۔تیرے خادم شریف

لوگ ہیں، جاسوس نہیں ہیں ۔۱۳۔لیکن انہوں نے جواب دیا: تیرے خادم ہم بارہ بھائی ہیں جو ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں وہ ملک کنعان میں رہتا ہے۔سب سے چھوٹا اس وقت ہمارے باپ کے پاس ہے اور ایک مر چکا ہے ۔۱۴۔یوسف نے ان سے کہا کہ کہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ تم جاسوس ہو۔۱۵۔ اب تمہاری آزمائش یوں کی جائے گی جب تک تمہارا چھوٹا بھائی یہاں نہ آئے فرعون کی حیات کی قسم ،تم یہاں سے جانے نہ پاؤ گے ۱۶۔لہذا اپنے میں سے کسی ایک کو بھیج دو تا کہ وہ تمہارے بھائی کو لے آئے اور باقی تم قید خانہ میں رکھے جاؤ گے تا کہ تمہاوب باتوں کی تصدیق ہو سکے کہ تم سچ کہہ رہے ہو اور اگر نہیں تو فرعون کی حیات کی قسم تو تم جاسوس ہی سمجھے جاؤ گے ۱۷۔اور اس نے ان سب کو تین دن تک حراست میں رکھا۔۱۸۔تیسرے دن یوسف نے ان سے کہا: ایک کام کرو تا کہ زندہ رہو کیونکہ میں خدا ترس آدمی ہوں ۱۹۔ اگر تم سب سچے ہو تو تم سب بھائیوں میں سے ایک یہاں قید خانہ میں بند رہے اور باقی سب اپنے خاندان کے لیے جو فاقوں سے ہیں، اناج لے جائیں ۔۲۰۔لیکن تم اپنے چھوٹے بھائی کو میرے پاس ضرور لے آنا ۲۱۔وہ آپس میں کہنے لگے یقیناً ہمیں اپنے بھائی یوسف کے سبب سزا مل رہی ہے۔۔ یاد ہے کہ جب اس نے ہم سے التجا کی تھی کہ مجھے جان سے مت مارو تو وہ کس قدر بے بس نظر آ رہا تھا تب ہم نے اس کا نہ سنی۔اس لیے اب یہ مصیبت ہم پر آن پڑی ہے۔

۲۲۔ روبن نے جواب دیا: کیا میں نہ کہتا تھا کہ اس بچے پر ظلم نہ کرو۔۔۔۲۳۔انھیں اس بات کا احساس نہ تھا کہ یوسف ان کی باتیں سمجھ رہا ہے کیونکہ یوسف نے جو کچھ کہا تھا ایک ترجمان کی زبانی کہا تھا۔

۲۴۔شمعونؔ کو لے کر ان کی آنکھوں کے سامنے بندھوایا۔۲۵ تب یوسف نے حکم دیا کہ ان کے بوروں میں اناج بھردو اور ہر آدمی کی چاندی بھی اس کے بورے کے اندر رکھ دی جائے اور انہیں زادراہ بھی دیا جائے۔۲۶ تب انہوں نے اپنا اناج اپنے گدھوں پر لادا اور روانہ ہو گئے ۔۲۷۔راستے میں اپنی جائے مقام پر ان میں سے ایک نے اپنے گدھے کو خوراک ڈالنے کے لیے اپنا بورا کھولا تو اپنی چاندی

بھی اپنے بورے کے منہ پر رکھی ہوئی دیکھی ۔۲۸۔اس نے اپنے بھائیوں سے کہا: میری چاندی تو واپس کردی گئی ہے۔ یہ دیکھ کر ان کے حواس گم ہو گئے اوران پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے: خدا نے ہمارے ساتھ یہ کیا کر دیا؟ ۲۹۔جب وہ ملک کنعان میں اپنے باپ یعقوب کے پاس آئے تو انہوں نے اپنی آپ بیتی اسے سنائی۔انہوں نے کہا: ۳۰۔جو شخص اس ملک پر حاکم ہے وہ ہم سے نہایت سخت لہجہ میں مخاطب ہوا اور یوں پیش پیا گویا ہم اس ملک میں جاسوسی کرنے آئے ہیں۔۳۱۔لیکن ہم نے اس سے کہا: ہم شریف لوگ ہیں، ہم جاسوس نہیں ہیں۔۳۲۔ہم بارہ بھائی ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں ایک مر چکا ہے اور سب سے چھوٹا اس وقت ملک کنعان میں ہمارے باپ کے پاس ہے۔۔۔۔۳۷۔تب روبن نے اپنے باپ سے کہا: اگر میں اسے تیرے پاس واپس نہ لایا تو، تو میرے دونوں بیٹوں کو قتل کر ڈالنا اسے میری حفاظت میں دے دے۔میں اسے واپس لے آؤں گا۔۳۸۔لیکن یعقوب نے کہا، میرا بیٹا تمہارے ساتھ وہاں نہ جائے گا اس کا بھائی مر چکا ہے اورصرف وہ باقی بچا ہے جس سفر پر تم جارہے ہوں، اگر اس کے دوران اسے کچھ ہو گیا تو تمہارا بوڑھا باپ زندہ نہ رہ سکے گا۔

۱:۴۳ مصر کو دوبارہ روانگی

ابھی قحط زوروں پر تھا ۲۔اور جب وہ مصر سے لایا ہوا سب اناج کھا چکے تو ان کے باپ نے ان سے کہا: جات اور مصر سے ہمارے لیے اور غلہ خرید لاؤ۔۔۔۔۸۔تب یہودا نے اپنے باپ اسرائیل سے کہا: اس لڑکے کو ہمارے ساتھ بھیج دو اور ہم جلدی چلے جائیں گے ورنہ ہم اور تو اور ہمارے بال بچے زندہ نہ بچے گے۔۹۔میں خود اس کی سلامتی کا ضامن ہوں ۱۰ سچ تو یہ ہے کہ اگر ہم دیر نہ لگاتے تو دوبارہ جا کر کبھی کے لوٹ آئے ہوتے۔۱۱۔تب ان کے باپ اسرائیل نے ان سے کہا: اگر یہی بات ہے تو اس ملک

کی بہترین پیداوار میں سے چند چیزیں اپنے بوروں میں رکھ لو اورانہیں اس شخص کے لیے تحفہ کے طور پر لے جاؤ جیسے کہ تھوڑا سا روغن بلسان شہد، کچھ گرم مصالحہ،مر، پستے اور بادام۔۱۲اور چاندی کی دوگنی مقدار اپنے ساتھ لے جاؤ کیونکہ تمہیں وہ چاندی لوٹانی ہوگی جو تمہارے بوروں میں رکھی گئی تھی شاید غلطی سے ایسا ہوا ہو۔۱۳۔اور اپنے بھائی کو بھی ساتھ لے جاؤ۔۱۴اور قادر مطلق خدا اس شخص تم پر مہربان کرے تا کہ وہ تمہارے دوسرے بھائی اور بن یامین کو تمہارے ساتھ واپس بھیج دے۔

۱۵۔چنانچہ وہ جلدی سے مصر پہنچے یوسف کے سامنے حاضر ہوئے۔۱۶۔جب یوسف نے بن یامین کو ان کے ساتھ دیکھا تو اس نے اپنے گھر کے منتظم سے کہا: ان آدمیوں کو میرے گھر لے آؤ اور ایک جانور ذبح کر کے کھانا تیار کرو کیونکہ دوپہر کو یہ لوگ کھانا میرے ساتھ کھائیں گے۔۱۷۔ تب اس شخص نے یوسف کے کہنے کے مطابق ان آدمیوں کو یوسف کے محل میں لے گیا۱۸۔جب وہ آدمی یوسف کے محل میں پہنچے تو ان پر خوف طاری تھا۔انہوں نے سوچا کہ چاندی پہلی بار ہمارے بوروں میں رکھ دی گئی تھی اسی وجہ سے ہمیں یہاں لایا گیا ہے۔ وہ ہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تا کہ ہم پر غالب پکڑ ہمیں غلام بنا لے اور ہمارے گدھوں کو چھین لے۔۔۔۲۳۔اس نے کہا: تم اس کی فکر نہ کرو، ڈرو نہیں! تمہارے خدا اور تمہارے باپ کے خدا نے تمہارے بوروں میں تمہیں خزانہ دیا ہوگا۔ مجھے تو تمہاری چاندی مل چکی۔ تب وہ شمعون کو ان کے پاس لے آیا۔۲۴۔پھر وہ منتظم ان آدمیوں کو اندر محل میں لے گیا۲۵۔اور انہوں نے دوپہر کو یوسف کے آنے تک اپنے تحفے تیار کر لیے۔۲۶۔جب یوسف گھر آیا تو انہوں نے وہ تحفے اسے پیش کیے۲۷۔اس نے ان کی خیریت دریافت کی اور کہا تمہارا ضعیف باپ جس کا تم نے ذکر کیا تھا ،کیسا ہے؟ کیا وہ اب تک زندہ ہے؟

۲۸۔انہوں نے جواب دیا: تیرا خادم۔ہمارا باپ اب تک زندہ ہے۔۲۹۔جب اس نے آنکھ اٹھا کر اپنے بھائی بن یامین کو دیکھا جو اس کی ماں کا بیٹا تھا تو پوچھا: کیا یہ تمہارا بھائی ہے جس کا تم ذکر مجھ سے کیا

تھا؟۔۔۔۳۰اپنے بھائی کو دیکھ کر یوسف کا دل بھر آیا۔وہ جلدی سے باہر نکلا تا کہ کسی جگہ جا کر آنسو بہا سکے تب وہ اپنے کمرے میں جا کر رو یا۔۳۱۔پھر وہ اپنا منہ دھو کر باہر آیا اور ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا: کہ کھانا چنو۔

۳۲۔تب انہوں نے اس کے لیے الگ،اس کے بھائیوں کے لیے الگ اور جو مصری اسکے ساتھ کھاتے تھے،ان کے لیے الگ کھانا چنا۔کیونکہ مصری عبرانیوں کے ساتھ کھان کھانے سے نفرت کرتے تھے۔۳۳۔ان آدمیوں کو پہلوٹھے سے لے کر چھوٹے تک ان کی عمر کے مطابق ترتیب وار بٹھایا گیا تھا اور وہ ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھ رہے تھے۔۳۴۔جب یوسف کی میز سے ان کے لیے کھان ارکھا گیا تو بن یامین کا حصہ دوسروں سے پانچ گنا زیادہ تھا اور انہوں نے اس کے ساتھ کھایا پیا اور خوشی منائی۔

۱:۴۴ بورے میں چاندی کا پیالہ

پھر یوسف نے اپنے گھر کے منتظم کو یہ ہدایات دیں: جتنا اناج یہ لوگ لے جا سکیں،ان کے بوروں میں بھر دیا جائے اور ہر ایک کی چاندی بھی اس کے بورے کے منہ میں رکھ دی جائے ۲۔اور میرا چاندی کا پیالہ سب سے چھوٹے کے بورے میں اس کے اناج کے معاوضہ کی چاندی کے ساتھ رکھ دینا چنانچہ اس نے یوسف کے کہنے کے مطابق عمل کیا۔۳۔جب صبح ہوئی تو ان آدمیوں کو ان کے گدھوں سمیت رخصت کیا گیا۔۴۔وہ شہر سے زیادہ دور بھی جانے نہ پائے تھے کہ یوسف نے اپنے منتظم سے کہا: جلدی سے ان آدمیوں کا پیچھا کر اور جب تو انہیں جا لے تو ان سے کہنا: تم نے نیکی کے عوض بدی کیوں کی؟ ۵۔کیا یہ وہی پیالہ نہیں جس سے میرا آقا پیا کرتا ہے اور فال کھولتا ہے؟ یہ تم نے نہایت برا کیا ہے۔

۶۔جب اس نے انہیں جالیا تو اس نے یہ باتیں ان کے سامنے کہہ دیں ۷۔لیکن انہوں نے اس سے کہا: ہمارا خداوند ایسی باتیں کیوں کہتا ہے؟ تیرے خادموں سے ایسے فعل کا سرزد ہونا بعید رہے! ۸۔ہم ملک کنعان سے وہ چاندی بھی واپس لے آئے جو ہمارے بورں کے منہ میں ہمیں ملی تھی۔ پھر بھلا ہم تیرے آقا کے گھر سے چاندی سونا کیوں چراتے؟ لہذا تیرے خادموں میں سے جس کسی کے پاس چاندی کا پیالہ ملے وہ مارڈالا جائے اور ہم سے باقی اپنے خداوند کے غلام ہو جائیں گے۔

۱۰۔اس نے کہا ٹھیک ہے جو تم کہتے ہو وہ ہی سہی جس کسی کے پاس وہ پیالہ نکل آئے وہ میرا غلام ہو گا اور باقی تم بے گناہ ٹھہرو گے۔ ۱۱۔تب ہر ایک نے جلدی سے اپنا اپنا بورا زمین پر اتارا اور اسے کھول دیا ۱۲۔تب منتظم نے بڑے سے لیکر چھوٹے تک ہر ایک کے بورے کی تلاشی لی اور پیالہ بن یامین کے بورے سے برآمد ہوا۔ ۱۳۔اس پر انہوں نے اپنے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اپنے اپنے گدھوں کو لاد کر شہر کی طرف واپس چل دیئے۔ ۱۴۔یوسف ابھی گھر ہی میں تھا کہ یہوداہ اور اس کے بھائی آ گئے اور وہ اس کے سامنے زمین پر گر پڑے۔ ۱۵۔یوسف نے ان سے کہا: یہ تم نے کیا کیا؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میں وہ شخص ہوں جو غیب کی باتیں بھی جان لیتا ہے۔

۱۶۔یہوداہ نے جواب دیا: ہم اپنے خداوند سے کیا کہیں؟ ہم کہہ بھی کیا سکتے ہیں؟ ہم اپنی بے گناہی کیسے ثابت کریں؟ خدا نے تیرے خادموں کا جرم بے پردہ کر دیا ہے۔ اب ہم اپنے خداوند کے غلام ہیں۔ ہم سب اور جس کے پاس یہ پیالہ نکلا وہ بھی۔ ۱۷۔لیکن یوسف نے کہا خدا نہ کرے کہ میں ایسا کروں! صرف وہ ہی آدمی میرا غلام ہو گا جس کے پاس سے پیالہ نکلا ہے باقی سب اپنے باپ کے پاس جا سکتے ہیں۔

۱۸۔تب یہوداہ یوسف کے پاس جا کر کہنے لگا: اے میرے خداوند: تو اپنے خداوند سے ایک بات کہنے کی اجازت دے۔ اپنے خادم سے خفا نہ ہو کیونکہ تو خود فرعون کے برابر ہے ۱۹۔ میرے

خداوند نے اپنے بندوں سے پوچھا تھا کہ تمہارا کوئی بھائی ہے؟ ۲۰۔اورہم نے جواب دیا تھا کہ ہمارا ایک بوڑھا باپ ہے اوراس کے بڑھاپے کا ایک چھوٹا بیٹا ہے جس کا بھائی مرچکا ہے اوراپنی ماں کی اولاد میں سے وہی اکیلا باقی بچا ہے اوراس کا باپ اس پر جان چھڑکتا ہے۔۔۔۔۔۳۰لہذا جب میں تیرے خادم، اپنے باپ کے پاس اس لڑکے کے بغیر واپس جاؤں گا۳۱۔دیکھے گا کہ اس کا بیٹا واپس نہیں آیا تو وہ مرجائے گا۳۲۔خادم نے اس لڑکے کی سلامتی کی اپنے باپ کو ضمانت دے رکھی ہے۔میں نے اس سے کہا تھا کہ اگر میں اس لڑکے کو تیرے پاس واپس نہ لایا تو عمر بھر تیرا گنہگار ٹھہروں گا۔۳۳۔چنانچہ خادم کو اپنے خداوند کا غلام بن کر یہاں رہنے کی اجازت دے اوراس لڑکے کو اپنے بھائیوں کے ساتھ لوٹ جانے دے

۴۵ : ۱۔ یوسف کا اپنے آپ کو ظاہر کرنا

تب یوسف اپنے سارے خدمت گازوں کے سامنے خود کو ضبط نہ کرسکا اوراس نے چلّا کر کہا: سب یہاں سے چلے جاؤ۔تب یوسف نے اپنے آپ کو اپنے بھائیوں پر ظاہر کیا اوراس وقت اس کے خدمت گاروں میں سے کوئی اس کے پاس نہ تھا۔۲۔وہ اس قدر چلّا چلا کر رویا کہ مصریوں نے اس کے رونے کی آواز سنی اورفرعونؔ کے گھر والوں کو بھی خبر ہوگئی۔۳۔ یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا: میں یوسف ہوں۴۔ تب یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا میرے قریب آؤ۔ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں جسے تم نے مصریوں کے ہاتھ بیچا تھا۔۵۔ اور اب تم پریشان مت ہو اورنہ اپنے پر خفا کیونکہ خدا نے مجھے یہاں بھیجا تا کہ میں کئی لوگوں کی جانیں بچا سکوں۔۔۔۔۔۸۔چنانچہ وہ تم نہ تھے بلکہ خدا تھا جس نے مجھے یہاں بھیجا اسی نے مجھے گویا فرعون کا باپ،اس کے سارے گھر کا خداوند اورسارے ملک مصر کا حاکم بنادیا۔۹۔اب تم جلد میرے باپ کے پاس جاؤ اوراس سے کہو: تیرا بیٹا یوسف یوں

کہتا ہے کہ خدا نے مجھے سارے ملک مصر کا مالک بنا دیا ہے لہذا جلدی میرے پاس چلے آؤ۔
۱۰۔تو جشن کے علاقے میں بس جانا تا کہ تو اپنے بیٹے، پوتوں اور اپنی بھیڑ بکریوں کے گلوں، گائے بیلوں اور اپنے تمام مال ومتاع سمیت میرے نزدیک رہ سکے۔۱۱۔میں وہاں تیری پرورش کا سارا انتظام کروں گا تا کہ تو، اور تیرا گھرانہ اور سارا املاو متاع جو تیرا ہے غربت کا شکار نہ ہو کیونکہ قحط کے ابھی پانچ سال باقی ہیں۔۔۔۔۔۲۵۔چنانچہ وہ مصر سے روانہ ہوئے اور ملک کنعان میں اپنے باپ یعقوب کے پاس چلے آئے۔۔۔۔۔۲۷۔جب انہوں نے وہ سب باتیں بتائیں جو یوسف نے ان سے کہیں تھیں اور جب اس نے وہ گاڑیاں دیکھیں جو یوسف نے اسے لانے کو بھیجی تھی تب ان کے باپ یعقوب کی جان میں جان آئی۔۲۸۔اور اسرائیل نے کہا: مجھے یقین ہو گیا کہ میرا بیٹا یوسف اب تک زندہ ہے۔اب میں اپنے مرنے سے پیشتر جا کر اسے دیکھ لوں گا۔

١:٤٦ یعقوب کی مصر روانگی

تب اسرائیل اپنا سب کچھ لے کر روانہ ہوا اور جب وہ بئرسبع پہنچا تو اس نے اپنے باپ اضحاق کے خدا کے لیے قربانیاں گزاریں۲۔ اور خدا نے رات کو رویا میں اسرائیل سے باتیں کیں اور کہا: اے یعقوب! اے یعقوب اس نے جواب دیا: میں حاضر ہوں۳۔اس نے کہا میں خدا، تیرے باپ کا خدا ہوں۔مصر میں جانے سے نہ ڈر کیونکہ میں وہاں تجھ سے ایک بڑی قوم پیدا کروں گا۔۔۔۔۲۹۔ یوسف نے اپنا رتھ تیار کروایا اور اپنے باپ یوسف سے ملنے کے لیے جشن کی طرف روانہ ہوا۔جوں ہی یوسف نے اپنے باپ کو دیکھا وہ اس سے بغلگیر ہو گیا اور بڑی دیر تک روتا رہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ کہانی کافی آگے تک ہے اور آپ لوگ قران میں جب سورت یوسف کا ترجمہ پڑ ہیں گے تو یہی کہانی

چندالفاظ کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ پائیں گے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس داستان کو قران میں ھو بہو ترجمہ اور تفسیر لکھ کر مفسرین نے کون سی انسانیت کی خدمت کی ہے اور اس داستان سے ہمیں کیا سبق ملا اور اگر خدا کو یہی داستان سنانی مقصود ہوتی تو بائبل ہی ٹھیک تھی پھر قران کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی ؟ اور یہی وجہ ہے کہ یہودی لٹریچر میں آپ کو جا بجا یہ بات ملے گی کہ قران نبی پاک ﷺ نے بائبل سے لیکر لکھا ہے اگر ہمارے مفسرین ایسا ہی تراجم اور تفسیر لکھیں گے تو وہ پھر یہ بات کہنے کے حق بجانب ہوں گے۔ اور آپ کبھی بھی کسی یہودی لٹریچر میں اسلام کا عمل دخل نہیں دیکھیں گے مگر اسلامی تراجم اور احادیث میں بائبل کو اسرائیلیات کے نام سے بھرا پڑا پائیں گا۔

امام اسحاق بن راھویہ، البزار، ابو یعلی، ابن منذر، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن حبان، ابو الشیخ، حاکم اور ابن مردویہ نے حضرت سعد بن وقاصؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ پر قران نازل ہوا ،ایک عرصہ آپ ﷺ لوگوں پر اس کی تلاوت کرتے رہے، پھر لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ﷺ ہم پر واقعات بیان فرمائیں؟ پس اللہ نے سورت یوسف نازل فرمائی۔۔۔۔

(مستدرک، حاکم، کتاب التفسیر)

بائبل کا یہ واقعہ تفسیر طبری جلد ۱۲ میں ہو بہو نقل کیا گیا ہے اور وہاں سے اس کے مختلف حصوں کو قران کی آیات کے لفظی تراجم کر کے ان مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ آپ قران کا کوئی بھی ترجمہ اٹھا کر پڑھ لیں اور نیچے دی گئی تفسیر کو بھی دیکھ لیں آپ بائبل کی بیان کردہ کہانی کا پلیگرازیڈ ترجمہ دیکھیں گے۔ آیئے اب سورت یوسف کا اصل ترجمہ جو اس کے مفہوم کو قریب ترین واضع کرتا ہے ملاحظہ کرتے ہیں

-- الر یہ بذات خود واضع اور دوسروں کے لیے واضع کرنے والی کتاب کے دلائل ہیں (۱۲:۱)

یقیناً ہم نے اس کو انتہائی فصیح و بلیغ قران کے طور پر پیش کیا ہے تا کہ تم عقل استعمال کرو (۱۲:۲)

ہم اس قران کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے تمہیں انتہائی حسین انداز سے قصہ سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے (۱۲:۳)

جب یوسف نے اپنے قائد (ابیہ) سے کہا کہ اے میرے قائد میں یکتا معشرے کو انتہائی چمکیلا دیکھتا ہوں اور میں قوم اور اس کے سردار کو دیکھتا ہوں کہ وہ میرے لیے سرنگوں ہو رہے ہیں (۱۲:۴)۔۔۔

۔۔۔ابیہ معنی اس کا باپ۔۔سوال ہوگا کہ باپ سے کیا مراد ہے کیا باپ سے مراد نسلی باپ ہے یا یہ کہ اس سے مراد قوم کا قائد مراد ہے حقیقت میں اقوام سنورتی اور بگڑتی ہی اپنے قائد کی وجہ سے ہیں۔ اقوام بھی ایک قوم کی بنیاد پر اپنے اس قائد کو یاد رکھتی ہیں۔قران میں انہی قائد کا ذکر بطور باپ کیا ہے ہر قوم کا ایم فادر آف نیشن ہوتا ہے جسے بابائے قوم کہا جاتا ہے۔۔۔احد عشر کے معنی عام طور پر گیارہ کیا جاتا ہے لیکن سوال ہوگا کہ گیارہ یا بارہ کے ہندسے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ کیا گنتی کی وجہ سے اس اصلاحی کام میں جو انبیاء کی ذمہ داری ہوتا ہے کوئی فرق پڑتا ہے جب کہ سیدنا یوسف کے قصے میں بھائیوں کے حوالے سے کسی تعداد کا ذکر نہیں ملتا۔۔۔احد یا وحید ہونا یکتا ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔انبیاء کا خواب رات کو نیند والا خواب نہیں ہوتا بلکہ یہ خواب ان کی زندگی کا نچوڑ ہوتا ہے اور آئندہ زندگی کا لائحہ عمل ہوتا ہے ہر انسان اپنے مستقبل کے لیے خواب دیکھتا ہے اور انبیاء بھی جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھتے ہیں لیکن ان کا خواب شخص منفعت کے لیے نہیں ہوتا بلکہ معشرے کے سدھارنے کے لیے ہوتا ہے۔

۔۔۔کوکب کے معنی ہیں چمکنا کوکب الحدید،،،لوہے کی چمک،ہتھیاروں سے لیس آدمی،سن بلوغ کو پہنچنے والا لڑکا۔

۔۔۔الشّمس سورج مجازی طور پر ۔۔قوم کے سردار کو کہیں گے۔۔۔قمر اس کا مجدہ ق م ر۔۔ہر وہ

چیز جو روشن ہو،قران میں قوم کے لیے قمر استعمال کیا گیا ہے۔۔سورۃ قمر میں لگی اقوام کی بربادی کی داستان بیان کی گئی ہے۔۔۔رسالت مابﷺ کی قوم کی تباہی ان الفاظ سے کردی گئی۔اقترب السعۃ وانشق القمر۔۔وہ وقت آن پہنچا اور یہ قوم القمر تباہ و برباد ہو گئی۔

انہوں نے کہا کہ اے میرے جانشین اپنے اس فکر کا ذکر اپنے ساتھی جماعتوں سے نہ کرنا کہ وہ تمہارے خلاف کوئی فریب کی ترکیب نہ کرلیں۔کچھ شک نہیں کہ قوت باطلہ انسان کی کھلی دشمن ہے (۱۲:۵)

اس آیت میں ایک لفظ۔اخوتک۔تمہارے بھائی آیا ہے اس کا مفہوم بائبل سے چوری کر کے سگے بھائی لیا گیا ہے۔حالانکہ قران نے تمام جگہوں پر ایک ساتھ رہنے والوں کو بھائی کہا ہے جیسے (والی عاد اخاھم ھودا)اور عاد کی طرف ان کے بھائی ھود کو(والی ثمود اجاھم صالحا) اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو۔۔۔سورۃ یوسف میں بھی بھائیوں سے مراد ان کی قوم کے لوگ ہیں نہ کہ ان کے سگے بھائی۔۔۔۔

بایں وجہ تم کو تمہارا (رب)نظام ربوبیت چن لے گا اور معاملات کے نتائج تک پہنچنے کا علم سکھائے گا یعنی وہ اپنی نعمتیں تم پر اور یعقوب کے پیروکاروں پر مکمل کرے گا جس طرح اس نے اس سے پہلے اپنی نعمت کو تمہارے آباء اجداد ابراھیم اور اسحاق پر پوری کی تھیں۔یقیناً تیرا رب برنائے حکمت جاننے والا ہے(۱۲:۶)

۔۔جیسا کہ بار بار عرض کیا ہے قران جب بھی بھائی یا دادا یا آباء کا ذکر کرتا ہے تو اس سے مراد قوم کے افراد ہوتے ہیں نہ کہ حقیقی بھائی یا دادا وغیرہ۔

یقیناً یوسف اور ان کے ساتھی جماعت کے افراد کے قصے حقائق جاننے والوں کے لیے دلائل ہیں (۱۲:۷)

جب انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کے ہم خیال شخص کو بابائے ملت ہم پر فوقیت دیتا ہے،
حالانکہ ہم مضبوط جماعت ہیں کچھ شک نہیں بابۓ ملت صریح غلطی پر ہیں (۱۲:۸)
۔۔۔عصبہ کے معنی ہیں ایک ایسی جماعت جو عصبیت کی شکار ہو،۔۔اس جگہ پر کہنے والا اپنی جماعت کو مضبوط سمجھ رہا ہے جب کہ قران اسے ایسے جماعت کہہ رہا ہے جو عصبیت کا شکار ہے۔۔آپ یہاں پر غور کرلیں کہ یہ دو جماعتوں کی فکری لحاظ سے کشمکش کی داستان ہے اور مسلمانوں کے لیے ایسے مواقع پر کیا کرنا چاہیے اس سورت کا حاصل ہے۔

تو یا تو یوسف کو قتل کردو یا ملک میں بے اثر کردو۔پھر بابائے ملت کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم صالحین کی جگہ پاؤ گے (۱۲:۹)

موجودہ دور میں بھی لیڈران کو قتل کروانے کی سازشیں کی جاتی ہیں۔۔۔۔

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ اگر تم نے کچھ کرنا ہی ہے تو اس کو محکومی کے اندھیروں میں دھکیل دو،کوئی مہم جو اس کو اٹھا کر لے جائے گا۔(۱۲:۱۰)

۔۔۔عربی زبان کے الفاظ کا ہو بہو ترجمہ کرنا بالکل ناممکن ہے ہاں قریب ترین مفہوم کے جو بات کہی جا سکتی ہے وہ ترجمہ ہوا ہے۔۔۔۔۔

جیسے کہ اس آیت میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں

قتل۔۔مادہ۔۔ق ت ل۔معنی لڑائی کرنا،جنگ کرنا،لڑائی اس حد تک بڑھ جائے کہ جان چلی جائے۔

غیابت۔۔مادہ غ ی ب۔غائب کرنا،چھپانا،گہرائی

الجب۔۔ مادہ ج ب ب ۔ معنی محکوم،مغلوب،کاٹنا مٹانا،گڑھا،کنواں،قید خانہ

سیارہ۔۔۔مادہ س ور۔۔معنی جوش میں آنا،فصیل بنانا،کسی کو قائد بنانا جنگ میں زور دکھانا۔

کیا سبب ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم سے مطمئن نہیں ہیں،حالانکہ اے قائد ملت! ہم اس

کے سچے خیر خواہ ہیں۔(۱۲:۱۱)

اسے ہماری معیت میں کر دیں تک کہ وہ غور وفکر کرے(اوراس طرح معرفت حاصل کرے) تاکہ مستقبل میں ایک کامل مردمعرفت ہو اور یقیناً ہم اس کے نگہبان ہیں (۱۲:۱۲)

امام ابن زید نے حضرت ابن زید سے روایت کیا ہے یرتع ویلعب کو یاء کے ساتھ اور عین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ بکریاں چرائے اور غور وفکر کرے (تفسیر طبری جلد۱۲)

۔۔۔جب کہ قران میں اس سورت کے آغاز میں ہی بتا دیا گیا کہ آپ ﷺ بائبل میں درج واقعہ یوسف سے بالکل بے خبر تھے جس کا مطلب ہے کہ اس واقعہ سے متعلق ماسوائے جو کچھ قران میں بیان ہوا ہے آپ ﷺ نے کوئی حدیث بیان نہیں کی ہوگی مگر حیران کن طور پر سورت یوسف کی تفسیر میں جتنی بھی احادیث نقل کی گئی ہیں وہ آپ ﷺ کی ذات مبارک سے منسوب ہیں اور وہی کردار اور واقعات ہیں جو بائبل کا حصہ ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

انہوں نے کہا کہ مجھے یہ امر غمناک کئے دیتا ہے کہ تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ تم (لوگ) اس سے غافل ہو جاؤ اور اسے بھیڑیا صفت لوگ (اپنے) قبضہ میں لے لیں۔ (۱۲:۱۳) جیسے اوپر عرض کیا ہے یہ کوئی افسانہ یا بچوں کی کہانی نہیں ہے بلکہ مملکت الٰہیہ کے خلاف سازشی ذہنوں کی چالبازیاں ہیں جن سے ہمیں آگاہ کیا جا رہا ہے۔آج کے دور میں کتنے ہی ممالک ہیں جن کے ساتھ اس قسم کی سازشیں ہو چکی ہیں۔بھیڑیے سے مراد وہ ممالک ہیں جن کی بھیڑیا صفت ذہنیت ہوتی ہے اور چھوٹے ملکوں کے معدنی اور زرعی وسائل پر قبضہ جما لیتے ہیں جیسے کہ آج کل معاشی اور تیل سے مالا مال ممالک پر قبضہ کیا گیا ہے اور یہ سورت موجودہ واقعات کی صحیح عکاسی کرتی ہے۔

وہ کہنے لگے کہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں،اوراس پر اگر (ایسا ہو گیا کہ) بھیڑیا صفت لوگ قبضہ کر

لیں تو ہم بڑے زیاں کار ہوئے (۱۲:۱۴)

غرض جب وہ اس کو لے گئے اور اس بات پر اتفاق کر لیا کہ اس کو محکومی کے اندھیروں میں رہنے دیں گے تو ہم نے اس کی طرف وحی کی (کہ) تم یقیناً ان کو اِن کے معاملات سے آگاہ کرو گے اور وہ (تیرے عالی رتبہ کو) نہیں سمجھتے۔ (۱۲:۱۵)

۔۔۔ آپ خود غور کر لیں اگر سیدنا یوسف بچے ہوتے تو کیا اللہ ان پر وحی بھیجتے؟ جب کہ عمومی تراجم میں بھی وحی کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ پہلی والی آیت میں عمومی تراجم میں ان کو کھیلنے کودنے والا بچہ ظاہر کیا گیا ہے۔۔۔۔

وہ بھٹکے ہوئے اپنے قائد کے پاس آہ و بکا کرتے ہوئے آئے (۱۲:۱۶)

کہنے لگے کہ اے قائد ملت! ہم تو سبقت لینے میں مصروف ہو گئے اور یوسف کو ہم نے اپنے اسباب کی ذمہ داری کا رکن بنا لیا تو اسے بھیڑیا صفت لوگوں نے (اپنے) قبضہ میں کر لیا۔ اور آپ ہماری بات سے گو (کہ) ہم سچ ہی کہتے ہوں، مطمئن نہیں ہوں گے (۱۲:۱۷)

۔۔۔ یہ کون سا میدان تھا جہاں کھیل کود بھی ہوتا ہو اور بھیڑیا بھی پورے کا پورا آدمی کھا جائے اور جسم کا کوئی حصہ ہی نہ بچے جس کو لے جا کر دکھایا جائے یاں بلا کر دکھایا جاتا۔۔ بھیڑیا ایک انسان کے بچے پر حملہ آور ہوا اور وہ چیخ و پکار نہ کرے اور نہ ہی بھائیوں کو خبر ہو۔ اور بھیڑیا اتنا رحم دل ہو کہ پورا انسان کھا جائے اور قمیض بھی نہ پھٹے۔۔۔ امام ابن جریر نے حضرت الشعبیؒ سے روایت کیا ہے۔۔ جب یعقوب علیہ السلام نے قمیض کو صحیح سلامت دیکھا تو پہچان گئے کہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ بھیڑیا کیسا حلیم تھا کہ اس نے قمیض پر رحم کیا اور میرے بیٹے پر رحم نہیں کیا (تفسیر طبری جلد ۱۲)۔۔ حیران کن بات یہ ہے کہ قران فرما رہا کہ نبی ﷺ اس واقعے سے بے خبر تھے مگر ان اصحاب کو سب کچھ معلوم تھا۔۔۔۔

جیسا کے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ بھیڑیا کا لفظ ان افراد یا جماعت یا ممالک کے لیے استعارہ کے طور پر استعمال ہوا ہے جو دوسروں کے حقوق پر چالاکی سے ڈاکہ ڈالتے ہیں اور دوسروں کی محنت کا ثمرہ خود لے جاتے ہیں۔۔آج کے دور میں پاکستان کے سیاستدان اور حکمران اپنی عوام کے ساتھ بھیڑیے جیسا سلوک کر رہے ہیں۔۔اور پھر بھی بڑے مطمئن ہو کر عوام سے ووٹ مانگتے ہیں اور عوام کو کہتے ہیں ہم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔۔۔۔

آپ سورت النساء کی آیت ۱۰۲ دیکھ لیں ﴿ کفار اس تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں ﴾۔۔اس مقام سے ہی اندازہ لگا لیں کہ واقعہ کی اصل حقیقت کیا ہے۔

اور انہوں نے اس کی امارت پر جھوٹے خون کا الزام لگایا، اس (قائد ملت) نے کہا: بلکہ تمہارے لوگوں نے تمہارے لیے ایک بات خوشنما بنا دی ہے پس استقامت ہی خوبصورتی ہے۔اور جو تم گھڑتے ہو اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔ (۱۲:۱۸)

اگر آپ عمومی ترجم کی تفسیر دیکھیں گے تو آپ کو معلوم پڑے گا کہ بائبل کی کہانی کے مطابق احادیث بنائی گیں کہ وہ بکرے کا خون لگا کر لائے تھے۔۔۔امام عبدالرزق، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک بکرے کا خون قمیض پر لگا کر لائے تھے۔۔جب کہ ایک روایت میں تو ہرن بھی شامل کر لیا گیا ہے۔۔امام ابن حاتم اور ابوالشیخ نے حضرت قتادہؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: برادران یوسف نے ایک ہرن پکڑا ذبح کیا اور اس کے خون کے ساتھ یوسف کی قمیض کو لت پت کیا تھا۔ (تفسیر طبری جلد ۱۲)

ایک مہم جو قافلہ آن وارد ہوا اور انہوں نے ایک خبر لانے والے کو بھیجا، اور انہوں نے اس (سیدنا یوسف) کو اس کے حوالے (منتہی) کر دیا اور (جب وہ اس کے حوالہ ہو گیا) اور وہ بولا بہت

خوب! یہ تو نو جوان ہے: اوراس کو قیمتی سرمایہ سمجھ کر خوش ہو، اور جو کچھ وہ کرتے تھے، اللہ کو اس کا علم تھا۔ (۱۲:۱۹)

اوراس کا سودا چند کھوٹے سکوں کے بدلے کیا گیا کیونکہ وہ اس کے ساتھ بے رغبتی کرنے والے میں سے تھے (۱۲:۰۲)

موجودہ دور میں بھی حکمران اور سیاستدان اپنے ملک کے نظریاتی لوگوں کا سودا کر کے وقتی مفاد حاصل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو بیچ کر اپنی حکمرانی کو طول دیتے ہیں، جیسے کہ پرویز مشرف نے ایمل کانسی اور دوسرے نظریاتی لوگوں کو امریکہ کے ہاتھوں چند ڈالرز کے عوض بیچ ڈالا۔ اور امریکہ ہی وہ قافلہ ہے جو افغانستان اور عراق کے ممالک میں آیا،

مگر آپ غور کریں ہمارے اسلاف کو پتہ تھا کہ سیدنا یوسف کو کتنے میں بیچا گیا کیونکہ بائبل (۲۷:۳۷:۱) میں لکھا ہے مگر نہ ہی قران میں ہے اور نہ ہی رسول ﷺ کو اس کی قیمت کا پتہ تھا۔ امام ابن جریر اور ابوالشیخ نے حضرت قتادہؓ سے روایت کیا ہے ۔۔۔ کہ آپ کو بیس دراہم میں بیچا گیا تھا (تفسیر طبری جلد ۱۲ صفحہ ۲۰۴)

اور دو ملکوں کی سرحد سے جس شخص نے ان کی تجارت کی، اپنی جماعت سے کہا کہ اس کو عزت واکرام سے رکھو ممکن کہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے اپنا جانشین بنالیں۔ اس طرح ہم نے یوسف کو ملک کے بارے میں صاحب تمکن پایا، تاکہ ہم اس کو نئے مسائل کے حل سے جان لیں۔ اور اللہ اپنے احکامات پر غالب ہے لیکن لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی ہے۔ (۱۲:۲۱)

بائبل سے متاثر ہمارے اسلاف کو اس شخص کے نام کا بھی پتہ تھا جس نے سیدنا یوسف کو خریدا۔ امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت محمد بن اسحاق رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: وہ شخص جس نے یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا اس کا نام ظیفر بن روحب تھا۔ (تفسیر طبری جلد ۱۲ صفحہ ۲۰۸)

اور جب وہ اپنی عقل کی پختگی کو پہنچا تو ہم نے اس کو حکومت اور دانائی کا علم عطا کیا، اور حسن کارانہ کام کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں (۱۲:۲۲)

حضرت یوسف کی اس وقت کیا عمر تھی قران نے کہیں ذکر نہیں کیا مگر بائبل میں عمر کا تذکرہ ہے اور ہمارے اسلاف نے وہی سے عمر کو تھوڑا بہت تبدیل کر کے یوں فرما دیا۔۔

۔۔۔امام سعید بن منصور، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن الانباری نے کتاب الاضداد میں اور الطبرانی نے الاوسط میں اور ابن مردویہ نے حضرت عباسؓ سے ولما بلغ اشدہ کے تحت روایت کیا ہے کہ جب آپ کی عمر تینتیس سال تھی۔۔۔۔۔۔۔

﴿اور جس جماعت کے ادارے میں وہ قیام پذیر تھے اس نے ان (سیدنا یوسف) کو ان کے نظام سے بدلنا چاہا اور تمام (نظریاتی) راستے بند کر کے کہا: کہ ہمارے نظام کی طرف آؤ۔ انہوں (سیدنا یوسف) نے کہا کہ (میں) اللہ کی پناہ میں ہوں۔ یقیناً میرا نظام ربوبیت میرا انتہائی حسین ٹھکانا ہے، بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے﴾ (۱۲:۲۳)

هيت لك اہل نجد کی لغت ہے اس کا معنی تعال (آؤ)۔۔۔۔۔ (نسائی)

۔۔ابن کثیر فتح الباری میں لکھتے ,,اور جن لوگوں نے اسے لولا کے ساتھ جوڑ کر یہ معنی بیان کیے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے قصد ہی نہیں کیا، ان مفسرین نے اسے عربی اسلوب کے خلاف قرار دیا ہے۔ اور یہ معنی بیان کیے ہیں،،۔۔کہ قصد تو یوسف نے بھی کر لیا تھا لیکن ایک تو یہ اختیاری نہیں تھا بلکہ عزیز مصر کی بیوی کی ترغیب اور دباؤ اس میں شامل تھا دوسرے یہ کہ گناہ کا قصد کر لینا عصمت کے خلاف نہیں ہے اس پر عمل کرنا عصمت کے خلاف ہے۔۔۔مطلب یہ ہے کہ رب کی طرف سے کوئی چیز آپ کو دکھائی گئی کہ اسے دیکھ کر آپ نفس کے داعیے کے دبانے اور رد کرنے میں کامیاب ہو گئے اللہ اپنے پیغمبروں کی اسی طرح حفاظت فرماتا ہے (تفسیر احسن البیان صفحہ ۶۷۵)۔۔۔اللہ باقی

انسانوں کو کیا اپنا بندہ نہیں سمجھتا؟۔۔۔حقیقت یہ کہ بائبل کی کہانی کو دیومالائی رنگ دینا مقصود تھا اس لیے خدا کے قران کو بھی اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں حکم کو بھی نظر انداز کیا گیا۔

۔۔بائبل کی ایک شرح میں ذکر ہے کہ یوسف نے کپڑے اتارے تھے مگر بائبل نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا مگر ہمارے اسلاف نے پتہ نہیں۔کیوں یہ کہانی گھڑی، آپ بھی ملاحظہ کریں۔

۔۔۔امام عبدالرزاق، افرایابی، سعید بن منصور، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں جب اس عورت نے ارادہ کیا تو اپنے آپ کو پرا راستہ کیا، پھر اپنے بستر پر چت لیٹ گئی، یوسف نے اس کا ارادہ کیا اور اس کے قدموں کے درمیان بیٹھ گیا، اپنے کپڑے اتارے تو آسمان سے ندا آئی: اے ابن یعقوب! اس پرندے کی مانند نہ ہو جا جس کے پر نوچ لیے جاتے ہیں اور وہ بغیر پروں کے ہوتا ہے، آپ اس آواز سے نصیحت حاصل نہ کر سکے حتی کہ اللہ نے جبرائیل کو یعقوب علیہ السلام کی صورت میں اپنے منہ میں انگلی کاٹتے ہوئے دکھایا۔ یوسف علیہ السلام گھبرا گئے اور شہوت انگلیوں کے پوروں سے نکل گئی۔۔۔۔۔۔یہ وہ کہانی ہے جو بائبل کی شرح میں لکھی ہے اور بغیر کسی تبدیلی کے احادیثوں کی کتب کی زینت ہے (اور یہ اس قابل نہیں کہ اس کو زیر بحث لایا جائے)

۔۔۔آپ کوئی بھی قران کی تفسیر کی کتاب اٹھالیں انتہائی نا قابل بیان روایات اس واقعے سے متعلق نقل کی گئی ہیں جوان اسلاف کی جنسی سوچ کی عکاسی کرتی ہیں۔۔۔۔

﴿اور یقیناً اس جماعت نے ان کا قصد کیا اور وہ بھی اس (نظام میں شامل ہو جانے) کا قصد کر لیتا اگر کہ وہ اپنے نظام ربوبیت کے دلائل کو نہ سمجھتا ہوتا۔ بایں جہ ہم نے اسے اس (نظام کہ جس کی طرف اسے راغب کیا جا رہا تھا) کی برائی اور احکامات الہیہ کی نافرمانی سے رکا پایا۔ بے شک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھا﴾ (۱۲:۲۴)

اور دونوں نے نظریات میں سبقت لینا چاہی۔ اور مخالف جماعت نے یوسف کی امارت پر پیچھے سے وار کیا اور دونوں نے اس نظریاتی مسابقت میڈ امیر جماعت کو پایا۔ جماعت نے امیر سے پوچھا کہ تمھرے نظریے کو کوئی برائی (رونڈ ڈالنے) کا ارادہ کرے اس کی اس کے سوا کیا سزا ہوگی کہ یا تو (اسے) قید کیا جائے یا دردناک سزا کا عذاب دیا جائے۔ (۱۲:۲۵)

اس (یوسف) نے کہا! اسِ (جماعت) نے مجھے اپنے نظریات کے خلاف مائل کرنا چاہا تھا، اور اس کے ایک اہل سے (کارکنوں میں سے اسکے ایک کارکن) گواہ نے گواہی دی کہ اگر اس کے نظریات پر ضرب مقابلے میں ہوئی ہے تو یہ جماعت سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے (۱۲:۲۶)

۔۔۔۔ یہ بحث اس حد تک پہنچی کہ امیر جماعت کو معاملے کی تفتیش کرنا پڑی۔ اور ایک اہلیت رکھنے والے نے یوں وکالت کی کہ اگر اگر تو دلائل من قبل مقابلے سے یئے ہیں، یعنی دلائل کا مقابلہ ہوا ہے اور نظریات کی دھجیاں بکھیر دی گئیں ہیں تو پھر تر جماعت سچی ہے اور یوسف کے نظریات جھوٹے ہیں۔۔

اور اگر اس (یوسف) کے نظریات کو تار تار غلط طریق سے کیا گیا ہے تو جماعت جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے۔ (۱۲:۲۷)

۔۔۔۔۔ یعنی دلائل میں مقابلہ نہیں ہوا بلکہ گھیر گھار کر اس کے نظریات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی قدمن دبر گئی۔ پیٹھ پیچھے کی ہر بات غلط ہوتی ہے جیسے پیٹھ پیچھے سے چھرا گھونپنا، پیٹھ پیچھے برائی کرنا، سامنے سے مقابلہ کرنا ہمت والوں کا کام ہے۔۔۔۔۔۔۔

اور جب اس کے نظریات پر غور کیا تو دیکھا کہ ان پر حملہ پیٹھ پیچھے سے ہوا ہے، تو بولا کہ یہ تمہاری ہی چال سے ہے اور کچھ شک نہیں کہ تمہاری چالیں بہت بڑی ہوتی ہیں۔ (۱۲:۲۸)

یوسف اس بات کو درگزر کرو اور تم (اے جماعت) اپنی غلطیوں کی سزا سے محفوظ رہنے کی (دعا) طلب

کرو، بے شک تو خطا کاروں میں سے ہے۔ (۱۲:۲۹)

۔۔۔یہاں سے آپ اندازہ لگالیں کہ اس قصے میں عزیز مصر کی کسی بیوی کی بات نہیں ہو رہی بلکہ ایک جماعت کی بات ہو رہی ہے جب کہ دوسری جماعتوں نے اس بات کو اچھالا اور عزیز مصر کی جماعت پر الزام لگایا کہ عزیز مصر کی جماعت نے ایک نوجوان کے خیالات بدلنے چاہے ہیں، لیکن وہ خود اس سے مرعوب ہو گئی۔۔۔۔اور اس گواہی کی جو حدیث گھڑی گئی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں

امام احمد ے ابن جریر اور بیہقی تے دلائل میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: چار آدمیوں نے صغرسنی میں گفتگو کی تھی ا۔فرعون کو کنگھی کرنے والی کا بیٹا۔۲) یوسف علیہ السلام کا گواہ۔۳) جریج کا (راہب کا ساتھی)۔۴) حضرت عیسی علیہ السلام۔۔۔ پھر بات کو دھراتا ہوں اللہ نے قران میں گواہ کی عمر نہیں بیان کی اور پنگھوڑے میں لیٹا بچہ کی گواہی کیسے قبول ہو گئی اور اس سورت کے آغاز میں ہی اللہ نے اپنے رسول کو بتا دیا کہ آپ ﷺ اس واقعہ سے پہلے ناواقف تھے۔۔ اور یوسب باتیں بائبل کا حصہ ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اور شہر میں دوسری چھوٹی جماعتوں نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ عزیز مصر کی جماعت نے ایک نوجوان کو اس کے نظریات بدلنے پر آمادہ کرنا چاہا، یقیناً اس کی بات اس کے دل میں اتر گئی۔ یقیناً ہم سمجھتے ہیں کہ وہ صریح گمراہی میں ہیں۔ (۱۲:۳۰)

جب امیر مصر کی جماعت نے ان جماعتوں کی چال سنی تو ان کے لیے ایک سہارے کا انتظام کیا اور دلائل کو سکون سے کاٹنے کا موقع فراہم کیا اور کہا کہ اس کے سامنے آؤ۔ جب جماعتوں نے اس کی بات کو سمجھا تو اس کی بڑائی کا اعتراف کیا، اپنی طاقت ختم کرنے کا اعلان کیا اور تعجب سے کہا کہ یہ کوئی عام شخص نہیں ہے بلکہ یہ تو احکامات کو لاگو کرنے والا باعزت شخص ہے۔ (۱۲:۳۱)

اس آیت میں چند ایسے الفاظ استعمال ہوئے جن کے مطالب قابل غور ہیں۔

متك ا۔۔مادہ۔۔وک ء۔۔معنی سہارہ

سکینا۔۔مادہ س ک ن۔۔معنی سکون حاصل کنا،چھری اس لیے کہا جاتا ہے کہ مذبوح کی حرکت قلب بند ہو جاتی ہے

اخرج۔۔مادو خ رج رض۔۔معنی نکلنا، باہر پنا نمودار ہونا ابھرنا۔

اگر آپ اس سلسلہ میں دلچسپی رکھتے ہوں تو تفسیر طبری جلد ۱۲ میں سے اس آیت سے منسلک واقعات کو پڑھیں اور خود اندازہ لگائیں کہ وہ اس قابل ہیں کہ قران جیسی عظیم الہامی کتاب کی تفسیر کا بہانہ بنا کر عریاں کہانیاں بیان کی جائیں

۔۔۔۔۔امام ابن جریر، ابن المنذر اور ابن حاتم نے حضرت عبدالصمد بن علی بن عبداللہ بن عباس عن ابیہ عن جدہ ابن عباسؓ کے سلسلہ سے اس آیت کے تحت روایت کیا ہے کہ جب انہوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو انہیں خوشی کی وجہ سے حیض آ گیا (تفسیر در منشور صفحہ ۵۰ جلد چہارم)۔۔۔

۔۔۔کہیں پر ہاتھ کاٹنے کا ذکر ہے اور کہیں لیموں کا ذکر ہے۔۔ہمارے اسلاف خود بے چارے شاید حقیقت کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے تھے سو جو جہاں سے ملا روایت کے نام پر لکھ دیا۔۔ان کو پتہ تھا لوگوں کے پاس نہ تو قران ہے اور نہ ہی وہ کتابیں جہاں سے ہم چوری کر کے یہ سارا مواد آئندہ کی نسلوں کو منتقل کر رہے ہیں۔مگر وہ بھول گئے نقل شدہ مواد پکڑا جاتا ہے۔

تب اس (دوسری جماعت کے کارکنان کو جماعت) نے کہا! یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔اور بے شک میں نے اس کو اپنے نظریات کی طرف مائل کرنا چاہا مگر یہ اپنے نظریات سے چمٹا رہا اور اگر اس نے وہ کام نہ کیا جس کا میں اس کو حکم دیتی ہوں تو قید کر دیا جائے گا اور ذلیل ہو گا۔ (۱۲:۳۲)

یوسف نے کہا! اے میرے پالنے والے! جس نظریے کی طرف یہ مجھے بلاتی ہے اس کی نسبت مجھے قید

پسند ہے اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ بنائے (ہٹائے) گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا (۱۲:۳۳)

تو اس کے رب نے اس کو جواب دیا (دل میں بات ڈال دی) اور اس کو ان جماعتوں کی چالوں کے اثر سے بچالیا، بے شک وہ ہی بر بنائے علم سننے والا۔ (۱۲:۳۴)

پھر باوجود اس کے کہ وہ لوگ تمام دلائل سمجھ چکے تھے، ان کی رائے یہی ٹھیری کہ کچھ عرصہ کے لیے اس (یوسف) کو قید کر دیں (۱۲:۳۵)

اور ان کے ساتھ دو اور جوان بھی قید خانہ میں ڈالے گئے، ایک نے ان میں سے کہا کہ میں پوشیدہ راز کو آشکارہ کروں گا، دوسرے نے کہا میں یہ سمجھتا ہوں کہ اپنے اوپر رزق کی ذمہ داری اٹھاؤں گا اور شاہیں صفت لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں گے، ہمیں (آپ) اس کے انجام سے آگاہ کیجئے، کیونکہ ہم آپ کو لوگوں پر احسان کرنے والوں میں سے سمجھتے ہیں۔ (۱۲:۳۶)

اس (یوسف) نے کہا کہ جو انجام تم کو ملنے والا ہے وہ ملنے نہ پائے گا کہ میں اس سے پہلے اسکو بتلا دوں گا۔ یہ دونوں انجام اس میں سے ہیں جو میرے پالنے والے نے مجھے سکھائے ہیں۔ میں نے ان لوگوں کی طرز زندگی کو مسترد کر دیا ہے جو مملکت الٰہیہ کے ذریعے امن قائم نہیں کرتے اور انجام کار کا انکار کرتے ہیں۔ (۱۲:۳۷)

۔۔۔۔۔ ہمارے مفسرین نے یہاں پر ان دو افراد کے خواب کو جس کا ذکر استعاراً کیا گیا ہے بائبل کی کہانی والا حقیقی خواب بنا دیا ہے جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ ماقبل بیان شدہ بائبل کی کہانی کو کس طرح روایت میں بدلا گیا۔ جس کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں ان باتوں کا نبی ﷺ کو کوئی خبر نہ تھی۔۔۔۔ امام ابن حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جن دو شخصوں کو قید میں ڈالا گیا تھا ان میں سے ایک بادشاہ کے مطبخ (باورچی خانہ) کا ناظم اور دوسرا محفل عیش و

عشرت وطرب کا نگران تھا۔۔۔(بائبل میں ہی ایسا لکھا ہے قران میں کہیں بھی ان کے محکموں کا ذکر نہیں ملتا)۔۔۔۔۔اور باقی وہی تفصیل ہے جو بائبل میں درج ہے۔۔۔۔

اور اپنے قائدین (ملة اباء) ابراھیم اور اسحاق اور یعقوب کے نظریہ کی اتباع کی، ہمیں شایان نہیں کہ ہم الله کے احکامات کے ساتھ کسی (انسان کے روایت کردہ) کے بھی حکم کا اشتراک کریں۔ یہ اللہ کا ہم پر اور لوگوں پر فضل ہے لیکن اکثر لوگ نعمت کا صحیح استعمال نہیں کرتے۔ (۱۲:۳۸)

۔۔۔آپ غور کریں کہ حضرت یوسف کیا فرما رہیں ہیں مگر ہمارے مفسرین نے پپ کے بارے میں کچھ یوں لکھا ہے۔۔۔امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے۔۔۔ابن اسحاق نے کہا کہ مجھے عبداللہ بن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کیا کہ یوسف (علیہ السلام) نے انہیں جواب دیا تم دونوں خدا کے لیے مجھ سے محبت نہ کرو کیونکہ جب کوئی بھی مجھ سے محبت کرتا ہے تو اس کی محبت کی وجہ سے مجھ پر مصیبت نازل ہو جاتی ہے۔ میری پھوپھی نے مجھ سے محبت کی تو اس کی وجہ سے مجھ پر مصیبت نازل ہوئی۔ پھر میرے باپ نے مجھ سے محبت کی تو اس کی وجہ سے میں کنویں میں پھینکا گیا اور پھر میرے ساتھی کی بیوی نے مجھ سے محبت کی تو اس کی محبت کی وجہ سے مجھ پر مصیبت اتری۔ تم مجھ سے محبت نہ کرو، اللہ تمہیں برکت عطا فرمائے۔۔۔۔۔(تفسیر طبری جلد ۱۲)

میرے قید کے ساتھیو! بھلا کئی متفرق نظام ربوبیت بہتر ہوتے ہیں یا کہ ایک یکتہ غالب مملکت الھیہ۔۔؟ (۱۲:۳۹)

اللہ کے علاوہ جن کی تم تابعداری کرتے ہو وہ صرف ایسے ضابطے ہیں جو تم نے اور تمہارے قائدین نے بنائے ہیں جن کی اللہ نے کوئی سند نہیں دی اور اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں۔۔۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے احکام کے سوا کسی کی تابعداری نہیں کرنی۔ یہی نظامِ حیات قائم رہنے والا ہے، لیکن لوگوں کی اکثریت اس کا علم نہیں رکھتی۔ (۱۲:۴۰)

میرے قید خانے کے ساتھیو! تم میں سے پہلا ہے وہ تو اپنے پالنے (نظام ربوبیت) والے کو مشوروں سے مخمور رکھے گا، اور جو دوسرا ہے وہ مضبوط کیا جائے گا کہ اس کی ریاست کے شاہین (اچھے لوگ) رزق حاصل کریں گے، اس بات کا فیصلہ تو ہو چکا ہے جس کے متعلق تم پوچھتے ہو۔ (۱۲:۴۱)

۔۔ ہر زمانے میں ایسے لوگ رہیں ہیں جو بادشاہ وقت کی چاپلوسی کرتے ہیں اور ,,سب اچھا ہے،، کہہ کر ان کو حالات سے بے خبر رکھتے ہیں۔ دوسرا شخص وہ ہے جس نے امت کے لوگوں کے رزق کی ذمہ داری لی ہوئی ہے، اس لیے اس کو بتایا گیا کہ تیری قائدانہ صلاحیتوں سے لوگ رزق حاصل کریں گے۔۔۔۔۔

اب ملاحظہ فرمائیں کیسے بائبل کی کہانی جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں، وہ ایک معتبر صحابی کے نام کے ساتھ یہاں بھی نقل کر دیا گیا ہے۔۔۔امام ابوالشیخ نے حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: یوسف علیہ السلام نے خباز کو فرمایا تجھے سولی دی جائے گی اور تیرے سر سے پرندے کھائیں گے اور شراب کے نگران سے فرمایا تو اپنے کام پر لوٹ جائے گا۔۔۔۔۔(تفسیر در منشور جلد ۴ صفحہ ۶۰)

اور دونوں اشخاص میں سے جس کی نسبت خیال کیا کہ وہ آگے بڑھے گا، اس سے کہا کہ اپنے نظام ربوبیت کے عندیہ کے مطابق میرا بھی ذکر کرنا لیکن قوت باطلہ نے (اس شخص کو جس میں وہ واپس چلا گیا کے) نظام کے نزدیک اس کا تذکرہ کرنے سے باز رکھا، پس وہ کئی برس تک قید میں رہا۔ (۱۲:۴۲)

اور بادشاہ نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ متعدد سرمایہ دار جماعتیں ہیں جن کو متعدد لاغر جماعتیں نگل رہی ہیں اور دوسرے بہت سے جاگیر دار ہیں جن کو متعدد مصیبت زدہ نگل رہے ہیں۔۔۔اے سردارو! اگر تم مستقبل کی تعبیر بتا سکتے ہو تو مجھے میری سوچ کی تعبیر بتاؤ (۱۲:۴۳)

۔۔۔۔رویاء۔۔ کامادہ رءی ہے جس کے معنی ہیں رائے قائم کرنا۔۔آنے والے حالات کا جائیزہ لے کرکسی بات سے آگاہ کرنا۔یا مستقبل کے حالات کے متعلق کوئی تدبیر سوچنا۔۔۔۔۔

انہوں نے کہا: یہ تو عقل کو الجھانے والی باتیں ہیں اور بس ایسی بربادی کی باتوں کے نتائج کا علم نہیں (۱۲:۴۲)

۔۔۔یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اضغاث احلام ۔۔۔کہ احلام کا مادہ ح ل م ۔۔حلم سے ہے جس کے معنی بربادی کے ہوتے ہیں اور اضغاث کا مادہ ۔۔ض غ ث ہے جس کے معنی خیالات کے ہوتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اب اس شخص کو جسے دونوں میں سے نجات ملی تھی، ایک مدت کے بعد یاد آیا تو اس نے کہا میں آپ کو اس کے نتائج سے آگاہ کروں گا (کیونکہ وہ شخص سیدنا یوسف کا معترف ہو چکا تھا) (۱۲:۴۵)

اے سچ بات کرنے والے یوسف ۔۔ہمیں بتایئے متعدد سرمایہ دار جماعتیں ہیں جن کو متعدد لاغر جماعتیں نگل رہی ہیں۔اور دوسرے بہت سے جاگیردار ہیں جن کو متعدد مصیبت زدہ نگل رہے ہیں، تاکہ میں لوگوں کی طرف رجوع کروں تاکہ ان کو بھی معلوم پڑ جائے ۔ (۱۲:۴۶)

۔۔۔ہمارے مفسرین نے ہوبہو بائبل کی کہانی کا ترجمہ کرکے سوچنے کی مصیبت سے جان چھڑا لی ہے۔۔

تم متعدد طریقوں سے نشوونما کرو گے۔پس جو تم ان کی آمدنی سے کٹوتی کرو گے۔۔ وہ اس کے یوسف، نے کہا پاس ہی رہنے دو سوائے تھوڑی کٹوتی کے جو تمہاری ضرورت ہو (۱۲:۴۷)

پھر اس کے بعد متعدد سختی کرنے والے آتے ہیں اور وہ سب کچھ لے جاتے ہیں جو تم نے ان کو دی،

سوائے اس تھوڑے میں سے جو تم نے محفوظ کیا ہو (۱۲:۴۸)

پھر اس کے بعد ایسے رویے والے لوگ آئیں گے جن کے معاملے میں لوگ مدد کریں گے اور تم پر آشکارہ کریں گے (۱۲:۴۹)

بادشاہ نے کہا: اس کو میرے پاس لے آؤ جب قاصد ان کے پاس گیا تو یوسف نے کہا کہ اپنے نظام ربوبیت کی طرف لوٹو، اور ان سے پوچھو کہ ان جماعتوں کا کیا بنا، جنھوں نے اپنی مہم جوئی روک لی تھی، بے شک میرا نظام ربوبیت ان کی سازشوں سے خوب واقف ہے (۱۲:۵۰)

بادشاہ نے ان جماعتوں سے پوچھا کہ تمہارا کیا معاملہ تھا۔ جب تم نے یوسف کو نظریات سے ہٹانا چاہا ۔سب بولے: ہمیں تو اس میں کوئی برائی معلوم نہیں ہوئی، تب عزیز کی جماعت نے کہا اب حقیقت آشکارہ ہوگئی ہے۔ میں نے ہی اس کے نظریات کے خلاف ارادہ کیا تھا اور بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔ (۱۲:۵۱)

یہ اس لیے کہ مملکت الٰہیہ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس سے چھپا کر کوئی خیانت نہیں کی اور مملکت الٰہیہ خیانت کرنے والوں کی چالوں کو کامیاب نہیں ہونے دیتی۔ (۱۲:۵۲)

اور میں اپنی خواہشات کو بری قرار نہیں دیتا ہوں کیونکہ خواہشات تو برائی کا حکم دیتی ہیں مگر یہ کہ میرے نظام ربوبیت کی رحمت ہو، بے شک میرا پالنے والا بر بنائے رحمت حفاظت فراہم کرنے والا ہے (۱۲:۵۳)

بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو میرے پاس لاؤ میں اسے اپنے ضابطے کے لیے خاص بناؤں گا۔ پھر جب اس سے گفتگو کی تو کہا کہ آج سے تم ہمارے ہاں صاحب مرتبہ معتمد ہو (۱۲:۵۴)

قران میں تو کہیں ذکر نہیں کہ جب سیدنا یوسف قید سے نکلے تو ان کی کیا عمر تھی البتہ بائبل میں لکھا ہوا ہے مگر ہمارے اسلاف نے اگر بائبل سے مواد لے ہی لیا تھا تو حوالہ بھی دے دیتے۔۔۔اب آپ

خود دیکھئے

۔۔۔امام ابن عبدالحکیم نے فتوح مصر میں حضرت الکلبی رحمہ اللہ کے طریق سے عن ابن صالح عن ابن عباسؓ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ یوسف (علیہ السلام) کے پاس بادشاہ کا قاصد آیا اور کہا کہ تم قیدیوں والا لباس اتار دو اور نئے کپڑے زیب تن کرو اور بادشاہ کے پاس چلو حضرت یوسف نے تمام قیدیوں کو بلایا، اس وقت آپ کی عمر تیس برس تھی۔۔۔۔۔ بائبل میں (۴۶:۲۴:۲) یہی عمر لکھی ہے۔

اس نے کہا: مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے کیونکہ میں بر بنائے علم حفاظت کرنے والا ہوں۔ (۱۲:۵۵)

اس طرح ہم نے یوسف کو ملک میں تمکن دیا، وہ اس ملک میں جہاں چاہتے تھے ٹھکانہ بناتے تھے، ہم اپنی رحمت جو ہمارے قانون مشیت میں ہو اس پر کرتے ہیں اور حسن کارانہ کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے (۱۲:۵٦)

اور جن لوگوں نے امن قائم کیا اور احکام الٰہی سے ہم اھنگ رہے ان کے لیے انجام کار بہترین اجر ہے (۱۲:۵۷)

اور جب یوسف کی جماعت والے آئے تو یوسف کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس نے ان کو پہچان لیا اور وہ اس کو نہ پہچان سکے (۱۲:۵۸)

اگر تم اسے میرے پاس نہ لاؤ گے تو نہ تمہارے لیے میرے پاس کوئی پیمانہ ہے اور نہ ہی تم میرے پاس آنا (۱۲:۵۹)

۔۔۔اپنے بھائیوں کو جاسوس کہنا بائبل کی کونی ہے جس کو میں بیان کر چکا ہوں، مگر کیسے قران کی تفسیر میں روایت کے طور پر بیان کیا گیا ہے پڑھیئے

:امام ابن ابی حاتم نے ابی الجلد سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا: تمہارا معاملہ مجھے شک میں ڈال رہا ہے، تم مجھے جاسوس لگتے ہو۔۔۔۔عجیب رائٹر ز تھے وہ لوگ ،چوری بھی کرتے اور حوالہ بھی صحابی کے دیتے تھے

وہ بولے ہم یقیناً اس کے قائد کا اس کے متعلق ارادہ بدلیں گے اور یہ ہم کر کے رہیں گے (۱۲:۶۰)
اور اس نے اپنے ملازم سے کہا کہ ان کا تجارتی سرمایہ ان کے سامان میں رکھ دو تا کہ جب یہ اپنے اہل کی طرف لوٹیں تو اس کو پہچان لیں تا کہ وہ واپس آئیں (۱۲:۶۱)
پھر جب وہ اپنے بابائے قوم کی طرف لوٹ کر گئے، بولے اے ہمارے بابائے قوم، ہم سے تجارتی پیمانہ روک دیا گیا ہے،، تو ہمارے ہم جماعت کو ہمارے ساتھ بھیج دے کہ ہم تجارتی پیمانہ برقرار رکھیں اور یقیناً اس کے محافظ ہیں۔ (۱۲:۶۲)
کہا: کیا اس کے بارے میں تم کو ویسا ہی امن والا سمجھوں جیسا کہ پہلے اس کی ہم نظریہ جماعت کے بارے میں سمجھا تھا؟ پس اللہ کی ذات سب سے بہترین حفاظت کرنے والی ہے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والی (ذات) ہے۔ (۱۲:۶۳)
اور جب انہوں نے اپنا سامان تجارت کھولا تو دیکھا کہ ان کا سرمایہ انہیں واپس کر دیا گیا ہے تو کہا: اے قائد ہمیں نہیں چاہیے کہ ہمارا تجارتی سرمایہ واپس کر دیا جائے، مزید براں ہم اپنے اہل کے لیے رسد لائیں گے اور اپنی ہم جماعت کی حفاظت کریں گے اور تجارت کے معاملے میں چالاکی سے کام لیں گے اور یہ پیمانہ آسان ہے۔ (۱۲:۶۴)
ان کے قائد نے کہا: میں اس کو ہر گز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک تم اللہ (مملکت الٰہیہ) کا وثیقہ مجھے لا کر نہ دو کہ اسے میرے پاس ضرور واپس لے کر آ ؤ گے، الا یہ کہ تم گھیر لیے جاؤ، جب انہوں نے

اس (بابائے ملت) کو اپنے وثیقے دے دیے تو اس نے کہا: ,,دیکھو، ہمارے اس قول پر مملکت الٰہی (اللہ کی ذات) ضامن ہے، پھر اس نے کہا، میرے فرزندان قوم! صرف ایک ہی طریقہ استعمال نہ کرنا بلکہ مختلف طریقے استعمال کرنا۔۔ مگر میں تم کو اللہ کے قوانین سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکتا، حکم تو خدا کے علاوہ کسی کا نہیں چلتا ،اسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور جس کو بھی بھروسہ کرنا ہو اسی پر کرے (۱۲:۶۵۔۶۷)

لیکن جب وہ بابائے قوم کی ہدایت کے مطابق پیش ہوئے تو وہ ان کو مملکت الٰہی سے کچھ بے نیاز نہ کر سکا۔ بس یعقوب کی خواہش کے معاملے ایک حاجت تھی جس کا اس نے فیصلہ کیا تھا، بے شک وہ ہماری ہی دی ہوئی تعلیم سے صاحب علم تھا مگر اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔ (۱۲:۶۸)

یہ لوگ جب یوسف کے حضور پہنچے تو اس نے اپنے نظریہ کے مطابق والی جماعت کو اپنے پاس جگہ دی کہا: میں بھی تیرا ہم نظریہ ہوں، اب تو ان باتوں سے جو یہ کرتے ہیں مایوس نہ ہو۔ (۱۲:۶۹)

پس جب اس نے ان لوگوں کو تیار کر دیا ان کے سامان سفر کے ساتھ تو اس نے اپنی ہم نظریہ جماعت کی ایذارسانی کے حل کے لیے ایک ذہنی خلفشار کو دور کرنے والے کو مقرر کیا پھر ایک سننے والے نے اعلان کیا ,,اے عیاری کرنے والو، یقیناً تم نظریات پر ڈاکہ مارنے والے ہو،، (۱۲:۷۰)

انہوں نے مقابل آ کر پوچھا: تمہاری کس چیز کا فقدان ہوا ہے؟ (۱۲:۷۱)

انہوں نے کہا ,,ہم شاہی پیمانے کا فقدان پاتے ہیں،، اور جو اس کو لایا ہے اس نے چالاکی سے ذمہ داری لی ہے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں (۱۲:۷۲)

ان بھائیوں نے کہا: اللہ گواہ ہے اور یقیناً تم لوگ بھی جانتے ہو کہ ہم اس مملکت میں فساد کرنے نہیں آئے ہیں اور ہم چھپانے والے نہیں ہیں۔ (۱۲:۷۳)

۔۔۔قران نے لفظ ,, لنفسد فی الارض،، یعنی زمین پر فساد۔۔۔غور کریں یہ کون سی چوری ہے

جس کی وجہ سے فساد فی الارض کا خطرہ پیدا ہو گیا۔۔۔

کہا پس اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے اگر کہ تم جھوٹے ہو۔(۱۲:۷۴)
انہوں نے کہا اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان سے مل جائے وہ خود ہی اس کی سزا ہے ہم اس طرح ظلم کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں، (۱۲:۷۵)
تب اس نے اپنے بھائی چارے والی جماعت سے پہلے ان کے ذہنوں کو کھنگالنا شروع کیا اور اس کے بھائی کے دل سے وہ بات اگلوالی۔اس طرح ہم نے یوسف کے لیے ایک تدبیر پائی۔اس کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ بادشاہ کے دین میں اپنے بھائی چارے والی جماعت کا مواخذہ کرتا، ماسوائے یہ کہ اللہ کے قانون مشیت میں ایسا ہوتا۔ہم اپنے قانون مشیت سے جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہوتا ہے
۔۔۔اس دنیا میں سب سے بڑھ کر نبی کی ذات بابرکات ہے جس پر اس دنیا کے علم کی انتہاء ہے جو قران ہے جس کی ادائیگی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے ہوئی اور اس کے اوپر اللہ کی ذات ہے۔اگر مسلمانوں کو ارتقائی منازل طے کرنی ہے تو علم کے منبع قران کو پکڑ لے،جس کی نہ تو کوئی مثال ہے اور نہ یہ اپنے مفاہیم کے لیے کسی کتاب یا واقعہ کا محتاج ہے۔اور جب تک مسلمان اس کو طوطے کی طرح پڑھنے کی کتاب سمجھیں گے اور اس کے مضامین کو اپنی معاشرتی اور معاشی زندگی پر لاگو نہیں کریں گے تو یہ دنیا ہی ان کے لیے سزا کے طور پر جہنم ہے اور فرقہ واریت کی آگ میں جل کر ختم ہو رہے ہیں اور ان کی جگہ پھر ویسی جلد و شکل کے لوگ جگہ لے رہے ہیں۔۔۔۔
ان لوگوں نے کہا: اگر اس نے چھپایا ہے تو اس سے پہلے اس کے ایک بھائی چارے والی جماعت نے بھی چھپایا تھا۔۔۔یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور ان پر ظاہر نہیں کیا۔۔۔کہا، تم

بہت شری سرشت والے لوگ ہو اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اسے مملکت الیہہ سب سے بہتر جانتی ہے۔ (۱۲:۷۷)

انہوں نے کہا: اے عزیز! اس کا قائد بہت بڑا سردار ہے اس لیے اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے، ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں۔ (۱۲:۷۸)

اس نے کہا میں اللہ کی پناہ میں:! کہ ہم اس آدمی کے سوا جس کے پاس ہم نے اپنی متاع پائی ہے کسی اور کا مواخذہ کریں۔۔ایسی صورت میں تو ہم لازماً ظالم قرار پائیں گے (۱۲:۷۹)

پھر جب وہ لوگ اس سے مایوس ہو گئے تو علیحدہ جا کر باہم مشورہ کرنے لگے۔۔جوان کا لیڈر تھا اس نے کہا، کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے قائد تم سے مملکت کا میثاق لے چکے ہیں۔۔۔اور اس سے پہلے یوسف کے معاملے میں بھی جو تم نے افراط و تفریط کی تھی۔۔ اس لیے میں تو اس ملک کو ہرگز نہ چھوڑوں گا جب تک بابائے قوم مجھے اجازت نہ دے یا پھر اللہ میرے لیے کوئی فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والی ذات ہے (۱۲:۸۰)

لہٰذا تم لوگ اپنے قائد کے پاس واپس جاؤ اور جا کر کہو اے ہمارے قائد! آپ کا جانشین چھپانے والا نکلا ہے۔۔اور ہمارا یہ مشاہدہ نہیں سوائے جو ہمیں علم دیا گیا تھا اور ہم پوشیدہ معاملات کی حفاظت کرنے والے نہیں (۱۲:۸۱)

اور اس بستی والوں سے جس میں ہم تھے اور وہ چالاک جماعت جو اس معاملے میں ہمارے مقابل تھی! اسے پوچھ لیجئے کہ ہم سچے ہیں۔ (۱۲:۸۲)

اس نے کہا کہ تمہارے لوگوں نے اس بات کو تمہارے لیے خوشنما کر کے سجا دیا ہے۔۔۔تو استقامت ہی خوبصورتی ہے۔۔۔امید ہے کہ اللہ سب کو میرے پاس لے آئے گا، بے شک وہ بر بنائے علم وہ بڑی حکمت والی ذات ہے (۱۲:۸۳)

اور ان لوگوں کی طرف سے اعراض کیا اور کہا، افسوس یوسف پر۔۔اور رنج وغم سے اس کی آنکھیں بھر آئیں (۱۲:۸۴)

ان لوگوں نے کہا کہ کیا اللہ گواہ ف کا تذکرہ کر کے قانونی فیصلہ مانگتے ہو یہاں تک کہ تم نمایاں کر دو یا تباہ حال کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (۱۲:۸۵)

اس نے کہا کہ میں اپنے رنج وغم کی شکایت بس اللہ ہی سے کر رہا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ہو۔ (۱۲:۸۶)

اے میرے فرزندانِ قوم! جاؤ اور یوسف اور اس کی ہم جماعت کا احساس کرو اور اللہ کے ضابطے سے مایوس نہ ہو، بے شک انکاری لوگ ہی اللہ کے ضابطے سے مایوس ہوتے ہیں (۱۲:۸۷)

۔۔۔۔جو لوگ اللہ سے ملنے کا یقین نہیں رکھتے وہی لوگ اللہ سے امید نہیں رکھتے اور انسانوں کی روایات پر مبنی کتابوں سے ضابطے تلاش کرتے ہیں اور اسی گھن چکر میں خود بھی رہتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی اسی چکر میں رکھتے ہیں اس طرح وہ خدا کے تسخیر کائنات کے حکم کے برعکس صرف اپنی ذات کے اندر دفن ہو جاتے ہیں اور ان کے پیروکار اسی طرح کرتے رہتے ہیں یہی ان کے لیے جہنم ہے۔۔۔۔۔۔

پس جب یہ لوگ اس کے سامنے پیش ہوئے تو کہنے لگے اے عزیز مملکت! ہماری اہلیت والوں کو نقصان پہنچا ہے، ہم معمولی تجارت کے لیے آئے ہیں۔پس ہمارے لیے بھرپور پیمانہ بنا اور ہم پر مہر تصدیق ثبت کیجئے، بے شک اللہ ایسے فیصلوں پر مہر تصدیق ثبت کرنے والوں کو بدلہ نہیں دیتا (۱۲:۸۸)

اس نے کہا تم ہیں کچھ معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے ہم جماعت کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا جب کہ تم جاہل تھے؟ (۱۲:۸۹)

وہ لوگ بولے ,,کیا تم ہی یوسف ہو،،۔۔؟ کہا! میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا ہم جماعت ہے۔۔۔

یقیناً اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے۔ بے شک جو احکام سے ہم آھنگ رہے اور استقامت اختیار کرے تو اللہ کی ذات نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتی۔ (۱۲:۹۱)

انہوں نے کہا: اللہ شاہد ہے بے شک اللہ نے تمہیں ہم پر برتری فرمائی ہے اور بے شک ہم خطا کار تھے۔ (۱۲:۹۱)

اس (یوسف) نے کہا: آج تم پر کوئی سرزنش نہیں ہے اللہ تمہاری غلطیوں کو برے انجام سے محفوظ رکھے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والی ذات ہے۔ (۱۲:۹۲)

کہا میری اس خلافت کی نشانی کے ساتھ جاؤ اور اس کو قائد ملت کے نظریات پیش کرو۔ ان کو سب معلوم ہو جائے گا، اور اپنے سب اہلیت والوں کو میرے پاس لے آؤ۔ (۱۲:۹۳)

انہوں نے کہا اللہ گواہ ہے! یقیناً آپ اس کے بارے میں ہمیشہ لاش میں رہے ہیں۔ (۱۲:۹۵)

پھر جب خوشخبری دینے والا ہرکارہ آیا تو اس کو قائد کے سامنے پیش کر دیا اور وہ اس کو سمجھا کر لوٹا اور قائد نے کہا: کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی ذات کی جانب سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ (۱۲:۹۶)

انہوں نے کہا: اے بابائے قوم! ہماری غلطیوں کے برے نتائج سے حفاظت کرنا، یقیناً ہم خطا کار تھے۔ (۱۲:۹۷)

اس نے کہا میں عنقریب تمہارے لیے اپنے نظام ربوبیت سے حفاظت طلب کروں گا بے شک وہ بر بنائے رحمت بڑی حفاظت فراہم کرنے والا ہے۔ (۱۲:۹۸)

جب وہ یوسف کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے اپنے بابائے قوم اور جماعت کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ مملکت الیہہ کی سرحد میں اس کے قانون مشیت کے تحت امن واطمنان سے داخل ہو جاؤ۔ (۱۲:۹۹)

اور بابئے قوم اور جماعت کو بلند عہدہ عطا کیا اور سب اس کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔۔یوسف نے کہا: اے بابائے قوم! یہ میرے اس فکر کی تعبیر ہے جو میری ماقبل فکر تھی جسے میرے نظامِ ربوبیت نے حقیقت بنادیا اور اس نے مجھ پر بڑا احسان کیا کہ مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ لوگوں کو سازشیوں سے نکال لایا۔ باوجود اس کے کہ قوت باطلہ نے میرے اور میری ہم نظریہ جماعتوں کے درمیان اختلاف ڈال دیا تھا۔ بے شک میرا نظامِ ربوبیت اپنی مشیت میں باریک بین ہے۔ بلاشبہ وہ بر بنائے حکمت بڑا جاننے والا ہے۔ (۱۲:۱۰۰)

میرے پالنے والے نے مجھے سلطنت عطا فرمائی اور باتوں کے نتائج تک پہنچنے کی تعلیم دی۔اے بلندیوں اور پستیوں سے آگاہ کرنے والے! تو موجودہ اور آنے والے دور میں میرا سرپرست ہے۔ مجھے بطور اہل سلامتی بھرپور بدلہ دے اور مجھے باصلاحیت لوگوں کے ساتھ الحاق کرادے (۱۲:۱۰۱)

یہ پوشیدہ خبریں میں سے ہے جو ہم تم (نبی پاک ﷺ) کو دے رہے ہیں اور تم ان کے درمیان اس وقت موجود نہیں تھے جب کہ وہ آپس میں اپنے فیصلے پر اجتماعی سازش کر رہے تھے (۱۲:۱۰۲)

۔۔۔۔۔۔۔۔آپ خود اندازہ لگالیں کہ ہمارے اسلاف نے اس سورت کی تفصیل کہاں سے حاصل کی ہوگی؟ جب کہ اللہ اپنے رسول ﷺ کو فرما رہیں ہیں کہ آپ ﷺ اس وقت وہاں موجود نہ تھے، بلاشبہ یہ باتیں جو اللہ نے استعارہ کے طور پر نبی کو بتائی حکمت سے بھرپور ہیں مگر اسلاف نے بائبل سے مستعار الفاظ سے اس قصے کا لفظی ترجمہ کر کے اس حکمت سے بھرپور قصہ کو ایک ناول کی کہانی بنادیا ہے۔۔۔۔۔۔۔بائبل کی کتاب خروج (۱۳:۱۹) میں ہے۔۔۔اور موسیٰ یوسف کی ہڈیوں کو ساتھ لے گیا کیونکہ یوسف نے بنی اسرائیل سے قسم لی تھی۔اس نے کہا تھا کہ خدا یقیناً تمہاری مدد کرے گا اور جب تم جاؤ تو میری ہڈیوں کو یہاں سے اپنے ساتھ لے جانا۔۔۔

اب آپ دیکھیں کہ بائبل کی اس بات کو کیسے صحابی کے نام سے جوڑا گیا ہے۔۔۔امام ابن اسحاق

اور ابن ابی حاتم نے حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو جب بنی اسرائیل کو ساتھ لے جانے کا حکم دیا تو ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اپنے ساتھ یوسف علیہ السلام کے جسم کو بھی لے جاؤ، انہیں مصر میں نہ چھوڑو اور انہیں ارض مقدس میں جا کر دفن کرو۔۔۔

جب کہ قران میں اللہ نے اپنے نبی کو صاف بتا دیا کہ آپ اس سے پہلے اس واقعہ کو نہیں جانتے تھے،، مگر حیرت کی بات ہے کہ ان کے صحابیوں کو یوسف کی ہڈیوں کے لیجانے تک کی خبر تھی۔۔۔ یہ ہے ہمارے مفسرین اور مترجمین کی کرتوتیں۔۔۔ قران کو چھوڑ کر ان روایتوں کو معبود بنا لیا ہے ان اسلاف نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اور لوگوں کی اکثریت باوجود تیرے آرزومند ہونے کے امن قائم کرنے والوں کے ساتھ نہیں ہے (۱۲:۱۰۳)

حالانکہ تم اس پر ان سے کسی بدلے کا مطالبہ نہیں کرتے، یہ تو سب کے لیے یاد دھانی ہے۔ (۱۲:۱۰۴)

اور بلندیوں اور پستیوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن سے یہ روگردانی کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ (۱۲:۱۰۵)

اور ان میں سے اکثر اللہ کے احکامات کے ساتھ اہل امن نہیں ہیں مگر اپنی خواہش کے احکام کا اشتراک کرتے ہیں (۱۲:۱۰۶)

۔۔۔ یہی وہ حکم ہے جو میری اس کتاب کا موضوع ہے کہ ہمارے اسلاف، مفسرین، مترجمین اور محدثین نے باوجود اس کے کہ ان کے پاس قران کی صورت میں حکمت سے بھرپور کتاب موجود تھی بائبل کے احکامات کا اشتراک کر کے قران کی غلط تاویل کی گی اور وہ احکامات جن کا کہیں ذکر بھی نہیں ، بائبل اور مجوسیوں کی مذہبی کتب سے لے کر فقہ، حدیث اور تصوف کے نام پر اسلام میں داخل کیے

گئے۔اللہ تمام گناہ معاف کرے گا ماسوائے شرک کے اور اپنی خواھشات کے مطابق اللہ کے کلام اور احکامات میں جن لوگوں نے اشتراک کیا اور جو اس پر عمل کرتے ہیں بلاشبہ شرک میں مبتلا ہیں،اور یہ کتاب ایک معمولی سی کوشش ہے کہ لوگ ایسے اشتراک سے بچ کر صرف احکامات الٰہی کی طرف متوجہ ہوں تا کہ یہ دنیا جہنم کی بجائے جنت بن جائے۔۔۔۔۔۔

کیا وہ اس بات سے بےفکر ہو گئے ہیں کہ ان کو کوئی اللہ کی طرف سے سزا گھیر لے،یا اچانک ان پر اس حالت میں احتسابی گھڑی آ جائے کہ اس کا انہیں شعور ہی نہ ہو (۱۲:۱۰۷)

اعلان کر دو کہ میرا راستہ تو یہی ہے۔۔۔میں اور میرے پیروکار واضع دلائل کی بنیاد پر اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور تمام تر جدو جہد مملکت الٰہیہ کے لیے ہے اور میں احکامات میں اشتراک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں (۱۲:۱۰۸)

ہم نے تم سے پہلے کسی کو نہیں بھیجا سوائے مردمیدان کے۔ہم نے آبادیوں کے باشندوں کو پیغام بھیجا ۔کیا یہ لوگ ملک میں نہیں چلے پھرے کہ دیکھتے کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا۔یقیناً آنے والے دور مملکت الٰہیہ کے قوانین سے ہم آھنگ رہنے والوں کے لیے سب سے بہتر ہے۔۔کیا پھر تم عقل سے کام نہیں لیتے ہو؟ (۱۲:۱۰۹)

۔۔۔شومئی قسمت ہم نے کبھی بھی عقل کا استعمال نہی کیا بلکہ عقل کے استعمال کو گمراہی کا رستہ بتا دیا تا کہ آنے والے لوگ اگر عقل اور شعور سے اس بات کا پتہ لگا لیں کہ قران سے اشتز اک شدہ کتب کا مواد کہاں سے حاصل کیا گیا ہے تو ان کو آسانی سے منکر اور مرتد اور کافر کے فتوے کے ذریعے حقیقت آشکارہ کرنے سے روک دیا جائے۔مگر اب وقت آ گیا ہے کہ عوام الناس کو بتیا جائے کہ اسلام کے اندر جو بھی شامل کردہ لٹریچر ہے اس کا منبع بائبل،مجوسی اور یونانی مذاہب کی کتابیں ہیں۔جس کا نہ تو رسول ﷺ

سے کوئی دور دور تک واسطہ ہے اور نہ ہی قران نے اس کا ذکر کیا ہے اور جن احکامات کے عمل کرنے کا حکم دیا ہے ان کے لیے بے تحاشہ دلائل پیدا کر لیے گئے ہیں۔جن کو ختم ہوتے ہوتے بھی شاید کئی صدیاں درکار ہوں گی۔

یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہونے لگے اور خیال کرنے لگے کہ وہ تو جھٹلا دیے گئے ہیں۔تو ان کے پاس ہماری مدد پہنچ گئی پس جسے ہمارے قانون مشیت نے چاہا وہ نجات پا گیا اور مجرم قوم سے ہماری جنگ نہیں پھیری جاتی (۱۲:۱۱۱)

۔۔۔۔۔۔آخری آیت اس واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حکمت سے پر قصہ کہا گیا ہے اور ہمارے بے عقل اسلاف کے لیے حقیقت میں ایک محبت سے بھری داستان اور بھائیوں کے حسد کی کہانی سے زیادہ نہیں۔۔مگر جو صاحب علم و دانش ہیں ان کے لیے یہ قصہ اسلامی حکومت میں کیسے کیسے سازشوں کے جال بنے جاتے ہیں اور ان سے کیسے طور پر فکری اور نظریاتی طور پر نبرد آزما ہونا ہے کے طریقے بیان کیئے گئے ہیں،حکومتی سطح پر تجارت کا کیا کیا رجحان ہوسکتا ہے اس کا بیان ہے،خوراک کی کمی سے مملکت الٰہی کیسے نبٹے گی کا طریقہ بتایا گیا ہے،سیاسی حکومتوں کا قیام کیسے عمل میں لانا ہے اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے،جیلوں کی اصلاحات اور قیدیوں سے کیسا سلوک کرنا ہے اس کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں۔۔۔اور بہت سے عوامل حکمت سے بھرپور اس سورت میں بیان ہوئے ہیں مگر سب عقل کے استعمال سے سامنے آئیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یقیناً ان لوگوں کے قصے میں صاحبان علم و دانش کے بڑی عبرت و نصیحت ہے۔یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں بلکہ یہ تو اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کی قوتوں کے مابین ہے اور ہر چیز کی تفصیل

ہے اور امن قائم کرنے والوں ہدایت ورحمت ہے (۱۲:۱۱۱)

سرمایہ داری نظام (سود یا ناجائز منافع)

پیشتر اس کے ہم اس اہم موضوع پر غور کریں، ایک بات ذہن میں رکھیں کہ ہماری فقہ اور روایات کا زیادہ تر منبع بائبل ہے جب کہ قران نے ہر طرح کے ناجائز منافع کو حرام قرار دیا ہے وہ خواہ سود کی شکل میں ہو یا کمیشن، رشوت، سٹہ بازی یا کوئی بھی جدید شکل متعارف کروائی گئی ہو منع کر دی گئی ہے۔

اللہ رب العزت نے اس کے لئے وسیع تر معنوں والا لفظ۔۔ربا۔۔الربا۔۔۔قران میں استعمال کیا ہے

آیئے پہلے قران کی اس آیت کو دیکھتے ہیں

﴿والذین یکنزون الدھب و الفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشر ھم بعذاب الیم﴾﴿یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جبا ھم و جنوبھم و ظھورھم ، ھذا ما کنزتم لا نفسھم فدوقوا ما کنتم تکنزون﴾

جو لوگ سونا اور چاندی، یعنی مال و دولت کے خزانے ذخیرہ کرتے رہتے ہیں (ارتکاز) اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔اس دن کی بشارت دے دو جب یہی ذخیرہ کی ہوئی دولت جہنم کی آگ میں گرم کی جائیگی اور ان کی پیشانیوں اور پہلوں اور پشتوں پر داغی جائیں گی اور کہا جائے گا کہ یہ ہیں وہ خزانے جو تم اپنی ذات کے لیے ذخیرہ کرتے تھے، اب ان کا ذائقہ چکھو۔ (۹:۳۵۔۳۴)

دنیا اپنی معلوم تاریخ کے دورانیے میں ازل سے ہی سرمایہ دارانہ نظام کے تحت چل رہی ہے اور اللہ نے ہمیشہ رسول اس استحصالی نظام کو بدلنے کے لیے بھیجے ہیں

مالیاتی نظام کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ سے قائم ہے اور انسان اپنی کمائی یا دولت کو یکجا کرنے کے نت نئے طریقے ڈھونڈتا رہا ہے اور رہے گا۔ مختلف تہذیبیں اس کرہ ارض پر اپنے اپنے بنائے ہوئے قوانین کے ذریعے دولت مند کو ہی سپورٹ کرتی رہی ہیں اور متوسط طبقے کا ازل سے استحصال ہوتا آرہا ہے۔

دولت دو اشکال میں ہوتی ہے ایک جنس اور دوسری کرنسی۔ جنس میں وہ تمام اشیاء شامل ہیں جو کھانے پینے رہنے سہنے سفر وغیرہ میں استعمال ہوتی ہیں۔ جب کہ کرنسی میں سونا چاندی سکے اور دھاتوں کی چیزیں شامل ہیں

اور مبادلہ کا ذریعہ یا تو جنس ہوتا تھا یا پھر سونا، چاندی اور دیگر دھاتوں کے سکے وغیرہ۔

پرانی تہذیبوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تجارتی لین دین کے مبادلہ (میڈیا آف ایکسچینج) کے لیے جنس کا استعمال عام تھا

میزاپٹن تہذیب جنس (commodity money) کی بنیاد پر تجارتی لین کرتی تھی۔ سونا، چاندی، جو، شراب سیپی کا خول اور کاپر وغیرہ بحیثیت جنس استعمال ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ دھات کو پیسے کے طور پر مویشیوں کی لین دین میں بھی استعمال کرتے تھے۔ اسی تہذیب کے لوگ اجناس کو شہد کی مکھی کے چھتے کی طرز پر بنائے گئے ڈبوں میں رکھتے تھے۔ اسلام نے بھی سونا، چاندی، کھجور، گہیوں، جو اور نمک کو بطور کرنسی استعمال کیا ہے۔

رومن قانون کے مطابق عوام جرمانے کی رقم بیل اور بھیڑ کی شکل میں ادا کرتی تھی۔ اور پرانی تہذیبوں کے آثار سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ جنس ان جگھوں پر استعمال ہوتی تھی جہاں پر سکہ نہیں تھا اور ادلا بدلا 'مقایضۃ' (Barter) کا نظام رائج تھا جس میں جنس کے بدلے یا مزدوری کے معاوضہ کے بدلے جنس دی جاتی تھی۔

۱۷۶۱قبل عیسوی میں ہمربی ضابطہ جو چھٹے بابل کے بادشاہ نے بنایا تھا اور۱۸۷۱قبل عیسوی آیسن کا ضابطہ جس کو لپٹشتار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کے نفاذ کے بعد قرض پر منافع لیا جاتا تھا اور ان ضابطوں کی مدد سے معاشرے میں پیسے کے معاملات کو دیکھا جاتا تھا جس کو موجودہ دور میں جدید تجارتی نظام کا نام دیا گیا ہے جو کہ اسی سوچ کا تسلسل ہے۔

جب عیسائیت کا دور تھا تو لوگ اپنے تجارتی مال کو جب ایک ملک سے دوسرے ملک بیچتے تھے تو بدلے میں جو سرمایہ ہوتا اسکو بل آف ایکسچینج (رسید) کے ذریعے حاصل کرتے تاکہ راستے میں ڈاکے سے بچا جا سکے۔ یورپ میں چرچ اشیاء کو اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے اور اس کام کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے مختلف تقریبات منعقد کرواتے تھے اور یوں چرچ ایک بنک کا کام دیتے تھے۔ جب کہ سرمایے کی حفاظت پر کوئی منافع وصول نہیں کیا جاتا تھا۔

صدیوں تک مشرقی یورپ یہودیوں سے سود پر قرضہ لینے کے خلاف برسرِ پیکار رہا۔ دوسری طرف فرانس اور روسی انقلاب سے یورپ میں یہودیوں کی اجارا داری قائم ہو گئی۔ اور ان کے لئے سود پر قرضے دینے کے مواقع چرچ کی کمر ٹوٹنے کی وجہ سے آسان ہو گئے۔ ولیم شکسپیئر نے اپنی کتاب ''مرچنٹ آف وینس'' میں ایک کردار کے ذریعے جس میں یہودی نے قرضے کی عدم ادائیگی کی صورت میں مقروض کے جسم کا ایک پاؤنڈ گوشت سود کے بدلے لینا تھا یہودی قوم کی فطرت کو نمایاں کیا ہے۔ اور آر۔ ایچ ٹونی نے ''رلجین اینڈ رائز آف کیپٹل ازم'' میں سود کے خلاف ان کی جدوجہد اور پھر برطانیہ میں مشینی دور کے آغاز سے جو سود کی لعنت یورپ میں پنپنے والی تھی کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے۔

بنکاری کی ابتداء

عمومی طور پر شروع میں لوگ اپنی دولت سونے کی شکل میں جمع کیا کرتے تھے اور اسے گھروں میں رکھنے کی بجائے حفاظت کی غرض سے سناروں (صراف) کے پاس رکھوا دیتے تھے۔ سنار ہر امانت دار کو اس کی

امانت کے بقدر سونے کی رسید لکھ دیتا تھا جس میں اس بات کی تصدیق کی جاتی تھی کہ اس رسید بردار کا اتنا سونا فلاں صراف کے پاس محفوظ ہے۔ رفتہ رفتہ یہ رسیدیں خرید و فروخت اور قرضوں کی ادائیگی میں ایک آدمی سے دوسرے آدمی تک منتقل ہونے لگیں۔ لوگوں کے لئے یہ بات آسان تھی کہ سونے کی رسید ایک دوسرے کو دے دیں بہ نسبت اس کے کہ ہر لین دین کے موقع پر سنار کے ہاں سے سونا نکلوایا جائے اور اس کے ذریعہ سے کاروبار ہو۔ رسید حوالے کر دینے کا مطلب گویا سونا حوالہ کرنا ہوتا۔ اس لئے تمام کاروباری اغراض کے لئے یہ رسیدیں اصل سونے کا قائم مقام بنتی چلی گئیں۔ اس امر کی نوبت ہی کم آنے لگی کوئی شخص وہ سونا نکلوائے جو سونے کی ایک رسید کے پیچھے سنار کے پاس محفوظ تھا۔ اس کا موقع بس انہی ضرورتوں کے وقت پیش آتا جب کسی کو بجائے خود سونے ہی کی ضرورت ہو ورنہ ذریعہ مبادلہ کی حیثیت سے جتنے کام سونے سے چلتے تھے وہ سب ان رسیدوں کے ذریعے چل جایا کرتے تھے جن کا کسی کے پاس ہونا اس بات کی علامت تھا کہ وہ کس قدر سونے کا مالک ہے۔ بڑھتی ہوئی لین دین سے صرافوں کو یہ بات کا علم ہو گیا کہ جو سونا ان کے پاس لوگوں کی امانتوں کا جمع ہے اس کا بمشکل دسواں حصہ نکلوایا جاتا ہے باقی ۹ حصے ان کی تجوریوں میں بے مصرف پڑے رہتے ہیں۔ انہوں نے سوچا کہ ان ۹ حصوں کو استعمال کیوں نہ کیا جائے چنانچہ انہوں نے یہ سونا یا اس کے بدلے کی رسیدیں جاری کر کے اس پر لوگوں کو قرض دے کر سود وصول کرنا شروع کر دیا اور اسے اس طرح استعمال کرنے لگے کہ وہ اس سونے کے خود مالک ہیں اور دوسری طرف ان کے مالکوں سے حفاظت کا معاوضہ بھی وصول کرتے تھے۔ ان کی چالاکی اور دغا بازی اس حد پر بھی نہ رکی بلکہ ۹۰ حصوں کی جعلی رسیدیں بنا کر کاغذ کی صورت میں چلانی اور قرض دینی شروع کر دیں۔ وہ اصل سونا قرض پر دینے کی بجائے اس کی قوت پر رسیدیں چلانے لگے اور یہ رسیدیں مارکیٹ میں سارے کام کر رہی تھیں۔ جو ذریعہ مبادلہ ہونے کی حیثیت سے سونا کرتا تھا۔

اس معاملہ کو مثال کے ذریعہ یوں سمجھئے کہ اگر صراف کے پاس ایک شخص نے لاکھ روپے کا سونا جمع کروایا تھا تو سنار نے لاکھ کی ۱۰ رسیدیں بنائیں جس کے اوپر یہ لکھا کہ میرے پاس ایک لاکھ روپے کا سونا جمع ہے اور ایک رسید جو اصل تھی جس پر فی الواقع سونا جمع تھا وہ سونا جمع کروانے والے کو دے دی باقی ۹ لاکھ کی ۹ رسیدیں دوسرے لوگوں کو قرض دیں اور اس پر ان سے سود وصول کرنا شروع کر دیا۔ (موجودہ دور کے کریڈٹ کارڈ اس سوچ کی بنیاد پر چل رہے ہیں)۔ظاہر ہے کہ یہ ایک سخت قسم کا دھوکا اور فریب تھا اس دغا بازی اور جعل سازی کے ذریعہ ان صرافوں نے جو ۹۹ فیصد یہودی النسل تھے ۹۰ فیصد پیسہ جعلی کرنسی کی شکل میں بنا ڈالا اور خود اس کے مالک بن گئے۔حالانکہ انھوں نے اس مال کو نہ کمایا تھا نہ کسی جائز طریقہ سے اس کے حقوق ملکیت انہیں پہنچے تھے اور نہ وہ حقیقی پیسہ تھا جس کو ذریعہ تبادلہ کے طور پر مارکیٹ میں چلانا اور اس کے عوض اشیاء اور خدمات حاصل کرنا کسی اخلاق و معیشت و قانون کی رو سے جائز ہو سکتا تھا۔یہ صراف اس مسلسل جعل سازی کی بدولت عوام کی ۹۰ فیصد دولت کے مالک بن چکے تھے اوتیزی سے بڑھتے ہوئے لین دین اور منافع کی بدولت بینکر بن گئے تھے اور یوں بنکوں کا وجود عمل میں آنے لگا۔

دنیا کا سب سے پرانا بنک (Monte dei Paschi di Siena)

مونٹ ڈی پاشی ڈی سینا ۱۴۷۲ء اٹلی کے شہر سینا میں قائم ہوا یہ بینک ابھی تک کام کر رہا ہے۔اس کے بعد پھر کئی اور بنک کھلے جن کی شاخیں فلورنس، وینس اور جنیوا میں قائم ہوئیں۔

لفظ بنک جرمن "bench, counter" banc, bank یا پھر فرانسیسی زبان banque, اور پرانی اطالوی زبان banca, سے نکلا ہے اور ایک ممکنہ خیال ہے کہ یہ سنسکرت زبان کے لفظ بیا 'byaya' (expense) and 'onka' (calculation) = byaya-onka سے ماخوذ ہے ایسی جگہ جہاں پر حساب کتاب کیا جائے۔

بنک کا منافع اس فرق سے حاصل ہوتا ہے جو وہ قرض دینے والوں سے حاصل کرتا ہے اور جمع کروانے والوں کو دیتا ہے۔ اور موجودہ دور میں ٹرن اوور کی وجہ سے بنک کا منافع نا قابل یقین حد تک بڑھ چکا ہے۔

بینکوں کا کاروبار قانونی طور پر مضبوط شکل اختیار کرتا گیا کیونکہ خود حکومتیں لڑائیوں کے موقع پر یا اندرونی مشکلات کی عقدہ کشائی کے لئے بینکوں سے بھاری قرض لے چکی تھیں۔ اب کس کی مجال تھی جو یہ سوال اٹھا سکتا کہ یہ لوگ کہاں سے اتنے بڑے سرمائے کے مالک ہو گئے۔ اور یوں پیپر کرنسی کا آغاز کر دیا جو کہ پہلے ہی چین میں جاری تھی۔ جس کو رواج دینے کے لئے یورپ نے دنیا میں تلوار کے زور پر انڈیا اور دوسرے ممالک میں اپنا نو آبادیاتی نظام قائم کیا جس کا بنیادی مقصد صرف اور صرف ان ممالک سے سونا لیکر انکو پیپر کرنسی کے دھن چکر میں پھنسانا تھا (آج سے دو ہزار سال پہلے چین میں کاغذ کو بطور کرنسی استعمال کیا۔ اور یہ باقی دنیا میں اس وقت مشہور ہوئی جب مارکو پولو چین گیا۔ مگر یورپ میں چار سو سال تک استعمال نہ ہوئی)

امریکہ میں پہلی پیپر کرنسی ۱۸۶۱ء میں چھپی اور اسکو صرف بنک استعمال کر سکتا تھا لیکن ۱۹۱۳ء میں بنک کو نوٹ چھاپنے سے روک دیا گیا۔

Sample Labor Note

اور حکومت نے یہ کام بریٹن وڈ (Bretton Woods) فامولے کے تحت اپنے ذمہ لے لیا اور حکومت نے اسکی قدر (value) ۲۰ ڈالر فی اونس سونا (gold) رکھی اور سونے، چاندی اور میٹل کے سکوں کے اوپر ۲۲ اپریل ۱۸۶۴ کو 'اس خدا جس پر ہم یقین رکھتے ہیں' لکھا گیا اور پھر ۱۹۵۷

سے لیکر ۱۹۲۶ تک پیپر کرنسی یعنی ڈالر پر بھی انہیں الفاظ کو پرنٹ کیا گیا اور عوام کہ کہا گیا کہ وہ سارا سونا ماسوائے زیورات کے حکومت کو جمع کرایں اور وہ جب چاہیں ۲۰ ڈالران نوٹوں کے بدلے کے سونا واپس لے سکتے ہیں کیونکہ ہم (حکومت) نے آپ سے ویسا ہی وعدہ کیا ہے جیسا کہ ہم خدا پر یقین رکھتے ہیں۔
اور یہ وعدہ انھوں نے یورپ سے بھی کیا۔ ۱۹۳۳ میں حکومت نے سونے سے بدل قیمت ۳۵ ڈالر فی اونس (889 mg) مقرر کردی اور یوں امریکہ کی عوام اپنی ۱۵ فیصد دولت سے محروم

چکن کے بدلے

اخبار ۱۸۷۴

ہوگئی۔ اور ۱۹۴۴ میں امریکی حکومت نے بنکوں کو سونے کی تجارت سے روک دیا گیا اور یہ حکم جاری کیا کہ حکومتیں ہی امریکی حکومت سے سونے کا لین دین کرسکتی ہیں، اس حکم نامے کے ذریعے امریکی حکومت نے اپنی عوام اور تمام غیر ملکی حکومتوں کا سونا جو امریکی بینکوں میں محفوظ کروایا گیا تھا ھتیا لیا، یوں ساری امریکی عوام اپنے سونے سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔
۱۹۷۰ تک کسی حکومت نے امریکہ سے سونا نہیں مانگا جب ویتنام کی جنگ شروع ہوئی تو امریکی حکومت نے دھڑا دھڑ ڈالر چھاپنے شروع کردیئے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۷۱ کو برطانیہ ۳ بلین ڈالر کی رقم لیکر امریکہ کے پاس پہنچ گیا کہ وہ اپنے وعدہ کے مطابق ان کو اس مالیت کا سونا دیں۔ لیکن امریکی صدر نکسن نے کیمپ ڈیوڈ میں ایک تقریر کے ذریعے ڈالر سے سونے کا تعلق ختم کردیا اور ڈالر کو سٹنڈرڈ کرنسی ڈیکلیر کردیا اور عیاری کی یہ داستان یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ ایک مرتبہ پھر امریکہ کو اپنی گرتی ہوئی ساکھ بچانے کے لیے

یہ خیال آیا کہ دوبارہ گولڈ ہی کو معیار بنایا جائے جائے

۲۸اگست۲۰۱۲ فنانشل ٹائم The GOP promises to establish a "gold linked to gold — even though the idea has long been (discredited

اخبار مزید لکھتا ہے A return to a fixed money supply would also remove the central bank's ability to offset demand shocks by varying interest rates. That could mean a more volatile economy and higher average unemployment over time

انڈیا وژن میں ایک مضمون ۲ستمبر۲۰۱۲ کو چھپا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ چین گولڈ کرنسی کو سٹنڈرڈ کرنسی کے طور پر لانے کی تیاری کر رہا ہے

جدید بنکاری نظام

بنک عوام الناس کے درمیان پیسے کی تقسیم کا کام کرتا ہے بنکنگ نظام میں جن لوگوں کے پیسے جمع ہوتے ہیں ان کے سرمائے سے سرمایا کاری کے لئے افراد یا کمپنیوں اور حکومتوں کو قرضہ دیا جاتا ہے اور ان سے منافع وصول کر کے اسی منافع سے مزید قرضہ دیا جاتا ہے اور یہ منافع بنک خود رکھتا ہے اور آٹے میں نمک برابر منافع ان لوگوں کو دیتا ہے جن کے کھاتے ہوتے ہیں۔

موجودہ دور کے بنک اپنے سرمائے کو دو طریقوں سے حاصل کرتے ہیں۔اس کی آسان سی مثال یوں بیان کی جاسکتی ہے جس طرح

ٹیکسٹائل کی فیکٹری کپڑا بننے کے لئے خام مال کے طور پر روئی کو استعمال کرتی ہے بالکل اسی طرح بنک

قرض دینے کے لئے کرنسی کو خام مال کے طور پر استعمال کرتا ہے اور بنک جو سرمایا قرضہ دینے کے لئے حاصل کرتا ہے وہ راس المال (کیپیٹل) کہلاتا ہے۔ بنک مختلف ذرائع سے یہ راس المال لیتا ہے جن سے لیتا ان کو کم سود دیتا ہے اور جن کو دیتا ہے ان سے زیادہ شرح سود وصول کرتا ہے۔ اور شرح سود لینے اور دینے کا درمیان جو منافع ہوتا ہے جس کو بنک بغیر کسی محنت کے حاصل کر لیتا ہے اور جن کو دیتا ہے وہ بھی بغیر محنت کے منافع حاصل کرتے۔

قران میں ارشاد ہے۔

لا یقدرون علی شيء مما کسبو

(اور نہیں قدرت رکھتے ماسوائے اس چیز کے جو انھوں نے کمائی ہو) (۲۶:۴)

اور اس طرح بغیر کمائی کے جو پیسہ آئے گا وہ پاک نہ ہوگا

ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون

(اور ناپاک چیز کو خرچ کرنے کی نیت مت کرو) (۲:۲٦۷)

یاایها الناس کلوا مما فی الارض حلالا طیبا

(اے لوگو: زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں وہی کھاؤ) (۲:۱٦۸)

جو لوگ بنک کا آغاز کرتے ہیں ان کا ذاتی سرمایا ۱۰ سے لیکر ۱۵ فیصد ہوتا ہے اور باقی سارے کا سارا سرمایا کھاتا داروں کا یا شیئر ہولڈرز کا ہوتا ہے۔ جو اپنے شیئر (حصہ) کے مطابق منافع وصول کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ بنک اپنا سرمایا بڑھانے کے لئے اوپن مارکیٹ سے قرضہ حاصل کرتے ہیں اور جب اوپن مارکیٹ میں دباؤ آتا ہے تو وہ پھر بنک سے اپنا قرضہ واپس لیتے ہیں جس کی وجہ سے بنک کھاتہ داروں کی۔ شرح سود میں کمی کر دیتا ہے

اس میں جو ظلم ہے وہ یہ ہے

۱۔اوپن مارکیٹ کو یہ یقین نہیں کہ وقتِ ضرورت جو قرضہ بنک نے اپنے راس المال میں شامل کیا ہے اس کو مل بھی سکے گا یہ نہیں۔

۲۔بنک بذات خود ایسی رقم لمبے پراجیکٹس پر انویسٹ نہیں کرسکتا۔

۳۔کھاتا داروں کی شرح منافع کم ہو جاتی ہے۔

۴۔جس کے نتیجے میں بنک حکومت سے بانڈز ادھار لے کر کاغذ کرنسی اوپن مارکیٹ کو دیتی ہے جس کو حکومت چھاپتی ہے۔

۵۔جب حکومت کو اپنے زراعت یا کسی بڑے پراجیکٹ کے لیے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ بنک کے پاس جاتی ہے اور بنک کاغذ عوام کو دے دیتے ہیں اور اس کے بدلے حکومت کی اصل پراپرٹی کو رہن کر لیتے ہیں اور یوں اصل دولت پر جو صرف تھوڑے سے سرمائے شروع ہوئی تھی پر بنک قابض ہو جاتے ہیں

بائبل کی کتاب خروج (۲۷۔۲۵:۲۲)

اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہے کچھ قرض دے تو اس سے ساہوکار کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ زیادہ سود لینا۔اگر تو اپنے پڑوسی کی چادر بطور گروی رکھ لے تو سورج کے ڈوبنے تک اسے لوٹا دینا۔کیونکہ اس کے پاس جسم ڈھانپنے کے لیے صرف وہی چادر ہے۔پھر وہ کیا اوڑھ کر سوئے گا؟

خروج (۲۳:۸)

تو رشوت نہ لینا،کیونکہ رشوت بیناؤں کو اندھا کر دیتی ہے اور صادقوں کی باتوں کو بدل دیتی ہے

خروج (۱۱:۳۰)

پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ تو بنی اسرائیل کی تعداد معلوم کرنے کے لیے مردم شماری کرے تو ہر ایک جب وہ گنا جائے، خداوند کو اپنی جان کا فدیہ ادا کرے۔۔ ہر شخص جس کی گنتی ہو چکے وہ مقدس مثقال کے حساب سے نیم مثقال (بیس روپے) دے

(خروج ۲۶:۳۸) مثقال کے حساب سے ایک بیکافی کس جو مقدس مثقال کے حساب سے نیم مثقال (۵۰۵ گرام) تھی ہر ایک سے لی گئی۔

(احبار ۲۵:۳۵)

اگر تمہارا کوئی ہم وطن مفلس ہو جائے اور تمہارے درمیان رہتے ہوئے بھی تنگدست ہو تو اس کی مدد کرنا جیسے کہ تم کسی پردیسی یا مسافر کی کرتے ہو کہ وہ تمہارے درمیان بسا رہے اور اس سے کسی قسم کا سود نہ لینا بلکہ خدا سے ڈرنا تا کہ تمہارا ہم وطن تمہارے درمیان بسا رہے۔

(احبار: ۱۵:۲۷)

اور وہ آدمی جو اپنے مکان کو مخصوص کرے اور فدیہ دے کر اسے چھڑانا چاہے تو وہ اس کی قیمت میں سے اس کا پانچواں حصہ اضافہ کر کے ادا کرے اور وہ مکان پھر اس کا ہو جائے گا۔

(احبار: ۳۰:۲۷)

گلّے اور ریوڑ کی وہ یکی یعنی ہر دسواں جانور جو چرواہے کی لاٹھی کے نیچے سے گزرتا ہے، خداوند کے لیے پاک ہے۔

(استثنا ۲:۱۵)

اگر کسی نے اپنے اسرائیلی پڑوسی کو کچھ قرض دیا ہے تو وہ منسوخ کر دے اور وہ اپنے اسرائیلی پڑوسی یا بھائی سے اس کا مطالبہ نہ کرے ۔۔۔ تم کسی پردیسی سے تو مطالبہ کر سکتے ہو لیکن جو قرض

تمہارے بھائی کی طرف واجب الادا ہو وہ منسوخ کر دیا جائے ۔۔۔تم بہت سی قوموں کو قرض دو گے لیکن آپ کسی کے مقروض نہ ہو گے تم بہت سی قوموں پر حکمرانی کرو گے لیکن تم پر کوئی حکمران نہ ہو گا۔

(استثنا:۱۹:۲۳)

تم اپنے بھائی سے سود وصول نہ کرنا خواہ وہ ریوں پر، اناج پر یا کسی شے پر ہو جس پر سود لیا جاتا ہو۔تم چاہو تو پردیسیوں سے سود وصول کرنا لیکن کسی اسرائیلی بھائی سے نہیں۔

(استثنا:۶:۲۴)

چکی کو یا اس کے اوپر کے پاٹ کو گروی نہ رکھنا کیونکہ ایسا کرنا تو گویا انسان کی وجہ معاش کو ہی رہن رکھنے کے برابر ہو گا۔

(استثنا:۱۵:۲۵)

تم ہر روز غروب آفتاب سے پہلے ہی مزدور کی مزدوری دے دیا کرو

۔۔۔۔ ہمارے مفسرین، محدثین، مترجمین اور محققین نے ناجائز منافع کے متعلق جتنی بھی آیات قرانی ہیں ان کو منافع کے ایک جزو سود میں ترجمہ کرکے ناجائز ذرائع آمدنی کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھول دیے اور جب کچھ نہ بن سکا تو روایات کا سہارا لیا جو کہ کسی بھی طرح ناجائز منافع خوری کو نہیں روک سکتیں۔

سود بذات خود اسی ظالمانہ سرمایہ داری نظام کا ایک کا پرزہ ہوا کرتا ہے یہ حقیقت سب پر عیاں ہے کہ جہاں بھی بڑی بڑی رقوم کا ارتکاز ہو گا وہاں سے ہی ہمیشہ ہر قسم کا مالیاتی استحصال کیا جائے گا۔ قرضے بھی جاری ہوں گے اور سوڈ کے ذریعے بھی پیسہ کمایا جائے گا۔

قران اپنی دور رس حکمت کے ذریعے ان بڑی رقوم کے ارتکاز کے بنیادی سبب کو اپنی گرفت میں لیتا ہے تا کہ سرمایہ داری کا قیام ہی ممکن نہ ہو سکے۔۔۔اسی ظالمانہ نظام کے تحت دولت کا

ارتکاز بےشمار دیگر ٹولز پیدا کرتا ہے جن میں بنکنگ کا نظام، بڑی صنعتی کارپوریشنیں، بڑی اجارہ دارانہ تجارتیں، سٹاک مارکیٹیں، کرنسی، اجناس اور دھاتوں، تیل کی قیمتوں پر سٹہ بازیوں کی ماکیٹیں وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

اللہ کے ربا کے حوالے سے احکامات سرمایہ داری نظام کو بحثیت مجموعی زد میں لاتے ہیں اور اس نظام کے فروغ کی حوصلہ شکنی کرنے کا مقصد رکھتے ہیں اور زیادہ دولت کو اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ سرمایہ دار استحصالی قوت حاصل نہ کر سکے۔۔

لیکن اس کے برعکس بائبل کی سوچ نے مسلمان سکالرز کو سود ہی سب گناہوں کا جڑ نظر آیا اور سرمایہ داری نظام کے دیگر کل پرزوں کو حلال وجائز قرار دے کر مطمئن ہو گئے ہیں کہ اللہ کے احکامات کی تابعداری کی جارہی ہے۔۔

پس قران میں لفظ۔۔ربا۔۔یا۔۔الربا۔۔سے مراد سود لینا کوئی لغوی اور شعوری جواز نہیں رکھتا، تفاسیر اور تفاسیری تراجم کے ذریعے ہمیں اور دنیا کو گمراہ کرنے ایک مذموم کوشش کی گئی ہے۔قران تو اس موضوع پر دراصل انسانیت کی فلاح کے ضمن میں ہماری مجموعی تجارتی لین دین میں ہر قسم کی بدعنوانی اور دولت کا پاگلانہ حرص وطمع سے باز رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔تاکہ چند ہاتھوں میں دولت کا ارتکاز عوام کے لیے سلب ونہب کا باعث نہ بنے۔

قران میں االربوا کا لفظ ۷ مرتبہ اور ربا کا لفظ ایک مرتبہ آیا ہے

جن کا مستند معنی کسی طور پر۔۔سود۔۔لیا ہی نہیں جا سکتا جب تک اسے کم ازکم کسی قرض لینے اور دینے کے ضمن میں بیان نہ کیا گیا ہو۔،،،،، مسٹرلین،،،، کی شہرہ آفاق لغت کے طول طویل بیانیے میں جہاں بھی ,,ربا،، سے سود کے معنی اخذ کیے گیے ہیں وہ تفاسیر میں کی گئی دھوکہ بازی کے زیر اثر ضمنی طور پر لیے گئے ہیں۔۔۔اور اسی لیے ایسے معنی اور ان وضاحت، مرتب کے تحفظات کے

باعث، ہرجگہ بریکٹوں میں درج کیے گئے ہیں۔۔یعنی سود کے معنی کو ,,ربا،، کے مادے سے مشتق بنیادی معنی نہیں سمجھا گیا۔۔۔ اور ,,لین،، کا یہ اندازہ درست بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ قران تو یہاں ایک ۔۔بڑھوتری۔۔ یا۔۔مال میں ناجائز اضافے۔۔کا ذکر فرمارہا ہے،،،،یعنی یہ مجموعی طور پر کسی بھی قسم کے کاروبار کا ایک انتہائی بڑھا ہوا منافع ہے جو جائز حدود سے زیادہ پھیل گیا ہوا اور سرمائے کو دوگنا چوگنا کردے۔۔نہ کہ صرف سودی کاروبار کا ذکر ہے۔

اور قران حکیم میں سود کا نام لے کر کوئی بھی علیحدہ سے عنوان زیر بحث لایا ہی نہیں گیا۔۔۔البتہ بائبل میں ایسا کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کو اسلامی بنکنگ کے نظام کی بنیاد جس کو بلاسود بنکاری کہتے ہیں بائبل کی ہی ایک دی ہوئی سوچ ہے ورنہ اسلام میں سود نام کی کسی چیز کا کوئی ذکر نہیں۔

ایک بات ذہن نشین کرلیں سود کا تعلق قرض سے ہے، جہاں سود ہوگا وہاں لازمی اس کے ہمراہ قرضداری یا قرض خواہی کا ذکر آنا ضروری ہے۔۔۔جب کہ ان تمام سات آیات میں کہیں بھی قرضداری کا ذکر نہیں ہے

لغوی معنی

رب و:،ربوا: وہ بڑھ گیا/اس میں اضافہ کردیا گیا،زیادتی، بڑھوتری،ایک اضافہ جو حد سے زیادہ وصول کیا گیا:، جو بڑھ کر لمبا ہوگیا ہور نشونما پاکر بڑھ گیا/بڑا/ پھولا ہوا/ سطح میں بڑھا ہوا/بلندی پر چڑھنا،پھیلنا پھولنا، ہمیشہ بڑھنے والا/زیادہ کثرت والا۔

اس کا مصدر۔۔تربیت۔۔۔ہے ہم سب جانتے ہیں کہ تربیت کا معنی میں پڑھانا،لکھانا،سکھانا کھلانا، نشونما دینا،عقل وخرد میں بڑھانا/اضافہ کرنا،پرورش کرنا وغیرہ آتے ہیں جیسے ربیتة ۔۔

میں نے اسے پالا،پرورش کی،بڑا کیا، اس نے پودے اور جڑی بوٹیاں پروان چڑھائیں۔۔۔

یہ وہ تراجم ہیں جو آپ کو لغت کی تمام کتب میں ملیں گے جو کہ اس لفظ کے حقیقی مطالب ہیں۔اب آپ

خود غور کریں اور دماغ پر زور دیں یہاں سود لینا یا سود دینا کہاں سے آ سکتا ہے؟
اسی طرح انگلش لفظ۔۔انٹرسٹ۔۔خود کے اصل عربی مترادف بھی دیکھ لیں:
کیبرج انگلش۔عربک ڈکشنری۔۔انٹرسٹ (ناؤن)۔فائدہ
بشمول المنجد اورلسان العرب میں بھی آپ انٹرسٹ یعنی سود کا عربی مترادف ,,,فائدہ،،،ہی پائیں گے

ربا یا الربوا کے الفاظ قران میں جہاں بھی آئے ہیں سود کے معنوں میں نہیں ستعمال ہوئے اور نہ ہی کیے جاسکتے ہیں۔البتہ اسے سود لینے کا عمل ایک ذیلی معنی کے طور پر،اور وہ بھی ہماری تفاسیر میں کی گئی جعلسازی کے سبب ناجائز طور پر بروئے کار لے آیا جاتا ہے۔۔۔سود اس کے مادے سے بالکل بھی مشتق نہیں ہوتا۔۔کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس لفظ کا فعل کے صیغے میں تمام تر استعمال کسی نہ کسی جہت سے تو۔۔سود۔۔۔کے معنی ضرور دیتا۔۔آپ کسی بھی مترجم کا قران اٹھا کر دیکھ لیں ایسیا کسی بھی متعلقہ سیاق وسباق میں وقوع پزیر نہیں ہوتا۔۔

البتہ ہمیں زبانی طور پر باور کروایا جاتا ہے اور گمراہ کیا گیا ہے کہ اس کا مطلب صرف اور صرف سود ہے کیونکہ سابقین نے اسے سود کے معنوں میں ہی لیا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس دور میں اسلام تیزی سے پھیل رہا تھا اور جو عیسائی یا یہودی مسلمان ہوئے ان کے نزدیک منافع سود ہی تھا چونکہ بائبل میں ایسا ہی تحریر تھا جو کہ مکمل طور پر تحریف شدہ ہے اور زیادہ تر تفاسیر کی کتب بھی انہیں نو مسلم افراد کی لکھی ہوئی ہیں یا ان سے روایات کی گئیں ہیں۔ اور ہبریو زبان میں انٹرسٹ کے لیے ۔۔نشکا۔۔لفظ ہے جس کا لغوی معنی کاٹنا کے ہیں اور دوسرا لفظ مربط/تربط جس کا خاص مطلب مقروض سے منافع لینا کا ہے جب کہ نشکا کا مطلب قرض کی رقم سے انٹرسٹ (فائدہ) کاٹ لینا اور بقایا قرض دار کو دینا۔جب کہ مربط/ربط فائدہ کی اس رقم کا نام ہے جو مقروض کے قرض نہ ادا

کرنے کی صورت میں اس کے اصل زر میں جمع کردی جائے

لفظ مربط یا تربط سے ربط بن گیا اور اس کو عربی کے لفظ ربا کے مترادف قرار دیا گیا۔ اور یوں ہمارے مفسرین نے قران کی روح کے خلاف ربا کا مطلب ناجائز منافع سے سود بنا دیا

﴿وما اتيتم من ربا ليربوا فى اموال الناس فلا يربو عند الله وما اتيتم من زكوة تريدون وجه الله فاوليك هم الضعفون﴾

جو تم عطیہ دو، اس نیت سے کہ واپسی کی صورت میں زیادہ ملے پس اللہ کے ہاں اس کا ثواب نہیں، جب کہ وہ سب جو تم خیرات میں دے دیتے ہو، اللہ کی رضا جوئی کے لئے، (وہ تمہاری بخشش کر دے گا) کیونکہ یہ وہی ہیں ص (جو اس کی رضا چاہتے ہیں) جن کا اجر کئی گنا بڑھ جائے گا (ابن کثیر، ایسر التفاسیر۔ (۳۰:۳۹)

یہی ترجمہ مفہوم القران میں تھوڑا جدید طریقے سے

,ے جو کچھ تم لوگوں کو ان کے واجبات سے زیادہ دو اور اس سے غرض یہ ہو کہ اس میں بڑھوتی ہو تو نظام خداوندی میں اس میں بڑھوتی نہیں ہو سکتی۔۔۔۔۔۔

اور آپ دیکھیں کہ تفسیر القران میں

تم جو سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔۔۔۔۔

مگر ساتھ ہی حاشیہ میں یہ حدیث بھی نقل کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور متعدد صحابہ و تابعین نے اس آیت میں ﴿ربا﴾ سے مراد سود/ بیاج نہیں لیا ہے بلکہ وہ ہدیہ اور تحفہ لیا ہے جو غریب آدمی کسی مالدار کو یا رعایا کا کوئی فرد بادشاہ یا حکمران کو اور ایک خادم اپنے مخدوم کو اس نیت سے دے کہ وہ اس کے بدلے میں مجھے اس سے زیادہ دے گا۔ (تفسیر القران حافظ صلاح الدین یوسف صفحہ ۹۵۸)

ان تینوں تراجم میں کوئی مطابقت نہیں اور کوئی بھی باوثوق ترجمہ سامنے نہیں لا سکا اگر واقعی ,,ربا،،

کے معنی سود ہی تھا تو کیوں یہ وسیع طور پر قبول کیا جانے والا معنی مشہور و معروف سکالرز آیت کے متعلقہ سیاق و سباق میں فٹ نہ کر سکے۔

ان تینوں تراجم میں ایک یہاں سوال پیدا ہوتا ہے۔۔آخر یہاں خطاب کس سے ہے؟۔۔۔کن لوگوں کا حوالہ دیا گیا ہے؟۔۔۔عطیات سے کیا مراد ہے؟؟؟ کون سود کس کو دے رہا ہے؟۔۔۔کن لوگوں کے ۔۔کون سے ,,واجبات،، کا ذکر کیا جا رہا ہے؟ آخر واجبات سے زیادہ: کیا مراد ہے؟ اور نظام خداوندی میں بڑھتی سے کیا مراد ہے؟ دوسرے یہ کہ۔۔۔,,اور تم جو چیز (عطیہ) زیادہ لینے کے لیے دو تا کہ؟؟؟ یہ سراسر ایک مبہم جملہ ہے۔۔۔۔

اب آیئے بائبل سے نکل کر دیکھتے ہیں۔

﴿اور جو کچھ بھی اضافی رقوم (ربا) تم اس مقصد کے لیے لگا دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے اموال ،یعنی سرکاری خزانے (اموال الناس۔ پبلک ایکس چیکر) میں اضافے / بڑھوتی کا باعث بنیں (لیربو) تو جان لو کہ اللہ کے نزدیک وہ اضافہ / بڑھوتری نہیں پاتا (فلا یربو) لیکن جو کچھ بھی رقوم کی مدیں تم اس ,,اموال الناس،، میں سے اللہ کے احکام کی بجا آوری کے لیے (تریدون وجہ اللہ) سامان پرورش کی مد میں (من زکاۃ) عام کر دیتے ہو تو بس وہی سب کچھ ہے جو خزانوں میں اضافے اور بڑھوتری کا ماخذ و منبع و ذریعہ ہے (المضعلون)﴾

جیسا کہ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں، انتہائی وضاحت سے اور سیدھے طریقے سے اہل اقتدار و اتھارٹی کو سرزنش کی جا رہی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ بجائے اضافی پمد نیاں خزانے میں اضافہ کی جانب لگا دینے کہ، یہی رقوم انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کر دی جائیں تو اللہ کے نزدیک تب ہی خزانے میں افزائش ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔۔۔ اموال الناس کا تجمہ آج تک کسی بھی مترجم نے درست نہیں کیا جس کی وجہ سے یہ پیت ہمیشہ سمجھ سے بالا تر رہی اور وضاحت

اور تفہیم کی محتاج رہی ہے۔۔بات بالکل سیدھی سی ہے

زکواۃ کا بھی یہاں ساتھ ہی حکم دیا جا رہا ہے،،، جو صرف حکومت وقت کا ہی فریضہ بنتا ہے، اس لیے

یہاں خطاب ہی حکومت وقت سے ہے

اموال الناس یہاں سرکاری خزانہ ہی ہو سکتا ہے، کچھ بھی اور نہیں، کیونکہ عوام دوست حکومت میں

سرکاری خزانہ ہی ,,اموال الناس،، ہوتا ہے

﴿۔۔۔یمحق اللہ الربا و یربی الصدقات۔۔۔﴾ (۲:۲۷۶)

امام راغب اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔۔۔اللہ سود کو بے برکت کرتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا

ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے پہلی آیت میں ربا کا ترجمہ عطیہ کیا تو اب سود لیتا کیا جا رہا ہے؟

قرین ترین ترجمہ اس آیت کا یوں ہوگا

اللہ اموال میں ناجائز اور بے تحاشہ اضافوں ص الربا) کو ختم کرنے (یمحق) کا حکم دیتا ہے اور اس کے

برعکس محصولات کی آمدنی (الصدقات) میں اضافہ کرنے (یربی) کی تدبیر کرتا ہے۔

﴿یا ایہا الذین امنو لا تا کلو ا الربا اضعافا مضافۃ﴾ (۳:۱۳۰)

عام تراجم میں یوں لکھا گیا ہے,,,اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود مت کھاؤ،،، اس آیت میں کہیں بھی

قرض کے لینے یا دینے کا کوئی پس منظر بیان نہیں ہوا جو کہ سود کی تعریف کا بنیادی جزو ہے

جب کہ اس آیت کا قرین عقل، اور تمام تجارتوں کی اقسام پر محیط ترجمہ کچھ اس طرح ہوگا

۔۔۔اے ایمان والو! تم ایسا ناحق اضافہ/منافع (الربا) مت حاصل کیا کرو جو مالوں میں دوگنا، چو

گنا اضافہ کرتا ہو۔۔۔

مضعفون کے تحت قران کی ایک اور آیت ملاحظہ فرمائیں

﴿واللہ یضاعف لمن یشاء﴾ (۲:۲۶۱)

اللہ جسے چاہتا ہے کئی گنا اضافہ عطا کرتا ہے

یعنی الربا۔۔وہ خاص بڑھوتری/اضافہ/منافع ہے جو اموال کو ملٹی پلائی کردے یعنی ان میں بے حدو حساب اضافہ کرکے دولت کے ارتکاز کا باعث بنے، جسے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔یہاں کسی قرضے کا یا اس پر لاگو ہونے والے کسی سود کا ذکر ہی نہیں بلکہ اللہ معیشیت اور تجارت کے تمام شعبہ جات کا احاطہ فرما رہے ہیں۔جب کہ سود اسی دوگنے چوگنے منافع کی بھیانک شکل ہے جب دوگنا چوگنا منافع ہی ناجائز قرار دے دیا گیا تو سود تو خود بخود ناجائز تصور ہوگا۔لیکن یہ کہنا کہ ان آیات میں صرف سود کا ہی ذکر تو یہ بات غلط ہے۔

﴿الذین یا کلون الربا لا یقو مون الا کما یقوم الذی یتخبط الشیطان من المس ، ذلك بانهم قالو انما البیع مثل الربا ، واحل الله البیع و حرم الربا﴾

(۲:۲۷۵)اس آیت کا جو عمومی ترجمہ کیا جاتا ہے وہ کچھ یوں ہے۔

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ سودے کو خدا نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔(فتح جالندھری)

انتہائی محرف شدہ،غیر معاری اور عامیانہ ترجمہ ہے۔جگہ جگہ اپنی جانب سے بریکٹوں میں الفاظ اس لیے بڑھ دیے گئے ہیں کہ ترجمہ کی بے ربطی کو بہتر کیا جاسے۔۔جب کہ اللہ کے کلام میں تحریف یا اضافہ جرم ہے۔یہاں بھی۔۔سود۔۔کو بے جا اور بغیر جواز کے داخل کر دیا گیا ہے تا کہ بائبل والے سود کو مستقل حیثیت دے کر صہیونی سازش کو کامیاب کیا گیا ہے،یہودی قران کے الفاظ تو بدل نہ سکیں انھوں نے معنی بدلوا کر اپنا مقصد حاصل کرلیا ہے۔اس طرح عمومی ناجائز منافع کو صرف سود کی شکل دے کر،اور جزوی طور پر ایک سودی کاروبار پر لاگو کرکے۔۔باقی تمام تجارتوں پر لیا جانے والا ناجائز

اور بلا حدود منافع نظر انداز کر دیا گیا ہے۔۔نیز ترجمے میں ہر جگہ۔۔یاکلون۔۔ کو لینے اور حاصل کرنے کے حقیقی معانی کے بجائے,,کھانا،،کہا جارہا ہے،گویا کہ سود یا منافع مال یا روپیہ نہیں جو کمایا یا حاصل کیا جارہا ہے۔۔بلکہ کھانے کی ڈش ہے جیسے۔۔کھایا۔۔جارہا ہے۔

قرین عقل اس آیت کا ترجمہ کچھ یوں ہوگا

۔۔جو لوگ ناجائز/بلا حدود منافع (الربا) حاصل کرتے ہیں ان کا مقام اش شخص کی مانند ہو جاتا ہے جس کی عقل کو اللہ کے احکامات سے سرکشی (الشیطان) کے اثرات نے (من المس) خبط کر لیا ہو۔یہ خبط اس طرح سامنے آجاتا ہے(ذلک) کہ ایسے اشخاص یہ کہنے بک جاتے ہیں(ھانھم قالو) کہ تجارت (البیع) بھی بلا حدود منافع (الربا)ہی کی شکل یا اسی ہی کی دوسری شکل ہوتی ہے۔

جب کہ حقیقت یہ ے کہ اللہ ہر قسم کی تجارت (البیع) کو تو جائز قرار دیتا ہے لیکن اس کے ذریعے ناجائز بلا حدود منافع حاصل کرنے (الربا) کو حرام قرار دیتا ہے۔